حبیبِ کبریا ﷺ کے
تین سو (۳۰۰) صحابہؓ
www.KitaboSunnat.com
طالب الہاشمی
مین اسلامک پبلشرز
اردو بازار ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

حبیب کبریا ﷺ کے
تین سو (۳۰۰) اصحاب
طالب الہاشمی
پین اسلامک پبلشرز
اردو بازار ○ لاہور

جیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو (۳۰۰) اصحاب رض
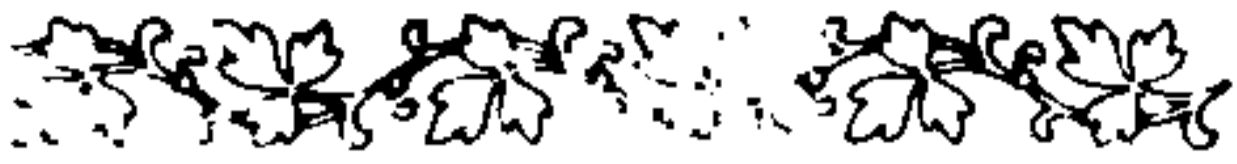
مؤلف

طالب الہاشمی

ناشر

محمد عثمان شمسی پین اسلامک پبلشرز ۱۷ اردو بازار لاہور

ایڈیشن ——— (اول ستمبر ۱۹۹۲ء)

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع :—

کاتب: محمد حنیظ قریشی (حمید والی ڈسکہ) ضلع سیالکوٹ

قیمت ۱۶۰/- روپے

ترتیبِ کتاب

فہرست اسماءِ صحابہ بلحاظ حروفِ تہجی

فہرست حواشی

(یہ صرف اہم حواشی کی فہرست ہے غیر اہم حواشی اس میں شامل نہیں ہیں)

سلفِ صالحین

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیازِ اُبیَض و اَسوَد کا مٹانے والے
سبق انساں کو اُخوّت کا پڑھانے والے

بھید کیا تھا کہ جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی
ہو گئے مغرب و مشرق کو ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمدؐ کے گھرانے والے

خُم و خُمخانہ بھی مُہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے مگر خُم کے لُنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر ریز ابھی تک لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لُٹانے والے

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآن کی دولت کو چُرانے والے

فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سُنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوش پر بارِ امانت کا اٹھانے والے

نہ دَبے ہیں کبھی باطل سے نہ دَب سکتے ہیں
گردن اللہ کے رستے میں کٹانے والے

مولانا ظفر علی خاںؒ

صحابہؓ کی جماعت ساری دُنیا سے نرالی تھی

ہو رَب کی بیکراں رحمت ہدایت کے ستاروں پر
وہ خوش قسمت ہوئے قرباں جو آقا کے اشاروں پر

وہ اصحابِ پاک جن پر ہر گھڑی رحمت برستی ہے
فلک کی آنکھ اب دیدار کو جن کے ترستی ہے

رقم کرتی ہے تاریخ ان کے روشن کارناموں کو
سلام انسانیت کرتی ہے حق کے پاسبانوں کو

یہ دھرتی شاہدِ عدل ہے واللہ ان کے ایماں پر
وفا و عشق پر، اخلاص پر، احسان و ایقاں پر

فلک صد آفریں کہتا ہے دیں کے شاہپاروں کو
نبیؐ کے رازداروں کو نبیؐ کے جاں نثاروں کو

عظیم الشان تھے دنیا میں، پرچم حق کا لہرایا!
بشارت مل گئی جنّت کی یوں رحمت کو جوش آیا

تھی ہیبت قیصر و کسریٰ پہ ان کے نام سے طاری
پیام ان کا ملا تو خشک دریا ہو گئے جاری!

صحابہؓ کی جماعت ساری دُنیا سے نرالی تھی
خدائے پاک کے ہر حُکم پر مٹنے والی تھی

قرآن و سُنّت کا خزانہ ان کی برکت سے
بہار آئی نبوّت کے چمن میں ان کی حرکت سے

ملا ان کو خدائے لم یزل سے تمغۂ رضواں
انہیں انسانیت کی جاں سمجھتا ہے ہر اک انساں

(مولانا قاری قیام الدین الحسینی)

تعارف

از

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی

اصحاب محمد ــــــ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی و ابی وروحی) کے جاں نثار ساتھی، آپ کے عاشق زار، سرفروش رفیق، اُمت مُسلمہ ہی کے نہیں نوعِ انسان کے بے مثل محسن۔ اُن کا ذکر آتا ہے تو دل کی ساری کیفیات پر نشاط اور سرخوشی چھا جاتی ہے اور ایمان کو وہ حلاوت نصیب ہوتی ہے جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ تاریخ انسانی کی یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ انبیاءؑ کے سوا آسمان کی نظروں نے اصحاب مصطفٰےؐ سے بہتر و برتر کوئی مخلوق نہیں دیکھی ہوگی ــــــ سبحان اللہ وہ لوگ ایک ایک خوبی میں عدیم النظیر تھے۔ فقر و استغناء، شجاعت و شہامت، جانبازی و

سرفروشی، زہدو تقویٰ، ایثار و مروّت، صدق و دیانت، تعلیم و تعلّم، صبر و استقامت، تدبیر و حکمت، انکسار و تواضع، حلم و تحمّل، اخلاص اور تفقّہ فی الدّین ـ غرض اخلاقِ فاضلہ کی وہ کون سی خوبی / قسم ہے جو پوری شان کے ساتھ اُن میں موجود نہ تھی۔ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے براہِ راست نبیٔ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیضِ تربیت سے مُشرّف فرمایا اور اُن کے کردار میں وہ ابدی چمک پیدا ہو گئی جو منارۂ نور کی طرح آج بھی تاریک راستوں میں ہدایت و رہنمائی کا باعث بنتی اور رہروانِ شوق کو مایوس کُن حالات میں بھی حوصلہ و عزیمت کا پیغام دیتی ہے۔ اللہ رَبُّ العِزّت کی لاکھوں کروڑوں رحمتیں ہوں ان قدسی صفات انسانوں پر جنہوں نے اپنے عمل و کردار، ایثار و قربانی اور بے مثل دیانت سے دینِ حق کی جڑیں مضبوط کیں اور اُسے قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید رکھنے میں فیصلہ کُن کردار کا مظاہرہ کیا۔ حکیم الاُمّت علامہ اقبالؒ نے کتنی محبت و اخلاص سے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ؎

سماں اَلفَقرُ فَخرِی کا رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

چنانچہ وہ لوگ خوش بخت ہیں جو صحابۂ کرامؓ سے مَحبّت رکھتے ہیں اور اُن کے اُسوَہ کو دلیلِ راہ بناتے ہیں خصوصاً اُن اہلِ قلم حضرات کی

خوش نصیبی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں جو حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھیوں کی روح پرور زندگیوں کے تذکرے رقم کرتے اور عام قارئین تک پہنچاتے ہیں۔
جناب طالب الہاشمی انہی خوش بخت بزرگوں میں شامل ہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ اس معاملے میں کم از کم اردو زبان میں اُن کا کوئی شریک و سہیم نہیں تو ہرگز کوئی مبالغہ نہیں ہوگا ـــــــ موصوف محترم تاریخی، دینی اور مختلف علمی موضوعات پر متعدد وقیع کتابیں تالیف کرنے کے علاوہ اب تک تقریباً آٹھ سو صحابہؓ و صحابیاتؓ کے بارے میں تقریباً ایک درجن ضخیم و ثقہ تصانیف اردو خواں قارئین کی نذر کر چکے ہیں جو اپنی متنوع خوبیوں کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ یاد رہے کہ دار المصنفین اعظم گڈھ کے لائق مؤرخین نے اُسوہ صحابہؓ اور سِیَرُ الصحابہؓ کے عنوان سے متعدد سلسلہ وار کتابیں مرتب کی ہیں جو یقیناً قابلِ قدر علمی اور تاریخی کارنامہ ہے، لیکن تاریخیت، اسلوبِ نگارش، واقعات و شخصیات کی سند و ثقاہت اور تفصیل کے اعتبار سے طالب الہاشمی صاحب کی تالیفات اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں ـــــــ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی تازہ ترین کڑی ہے جس میں تین سو سے زائد اصحابِ رسولؐ کے تذکرے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

جناب طالب الہاشمی کی علمی فتوحات، معلومات کا تبحر اور تحقیق و تفحص سبھی چیزیں قابلِ رشک ہیں۔ زیرِ نظر کتاب " حبیبِ کبریاؐ کے تین سو اصحاب " میں وہ حسبِ سابق کمالِ دقتِ نظر اور محنت و جستجو سے متعدد ایسے صحابہؓ کے حالات منظرِ عام پر لائے ہیں جن کے بارے میں معلومات بہت کم یا ناقص تھیں۔ ہاشمی صاحب کی اصل عربی مآخذ و مراجع پر گہری نظر ہے اور وہ واقعات کی صحت کے ساتھ ساتھ رجال و مقامات کے اسماء

اور ان کے تلفظ و اعراب کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ پھر ایک بالغ نظر اور حقیقت پسند مؤرخ کی طرح انصاف، اعتدال اور احتیاط ان کی تحریر کا خاص وصف ہے اور اس اعتبار سے ان کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم اور جیّد مؤرخین میں کیا جا سکتا ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ ان کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی نہ صرف ایمان کی افزونی و تازگی کا سبب بنے گی، بلکہ انشاء اللہ رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ رہے گی —— میں اس کتاب کی تکمیل پر ہاشمی صاحب کو بصمیم قلب ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

عبدالغنی فاروق

۹۲-۴-۸

پیش لفظ

علامہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی
(ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات) پی ایچ ڈی)

تاریخ ادیانِ عالم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ پوری تاریخ میں اگر کوئی شخصیت ایسی نظر آتی ہے جس نے اپنے پیروکاروں اور رفقاء کی ایسی جماعت تیار کی ہو جو جاں نثار، مستعد، سرگرم اور فعال ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقِ فاضلہ اور محاسنِ جمیلہ سے آراستہ ہو تو فقط اور فقط محمدِ عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی منفرد ذاتِ گرامی ہے۔ یہ بات محض عقیدت کی بناء پر نہیں بلکہ تقابلِ ادیان کے ایک ادنیٰ طالبِ علم ہونے کے حوالے سے دلائل و براہین اور علم و بصیرت پر مبنی حقیقت کی بناء پر ذکر کر رہا ہوں۔

تاریخ اس امر پر شاہدِ عادل ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیضانِ تربیت کے شاہکار، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رفقاء جنہیں "صحابۂ کرام" کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے، عظمتوں کے وہ منار ہیں جن کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرنے والا انہیں ہدیۂ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی۔ غرقِ فرعون کے بعد وادیِ سینا میں ہزاروں افراد کی غذائی ضروریات پوری

کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں منّ و سلویٰ کی نعمت سے نوازا۔ بیابان میں جہاں دُور دُور تک پانی کا نشان نہ تھا ان کی سیرابی کے لیے پتھر سے چشمے جاری فرمائے جھلس دینے والی صحرا کی گرمی سے انہیں بچانے اور راحت و سکون پہنچانے کے لیے بادلوں کے سائبان آموجود ہوئے۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ (البقرۃ: ۴۰)

(اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے)

کے ارشادِ ربانی کے مطابق ان پر اُن کے جلیل القدر پیغمبر کی برکت سے نعمتوں کی بارش کردی گئی۔ لیکن اس قوم کا رویّہ "اصحابِ موسیٰؑ" کا اپنا تبصرہ، تورات کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد (موسیٰ) کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا؟"

ان کے رویے کے حوالے سے تورات نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

"تب خداوند نے موسیٰ کو کہا نیچے جا کیونکہ تیرے لوگ جن کو تو ملک مصر سے نکال لایا بگڑ گئے ہیں وہ اس راہ سے جس کا میں نے ان کو حکم دیا تھا بہت جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پوجا.........

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے اس لیے تو مجھے اب چھوڑ دے کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں ان کو بھسم کر دوں......" (تورات، کتاب خروج)

انعامات ملنے کے بعد جس قوم کا یہ حال ہے اس کا حال بھوک، پیاس اور دھوپ کی سختیوں پر کیا ہو گا اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے تورات کا

مطالعہ کیا ہے اور اس قوم کی ہٹ دھرمی اور اپنے محترم نبیؑ سے گستاخیوں پر مبنی اقوال کا جائزہ لیا ہے۔ حکیم الامتؒ نے فرزندانِ توحید کو اسی لیے اس قوم سے عبرت حاصل کرنے کا مشورہ دیا ہے: ؎

عبرتے اے مسلم روشن ضمیر
از مآلِ اُمتِ موسیٰؑ بگیر

اب ذرا "اصحابِ عیسیٰؑ" کے بارے میں انجیل کی شہادت ملاحظہ ہو:

"اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا، سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے (حضرت عیسیٰؑ کو) تمہارے حوالے کرا دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دے دیئے اور وہ اس وقت سے اس کے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا......

"اور اس کے پکڑوانے والے نے ان کو یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں، وہی ہے، اسے پکڑ لینا اور فوراً اس نے یسوع کے پاس آ کر کہا اے ربی سلام! اور اس کے بوسے لیے۔ یسوع نے اس سے کہا میاں! جس کام کو آیا ہے وہ کر لے۔ اس پر انہوں نے پاس آ کر یسوع پر ہاتھ ڈالا۔"

(انجیل متی)

انجیل میں ان کے ایک اور شاگرد کا بھی ذکر ہے جس نے رات کے آغاز میں اپنی محبت کے دعوے کے باوجود اسی رات مرغ کے اذان دینے سے پہلے تین بار اپنے محبوب آقا حضرت عیسیٰؑ سے اپنے کسی قسم کے تعلق اور واقفیت سے انکار کر دیا۔

اس کے مقابلے میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار غلاموں کو دیکھیے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا تن من دھن کس کس طرح نچھاور کیا۔ آپؐ کی مکی زندگی جو قریش کی اذیت رسانی اور ظلم و ستم کی ایک شرمناک داستان ہے، کا مطالعہ کرنے والا، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت خبابؓ، آلِ یاسرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ،

حضرت عثمانؓ پر ڈھائے جانے والے مظالم کو پڑھ کر بے ساختہ تڑپ اٹھتا ہے لیکن ان مصائب و آلام کی امڈتی ہوئی گھٹاؤں میں، ظلم و ستم کی اس بارش میں طعن و تشنیع کے طوفانوں میں کسی صحابی کے پائے ثبات کو لغزش نہ آئی۔ انصارِ مدینہ کا ایثار جس کی گواہی ربِ جلیل نے قرآنِ حکیم میں مثال کے طور پر بیان فرمائی تاریخ اسلام میں زرّیں حروف سے رقم ہے۔ اصحابِ موسیٰؑ اور اصحابِ عیسیٰؑ کے مقابلے میں اپنے محبوب آقاؐ سے عقیدت کا تقابلی جائزہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ قریش کی طرف سے معاملہ طے کرنے کے لیے جب عروہ بن مسعود ثقفی نے رسالت مآبؐ کے ساتھ صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا۔ قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمدؐ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ (سیرت النبی ج ا ص ۴۶۳)

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا اور "اَصْدَق" کون ہے اس کی شہادت سے بڑھ کر اور شہادت اور گواہی کس کی ہو سکتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاداتِ ربانی میں صحابہ کرامؓ کے کردار کی عظمت کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی بدبخت ہی ہوگا جو آسمانِ ہدایت کے ان روشن ستاروں کی تابانیوں کا انکار کر سکے قرآن حکیم نے ایثار و قربانی، زہد و طاعت، اپنے محبوب آقاؐ سے محبت و اخلاص، حضورؐ کے لائے ہوئے پیغامِ ہدایت کی حفاظت کے لیے سرگرم جہاد، دینِ حق کی تبلیغ کے لیے ان کی کاوشوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اس مفصل ذکر میں سے فقط چند ایک پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ..... (سورۃ فتح : ۲۹)

(ترجمہ) محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھی ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی طلب کرنے میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

سورۃ الانفال میں ان کی ایمانی کیفیت کا نقشہ یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ ۝ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ؕ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۝ (الانفال ۲ تا ۴)

(ترجمہ) ایمان والے، وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کا کلام پڑھا جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے اپنے رب کے پاس درجے ہیں۔ نیز مغفرت اور عزت کی روزی بھی۔

سورۃ التوبہ میں مہاجرین و انصار کے درجات کی بلندیوں اور ان کی عظمت کردار کو یوں اجاگر فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝ یُبَشِّرُهُمۡ رَبُّهُمۡ بِرَحۡمَۃٍ مِّنۡهُ وَرِضۡوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمۡ فِیۡهَا نَعِیۡمٌ مُّقِیۡمٌ ۝ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ

عَظِيْمٌ ○ (التوبہ : ۲۰ - ۲۲)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے، خدا کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں۔ اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے نعمت ہائے جاودانی ہیں (اور وہ) اُن میں ابدالآباد تک رہیں گے کچھ شک نہیں کہ خدا کے ہاں بڑا صلہ (تیار) ہے۔

سورۂ فتح میں صحابۂ کرامؓ کے پاکیزہ احساسات کی عکاسی فرمائی گئی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ (الفتح : ۱۸)

(ترجمہ) (اے نبی) جب مومنین تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے راضی ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا، وہ اس نے معلوم کر لیا۔

اور سورۃ البیّنۃ میں ان کی عظمتِ کردار پر مہرِ توثیق لگا دی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ○

(البیّنۃ : ۷-۸)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام خلقت سے بہتر ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد تک ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش۔ یہ صلہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد کے پیشِ نظر اُمتِ مسلمہ جب صحابۂ کرامؓ کا تذکرہ کرتی ہے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ایک صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ،

صحابیہ کے لیے رضی اللہ عنہا اور صحابہ کی جماعت کے لیے "رضی اللہ عنہم" کا ذکر کر کے ان کی عظمتوں کا اعتراف کرتی ہے۔

انسانیت کے سب سے بڑے معلّم و محسن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ارشاداتِ گرامی میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و شان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے صحابہ کرامؓ کی فضیلت کو مناقب الصحابہ کے مستقل باب میں اجتماعی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد خلفائے راشدینؓ کے مناقب کو الگ الگ مناقب ابی بکرؓ، مناقبِ عمرؓ پھر شیخین کے مناقب کو اکٹھے مناقبِ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما پھر مناقبِ عثمانؓ پھر مناقبِ علیؓ، پھر مناقب العشرۃؓ، بعد ازاں مناقب اہل بیت النبیؐ اور ایک الگ باب میں مناقب ازواج النبیؐ بیان کیے گئے ہیں پھر صحابہ کرامؓ کی شان و عظمت اور ان کے کردار کی مختلف صفات کو جامع المناقب میں مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں فطری طور پر ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ قرآنِ حکیم اور ارشاداتِ نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت کو آخر بار بار بیان کرنے اور ان کی صفات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کا مقصود کیا ہے۔

اس کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خلوص و محبت، جذبۂ جانفروشی، جادہ حق پر ان کی استقامت، سیرت و کردار کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہونا، ان کی دیانت و امانت ان کے جذبۂ خیر و ایثار، اُن کے زہد و طاعت، ان کے فضائلِ اخلاق، دینِ حق کی تبلیغ کے لیے ان کی مساعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت بھرے ارشادات اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت میں ان کی عظیم خدمات سے آگہی حاصل کر کے ہمارے اندر ولولہ و جوش پیدا ہو، ہمت و عزم پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر انعامات اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے پیارے صحابہؓ کے بارے میں توصیفی کلمات کو معلوم کر کے ہمارے اندر بھی دینِ حق کی اشاعت اور خدمت کا جذبہ اُبھرے۔

محترم طالب الہاشمی صاحب صد تحسین و تبریک کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو مادی مفادات کے حصول میں ضائع نہیں کیا ورنہ ان جیسا دل نشین اسلوب رکھنے والا ادیب، ادب کی مختلف جہتوں میں اپنے فنی محاسن کی بنا پر ڈھیروں مال اکٹھا کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ عمیم سے انہیں خیرِ کثیر اور اجرِ جزیل عطا فرمائے کہ اُن کی تمام تر صلاحیتیں، ان کی تمام تر مساعی ان نفوسِ قدسیہ کی سیرت کے تذکروں پر مرکوز رہی ہیں جن کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ کر کے ایمان تازہ ہوتا ہے، ان کی زندگی کا مشن، نصب العین، مطمحِ نظر ان کی تحریروں کے آئینے میں ضوفشاں ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی آنے والی نسلوں کو، ہمارے آنے والے معمارانِ قوم کو، ہمارے نوجوانوں اور نونہالوں کو ان پاکباز اور ہدایت کے روشن ستاروں، صحابہ کرامؓ کے مستند حالات سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اسوۂ رسولؐ کی تابانیوں سے شناسا صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چل کر دینی و دنیاوی فوز و سعادت حاصل کر سکیں۔

جناب طالب الہاشمی اب تک تقریباً آٹھ سو صحابہؓ و صحابیاتؓ کے تذکرے اپنی مختلف تالیفات میں اپنے اندازِ خاص میں منظرِ عام پر لا چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب تین سو سے زائد صحابہ کرامؓ کے تذکار پر مشتمل ہے جو انہوں نے بڑی تحقیق و تفحص اور عقیدت و محبت کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ اگر کسی مضمون کے اختتام پر کچھ جگہ بچ گئی تو اس میں انہوں نے کوئی حدیثِ نبویؐ درج کر دی۔ اس طرح یہ کتاب تذکارِ صحابہؓ کے ساتھ احادیثِ نبویؐ کا بھی ایک ایمان افروز گلدستہ بن گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تذکارِ صحابہؓ کے اس گرانقدر مجموعے "حبیبِ کبریاؐ کے تین سو اصحابؓ" کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ان کے خامۂ عنبر شمامہ کو آئندہ بھی رواں دواں رکھے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حقیر العباد [illegible] صدیقی عفی عنہ
[illegible] ۱۹۹۲ء

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

صاحبِ قصیدۂ بردہ امام بوصیریؒ (المتوفی ۶۹۶ھ ہجری) نے اپنی ایک مشہور نعت میں حبیب کبریا صاحبِ قابَ قوسین خیر الخلائق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

وَبِاَصْحَابِکَ الَّذِیْنَ ھُمْ
بَعْدَکَ فِیْنَا الْھُدَاۃُ وَالْاَوْصِیَاءُ
اَحْسَنُوْا بَعْدَکَ الْخِلَافَۃَ فِی الدِّ
یْنِ وَکُلٌّ بِمَا تَوَلّٰی اِزَاءُ

(آپؐ کے صحابہؓ پر ہماری جانیں قربان ہوں جنہوں نے آپؐ کی رحلت کے بعد ہماری رہنمائی اور سرپرستی کی ذمہ داری سنبھالی اور آپؐ کے بعد دینی اُمور میں نیابتِ نبوّت کی ذمہ داری بھی خوب نباہی۔ ان میں سے ہر صاحب اپنی مفوّضہ ذمہ داری کے پوری طرح اہل تھے)

اس ذاتِ بے ہمتا کا کما حقہٗ شکر ادا کرنے سے زبان عاجز ہے جس نے مجھ جیسے ہیچمدان کو اُن نفوسِ قدسی کی سیرت نگاری کی توفیق بخشی جن کا ذکر ان شعروں

ہیں کیا گیا ہے۔ سیر الصحابہؓ و صحابیاتؓ کے موضوع پر اب تک مجھے جو کتابیں تالیف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اُن کے نام یہ ہیں :

- خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ
- تیس پروانے شمعِ رسالتؐ کے۔
- خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ
- سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ
- آسمانِ ہدایت کے ستر ستارےؓ
- رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائیؓ
- فوز و سعادت کے ایک سو پچاس چراغؓ
- یہ تیرے پُر اسرار بندے
- سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ
- سیرۃ حضرت ابو ایوب انصاریؓ میزبانِ رسولؐ
- سیرۃ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب
- سیرۃ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ
- تذکارِ صحابیاتؓ

اربابِ علم نے ان کتابوں کی جس ذوق و شوق سے پذیرائی کی، اس نے مجھے ولولۂ تازہ عطا کیا اور میں سیرت نگاری کی راہ پر برابر گامزن رہا۔ الحمد للہ، اب اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب " حبیب کبریاؐ کے تین سو اصحابؓ " تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ سیر الصحابہ کے سلسلۃ الذہب کی چودھویں کڑی ہے۔ اس سے پہلے شائع ہونے والی (مذکورہ بالا) کتابوں میں صحابۂ کرامؓ کے بے مثل اور لازوال مقام و مرتبہ کے بارے میں اپنی گزارشات تفصیل کے ساتھ پیش کر چکا ہوں۔ چونکہ یہاں اُن کا دہرانا محض تحصیلِ حاصل کے مترادف ہوگا اس لیے ذیل کی سطور صرف زیرِ نظر کتاب ہی سے متعلق ہیں۔

بظاہر تو یہ کتاب تین سو صحابۂ کرامؓ کے تذکار پر مشتمل ہے لیکن فی الحقیقت اس میں تین سو چھتیس صحابۂ کرامؓ کے تذکرے شامل ہیں۔ تعداد میں اضافہ کا پس منظر یہ ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ کے تذکرے (کتبِ رجال میں ان کے حالات کی نایابی یا کمیابی کی وجہ سے) اس قدر مختصر ہیں کہ ان کو حقیقی معنوں میں "تذکرہ" یا "ترجمہ" نہیں کہا جا سکتا، اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ اس کمی کی تلافی کے لیے تذکروں کی تعداد میں مناسب اضافہ کر دیا جائے۔ ان کے علاوہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے اجمالی تذکرے مناسب مقامات پر کتاب کے حواشی میں بھی شامل ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کی ایک معقول تعداد ایسی ہے جن کے صرف اسی قدر مستند حالات دستیاب ہو سکے جو کتاب کے نصف صفحے میں سما گئے۔ نصف نصف صفحات کے ایسے تذکروں کے نیچے کوئی حدیثِ نبویؐ درج کر دی گئی تاکہ ایک صفحہ مکمل ہو جائے اور دوسرے صحابی کا تذکرہ نئے صفحے سے شروع ہو۔ اس طرح متعدد دوسرے تذکروں کے آخر میں اگر کچھ جگہ بچ گئی تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی حدیثِ نبویؐ درج کر دی گئی۔ یہ ان احادیث کے علاوہ ہیں جو بعض تذکروں کے متون میں آ گئی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب تین سو سے زیادہ تذکارِ صحابہؓ کے ساتھ دو سو سے زائد مستند احادیثِ نبویؐ کا مجموعہ بھی بن گئی ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ کتاب کا اسلوبِ نگارش سادہ اور عام فہم ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے مندرجات اس موضوع پر مزید تحقیق (ریسرچ) کرنے والے اصحاب کے لیے بنیاد کا کام دے سکیں۔

میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ ہر ممکن احتیاط کے باوجود ہر کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور رہ جاتی ہیں۔ ان میں کتابت اور زبان و بیان کی غلطیوں کے علاوہ بعض دوسرے تسامحات بھی ہو سکتے ہیں۔ قارئینِ کرام سے درخواست ہے کہ ازراہِ کرم ایسی خامیوں اور تسامحات کی نشان دہی کریں تاکہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں ضروری ترمیم و تصحیح کی جا سکے۔ اس

کارِ خیر کے لیے وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔

میں فضیلت مآب ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا پیش لفظ اور تعارف لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ میری صدقِ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں سرخرو کرے۔

آخر میں رَبّ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہِ عالی میں بصد عجز و الحاح دعا کرتا ہوں کہ وہ راقم الحروف کا خاتمہ ایمان پر کرے اور آخرت میں اپنے اُن محبوبین کے جوار میں جگہ دے جن کی سیرت نگاری میں اس کی عمر گزری ہے۔ اور اگر اس کتاب کی تالیف حق تعالیٰ کے نزدیک کسی درجے کی بھی "نیکی" ہے تو وہ اس کا ثواب مؤلف کے والدین، اس کی جوانا مرگ بہن حفیظ بیگم اور اس کی جوانا مرگ لائق بیٹی راشدہ ناہید کے نامۂ اعمال میں ثبت فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

راجیٔ غفران و شفاعت

طالب الہاشمی

۱۱۸۔ ڈی / رضوان بلاک
اعوان ٹاؤن
ملتان روڈ ۔۔۔ لاہور
۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء

حضرت ابوالرُّدومؓ بن عُمیر عبدری

قریش کے خاندان بنی عبدالدار کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
ابوالرّدومؓ بن عمیر بن ہاشم بن عبدِ مناف بن عبدالدار بن قُصَیّ بن کلاب بن مُرّہ قرشی عبدری۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں ان کا نام منصور بیان کیا ہے لیکن دوسرے اہلِ سِیَر نے ان کا نام "ابوالرّدوم" ہی بیان کیا ہے۔ اگر ابوالرّدوم ان کی کنیت تھی تو پھر یہ ان کے نام پر غالب آگئی تھی یہاں تک کہ لوگ ان کا نام بالکل بھول گئے تھے۔

ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ "ابوالرّدوم" ان کا لقب تھا جو انہیں مہاجرینِ حَبَش نے دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابوالرّدومؓ جلیل القدر صحابی حضرت مُصْعَبؓ بن عمیر کے بھائی تھے[1] وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے دوران میں اپنے

---

[1] حضرت ابومحمد مُصْعَب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو عبدالدار کے نہایت بہادر، خوش رُو اور خوش ذوق نوجوان تھے۔ والدین نے انہیں بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا۔ قیمتی سے قیمتی لباس پہنتے تھے اور عمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ دعوتِ حق کے اوائل ہی میں مُشرّف بہ اسلام ہو گئے اور حد سے زیادہ سادہ زندگی اختیار کر لی۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنے اہلِ خاندان اور دوسرے مشرکین کے مظالم کا ہدف بن گئے۔ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایماء پر حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے اور پھر آپ کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھائی کے ساتھ مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ اس طرح السّابِقُونَ الْاَوَّلُون کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے اور رکن بھی ایسے جو امتیازی شان کے حامل تھے۔

سنہ ۶ بعد بعثت میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایماء پر حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں شریک ہو گئے اور ایک بڑے قافلے میں شامل ہو کر مکہ سے حبش چلے گئے۔ وہاں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد غزوۂ اُحُد سے کچھ پہلے مدینہ مُنَوَّرہ آ گئے۔

شوّال سنہ ۳ ہجری میں اُحُد کی لڑائی پیش آئی تو وہ اپنے بھائی حضرت مُصْعَب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضرت مُصعبؓ مسلمانوں کے عَلَم بردار تھے۔ جب وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گرے تو حضرت ابوالرومؓ نے آگے بڑھ کر عَلَم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لڑائی ختم ہونے تک اس کو گرنے نہیں دیا۔

حضرت ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مزید حالات کُتُبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آ گئے۔ سنہ ۱۲ بعد بعثت میں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انصار کی درخواست پر انہیں اسلام کا مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ ان کی تبلیغی مساعی سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ سنہ ۱۳ بعد بعثت میں مدینہ کے ۷۵ مسلمانوں کے ساتھ مکہ آئے۔ یہی وہ اصحاب تھے جو بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہوئے اور آپ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے واپس جانے کے بعد چند ماہ حضورؐ کی خدمت میں گزارے اور پھر آپؐ کی ہجرت سے بارہ دن پہلے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تشریف آوری کے بعد پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے پھر اُحُد میں آنحضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ نے انہیں اسلامی لشکر کا علمبردار بنایا۔ اسی غزوے میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(حضرت مصعبؓ کے مفصل حالات ہماری کتاب "تیس پروانے شمع رسالت کے" میں ملاحظہ فرمائیے)

حضرت ابو عَسِیبؓ

ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل سیر ان کا نام احمر بتاتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی کنیت "ابو عسیب" سے شہرت پائی۔

ان کے وطن، خاندان اور نسب کے بارے میں کتب سیر بالکل خاموش ہیں مگر ان کے شرف و مجد کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ سید الانبیاء والمرسلین رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

حضرت ابو عسیبؓ کب حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف کب حاصل ہوا، اس کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انہیں فتح مکہ (رمضان ۸ھ) سے پہلے کسی وقت قبولِ اسلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ بعد میں حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے کے بعد ان کی زندگی میں ایسا زبردست انقلاب آیا کہ اخلاقِ حسنہ کے پیکرِ جمیل بن گئے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حالت میں اسوۂ نبویؐ پیشِ نظر رہتا تھا۔ اس طرح وہ حقیقی معنوں میں "عباد الرحمٰن" کی صف کے آدمی بن گئے تھے۔

عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ ضعیف العمری میں بھی اس شغف میں کوئی فرق نہ آیا۔ چاشت کی نماز تک کبھی ترک نہ کی۔ جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے مگر ناغہ نہ کرتے تھے۔ تین دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ ہر مہینے کی چاندنی رات کی تاریخوں میں باقاعدگی سے روزہ رکھتے تھے۔ نمازِ جمعہ کا اس قدر التزام تھا کہ جب تک مسجد میں جانے کی طاقت رہی جمعہ کی نماز کا کبھی ناغہ نہ کیا۔ وہ لوگوں کو بھی تاکید کیا کرتے

تھے کہ جب تک صحت قائم ہے اور چلنے پھرنے کی طاقت ہے جمعہ کی نماز نہ چھوڑنا۔ یہ نماز (حج کی استطاعت نہ رکھنے والوں کے لیے) فریضۂ حج کے برابر ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد، ق اوّل ص ۴۲)

انہوں نے اپنی آنکھوں سے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کی پیروی کرتے تھے۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عسیبؓ ہمیشہ موٹے برتن میں پانی پیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا، آپ ہماری طرح پتلے برتن میں پانی کیوں نہیں پیتے؟ فرمایا: — "میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اسی قسم کے برتن میں پانی نوش فرماتے دیکھا ہے۔ پھر میرے لیے ایسا کرنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟"

سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت ابو عسیبؓ مدینہ منوّرہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ لوگ ان کے شرفِ صحابیت، خدمتِ رسولؐ، اور زہد و تقویٰ کی بنا پر ان کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ جب وہ بہت بوڑھے ہو گئے تو لوگ اپنے ہاتھوں سے ان کے ناخن اور مونچھوں کے بال تراشتے تھے۔

حضرت ابو عسیبؓ کے سالِ وفات کے بارے میں بھی کتبِ سیر خاموش ہیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں حضرت ابو عسیبؓ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، جبریلؑ میرے پاس بخار اور طاعون لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو شام بھیج دیا اور وہ میری اُمّت کے لیے رحمت ہے اور کافروں کے لیے عذاب ہے۔"

ابنِ اثیرؒ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ جرح و تعدیل کی روشنی میں اس حدیث

کا کیا درجہ ہے۔

مسندِ احمدؒ میں حضرت ابو عسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک اور حدیث بھی نقل کی گئی ہے جس میں انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابو الہیثم بن التیہان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نخلستان میں تشریف لے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ مختلف طریقوں سے ابو داؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور نسائی وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ ان میں سے بعض میں حضرت ابو الہیثمؓ بن التیہان کا نام لیا گیا ہے اور بعض میں صرف انصار میں سے ایک شخص کہا گیا ہے۔ اس قصے کو مختلف طریقوں سے اور متعدد تفصیلات کے ساتھ ابنِ ابی حاتمؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی معیت میں حضرت ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کے نخلستان میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپؐ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور کھجوروں سے لدی ہوئی ایک شاخ توڑ لائے۔ جب یہ شاخ انہوں نے حضورؐ کے سامنے رکھی تو آپؐ نے پوچھا کہ تم خود کیوں نہ کھجوریں توڑ لائے؟ انہوں نے عرض کیا، میں چاہتا تھا کہ آپ حضرات خود چھانٹ چھانٹ کر کھجوریں تناول فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے کھجوریں کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے روز تمہیں جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہ ٹھنڈا سایہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی —— بعض روایتوں میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکری کا ایک بچہ ذبح کر کے بھونا اور ان تینوں مقدس ہستیوں کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ اسی اثناء میں دو جنگی قیدی آپ کے سامنے لائے گئے ان میں سے ایک آپؐ نے حضرت ابو الہیثمؓ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے اپنی اہلیہ کے مشورے پر اسے آزاد کر دیا۔ حضورؐ نے سنا تو آپ بہت خوش ہوئے اور دونوں میاں بیوی کی تعریف فرمائی

حضرت ابو قحافہؓ تیمی قریشی

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد تھے۔

نام عثمان تھا مگر انہوں نے اپنی کنیت "ابو قحافہ" سے شہرت پائی۔ خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی تیم سے تھا۔ یہ افرادِ خاندان کے اعتبار سے قریش کا سب سے چھوٹا خاندان تھا مگر عزت اور مرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتا تھا۔ اشناق یعنی خون بہا (دیت) تاوان وغیرہ کے معاملات کی ذمہ داری اسی خاندان کے سپرد تھی۔

حضرت ابو قحافہؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لؤیّ القرشی۔

مُرّہ بن کعب پر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا نام آمنہ تھا جو عبد العزیٰ بن حرثان بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب کی بیٹی تھیں۔

جس زمانے میں آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا، حضرت ابو قحافہؓ کی عمر ستر برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ ایک خوشحال تاجر تھے اور قریش میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کے بہت سے دوسرے سن رسیدہ اشخاص کی طرح وہ مدت تک اسلام کو بچوں کا کھیل سمجھتے رہے، اور اپنے آبائی مذہب پر سختی سے قائم رہے۔ آبائی مذہب سے ان کے لگاؤ کا یہ حال تھا کہ اپنے بچوں کو بھی بُت پرستی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان کے فرزند حضرت ابوبکرؓ کی عمر صرف چار برس کی تھی وہ ان کو اپنے ساتھ بُت خانے

لے گئے اور وہاں پر نصب ایک بُت کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہ ہے تمہارا بلند و بالا خدا، اس کو سجدہ کرو۔"

حضرت ابوبکرؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ فطرت اور کمال درجے کی ذہانت و فطانت عطا کی تھی، اس چھوٹی سی عمر میں بھی بُت پرستی سے متنفر اور مجتنب تھے۔ انہوں نے بُت سے مخاطب ہو کر کہا:

"میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے، میں ننگا ہوں مجھے کپڑا دے۔ میں تجھے پتھر مارتا ہوں اگر خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک پتھر اس زور سے بُت کو مارا کہ وہ گر پڑا۔ یہ دیکھ کر ابوقحافہ غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے ننھے ابوبکرؓ کے رخسار پر تھپڑ مارا اور وہاں سے ان کو گھسیٹتے ہوئے اپنی اہلیہ سلمیٰؓ بنتِ صخر کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ننھے ابوبکرؓ کو سینے سے چمٹا لیا اور شوہر سے کہا:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب یہ پیدا ہوا تھا تو مجھے اس کے بارے میں غیب سے کئی اچھی باتیں بتائی گئی تھیں۔"

(ارشاد الساری شرح بخاری قسطلانی)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوقحافہ کے جلیل القدر فرزند حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبولِ حق میں ایک لمحہ بھی تامل نہ کیا مگر حضرت ابوقحافہؓ اپنے حال میں مست رہے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سفرِ ہجرت پر روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سفر میں آپؐ کی معیت کا عظیم اور لازوال شرف حاصل ہوا۔

حضرت ابوقحافہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ جب ان کو یہ علم ہوا کہ ابوبکرؓ مکے سے کہیں باہر چلے گئے ہیں تو انہوں نے اپنی پوتی حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے۔"

فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ گھر سے چلتے وقت اپنا سارا مال (جس کی مقدار بہ اختلافِ روایت پانچ چھ ہزار درہم سے چالیس ہزار درہم تک تھی۔) اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت اسماءؓ نے بوڑھے دادا کا دل رکھنے کے لیے جواب دیا:

"نہیں بابا جان، انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ پھر میں نے چند (چھوٹے چھوٹے) پتھر اس طاق میں رکھے جہاں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ میں نے ان پتھروں پر کپڑا ڈال دیا اور دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کپڑے کو ٹٹولا اور کہا، اگر یہ مال وہ تمہارے لیے چھوڑ گیا ہے تو بہت ہے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ہمارے والد نے کوئی مال پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور میں نے صرف دادا جان کے اطمینان کے لیے یہ کارروائی کی تھی (یعنی اس لیے کہ بوڑھے اور نابینا دادا کا دل نہ ٹوٹ جائے)۔

۸ ہجری میں مکہ معظمہ پر پرچمِ اسلام بلند ہوا تو حضرت ابو قحافہؓ تقریباً نوّے برس کے شیخِ کبیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو گھر سے اپنی گود میں اٹھا کر (بروایتِ دیگر سہارا دے کر) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعفِ پیری اور نابینائی کو دیکھ کر فرمایا، اے ابوبکر! آپ نے انہیں یہاں آنے کی زحمت کیوں دی۔ میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت ابو قحافہؓ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا، اسلام لائیں (آتشِ دوزخ سے) بچ جائیں گے۔ وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

خادمِ رسول اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"ابوبکر صدیقؓ اپنے والد ابی قحافہ کو فتح مکہ کے دن گود میں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور ان کو آپؐ کے

سامنے بٹھا دیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا۔ اگر آپ ان بزرگ کو گھر ہی میں رہنے دیتے تو یقیناً ہم خود ان کے پاس جاتے۔ پھر ابو قحافہ اسلام لائے۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید براق تھے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا، ان بالوں کا رنگ بدل دیں مگر سیاہ رنگ سے پرہیز کریں۔" قتادہؒ کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خضاب لگایا ــــ قبولِ اسلام کے بعد پانچ سال سے کچھ زائد عرصہ تک حیات رہے اس دوران میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وفات پائی ــ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ سوا دو سال کے بعد انہوں نے بھی حضرت ابو قحافہؓ کے سامنے وفات پائی۔ ان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی میراث میں سے حصہ ملا۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ چھٹا حصہ تھا۔ حضرت ابو قحافہؓ نے یہ حصہ لے کر اپنے ایک پوتے کو دے دیا۔

حضرت ابو قحافہؓ نے سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے (۱۴ھ ہجری) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۹۷ برس کے لگ بھگ تھی۔

حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب کی کہ ان کے خاندان کی چار پشتوں کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ پہلی پشت ان کی اپنی ہے پھر ان کے فرزند حضرت ابو بکرؓ اور دو بیٹیوں حضرت ام فروہؓ اور حضرت قریبہؓ کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام میں یہ مرتبہ ہے کہ وہ بالتحقیق انبیاء کے بعد افضل البشر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ تیسری پشت میں حضرت اسماءؓ، امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سب کا شمار عظیم المرتبت صحابیات وصحابہ میں ہوتا ہے۔ چوتھی پشت میں ابو عتیق محمد بن عبدالرحمٰنؓ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت ادرعؓ بن زید انصاری

قبیلہ اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:
ادرعؓ بن زید بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔
ان کی کنیت ابو جبیبہ تھی۔
ابن مندہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ادرعؓ غزوۂ بدر اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں شریک تھے۔ لیکن دوسرے اربابِ سِیَر نے اصحابِ بدر کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام شامل نہیں ہے۔ البتہ دوسرے غزوات میں ان کی شرکت سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔
حضرت ادرعؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔
ان کے ایک صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔

حضرت ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:
"میں ایک رات آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری کروں۔ اچانک میں نے ایک آدمی کو بلند آواز سے قرأت کرتے سنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ شخص ریاکار (معلوم ہوتا) ہے آپ

نے فرمایا (نہیں) یہ عبداللہ ذی البجادین ہے۔ جب ان کا مدینہ میں انتقال ہوا اور لوگ غسل وغیرہ دینے اور کفنانے کے بعد ان کی نعش کو اٹھا کر چلے تو آپؐ نے فرمایا، ان کے ساتھ نرمی کرو، اللہ نے ان پر نرمی کی ہے یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتے تھے۔ آپؐ ان کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا، ان کے لیے قبر کو وسیع کرو۔ اللہ پاک نے ان پر وسعت کی ہے۔ آپؐ کے بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپؐ کو ان کی وفات پر بڑا رنج ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتے تھے۔" (ابن ماجہؒ، بغویؒ، ابن مندہؒ وابونعیمؒ)

بعض ارباب جرح وتعدیل نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کا مقامِ وفات مدینہ بتایا گیا ہے جبکہ اکثر اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ ۹ھ ہجری میں تبوک کی لشکر گاہ میں فوت ہوئے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی ہدایت کے مطابق نہیں ہو جاتا۔"

(مشکوٰۃ)

حضرت اربدؓ بن حُمَیّرؓ اسدی

بعض نے ان کے والد کا نام حمیرہ اور بعض نے حمزہ لکھا ہے۔ لیکن ابن ماکولاؒ کے قول کے مطابق حُمَیّر صحیح ہے۔ ان کا نسب نامہ کسی نے نہیں لکھا۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے اپنی کتاب مہاجرین حصہ دوم میں بیان کیا ہے کہ ان کی کنیت ابومخشی تھی اور نسباً قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ سے تھے۔

حضرت اربد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ وہ ہجرت حبشہ ثانیہ (سنہ ۶ بعد بعثت) سے پہلے مکہ میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر کسی وقت ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہاں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر اذنِ ہجرت ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت اربد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس غزوے کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سِیَر بالکل خاموش ہیں تاہم ان کی جلالتِ قدر کے ثبوت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دعوتِ توحید کے اوائل میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ دو ہجرتوں (ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ) کی سعادت حاصل کی اور پھر بدری صحابی ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ ایک شخص دوسرے شخص کی حد سے زیادہ تعریف کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، تم نے اس شخص کو ہلاک کر دیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت اُسامہؓ بن شریک ثعلبی

ان کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ بنی ثعلبہ سے تھا۔
اربابِ سیر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا لیکن ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت اُسامہؓ بن شریک کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں، صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے ارشادات سُنے۔ حجۃ الوداع میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ وفات کا زمانہ متعین نہیں ہے۔

حضرت اُسامہؓ بن شریک سے مروی دو حدیثیں یہ ہیں:

(۱) میں (اُسامہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا (تو میں نے دیکھا کہ) آپؐ کے صحابہ (اس طرح) باادب سر جھکائے ہوئے ہیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ پھر آپؐ کے پاس اِدھر اُدھر سے اعراب (بدوی) آئے، انہوں نے بے دھڑک آپ سے مسائل دریافت کرنا شروع کیے کہ یا رسول اللہ! فلاں بات کے کرنے میں ہمارے اوپر کچھ گناہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اے اللہ کے بندو! اللہ نے (شریعت سے) تنگی اٹھا دی مگر جو شخص کوئی بڑی (گناہ کی) بات کرے تو اس نے تنگی پیدا کی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ پھر ان لوگوں نے آپؐ سے دوا کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو دوا کرو اس لیے کہ اللہ نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے سوائے بڑھاپے کے۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے عمدہ وصف کونسا ہے جو انسان کو عطا

کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، خوش خلقی۔ (مسند ابی داؤد طیالسی)

(۲) میں (اسامہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے چلا پس لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مسائل پوچھتے تھے۔ بعض یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہؐ! میں نے طواف سے پہلے صفا و مروہ کی سعی کر لی۔ بعض کہتے تھے میں نے یہ کام بعد میں کیا۔ آپؐ سب کے جواب میں فرماتے کہ کوئی گناہ نہیں اور گناہ اس شخص پر ہے جو ظالم ہو اور کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرے۔ یہ شخص ہلاک ہوا[۱]

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

---

[۱] شارحین حدیث نے یہ تصریح نہیں کی کہ اوپر جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں یہ ایک ہی حدیث ہے جو دو مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے یا دو مختلف حدیثیں ہیں۔

حدیث نبویؐ

حضرت اُمّ الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی چیز میزانِ عمل میں حسنِ خلق سے زیادہ وزن دار نہ ہوگی۔" (ادب المفرد)

حضرت اَسْوَدؓ بن ابی البختری

ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اَسْوَدؓ بن ابی البختری عاص بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصّی بن کلاب قرشی اَسَدی۔

قصّی پر ان کا نسب نامہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت اَسْوَدؓ کے والد ابو البختری کا شمار قریش کے نیک دل رئیسوں میں ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے وہ غزوۂ بدر کے موقع پر حالتِ کفر میں حضرت مجذّرؓ بن زیاد بلوی انصاری کے ہاتھ سے مارا گیا[1] حضرت اَسْوَدؓ کی والدہ کا نام عاتکہ بنتِ امیہ بن اَسَد تھا۔

---

[1] ابو البختری عاص بن ہشام مکہ کا ایک شریف الطبع رئیس تھا۔ اس نے شعب ابی طالب میں بنو ہاشم اور بنو مطّلب کی محصوری کے زمانے (سنہ ۷ نبوت تا سنہ ۱۰ نبوت) میں مظلوم محصورین کی مدد کی تھی۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ حکیمؓ بن حزام نے کچھ گندم اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے لیے بھیجی۔ ابوجہل کو پتہ چلا تو وہ غلام کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں یہ گندم شعب ابی طالب کے اندر ہرگز نہ جانے دوں گا۔ اتفاق سے ابو البختری وہاں آنکلا اس نے ابوجہل سے کہا کہ حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا تھا وہ پھوپھی کی امانت واپس کرنا چاہتا ہے تو تمہیں اس کو روکنے کا کیا حق ہے؟ اس کے جواب میں ابوجہل نے ہٹ دھرمی دکھائی تو ابو البختری نے اس کو مار مار کر زخمی کر دیا اور گندم دستے میں پہنچا کر چھوڑی۔ اس کے علاوہ اس نے قریش

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اسودؓ ۸ سنہ ہجری میں فتح مکہ کے دن شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔

اہلِ سیر نے حضرت اسودؓ کا سالِ وفات بیان نہیں کیا لیکن ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے طویل عمر پائی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں حیات تھے اور لوگوں میں بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور امیر معاویہؓ کے مابین اختلافات نے شدت اختیار کی تو حضرت اسودؓ نے ان کے درمیان صلح کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے عمروؒ بن دینار سے روایت کی ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے بُسر بن ابی ارطاۃ کو مدینہ بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حامیوں کا قلع قمع کر دیں تو ساتھ ہی انہیں حکم دیا کہ حضرت اسودؓ سے مشورہ کر لیں۔ چنانچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو البختری کی اس نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں تمہارا سامنا ابو البختری سے ہو جائے تو اس کو قتل نہ کرنا۔ اتفاق سے ابو البختری کا سامنا حضرت مجذرؓ بن زیاد انصاری سے ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھ جنادہ بن ملیحہ لیثی کو لایا تھا اور اسے مال اسباب کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ حضرت مجذرؓ نے ابو البختری سے کہا کہ میں حضورؐ کے حکم کے مطابق تمہارے ساتھ نہیں لڑوں گا لیکن تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑوں گا۔

ابو البختری نے یہ بات منظور نہ کی اور کہا کہ یہ تو شرافت اور جوانمردی سے بعید ہے کہ میں اپنے ساتھی کو بے یار و مددگار چھوڑ دوں۔ پھر اس نے تلوار سونت کر حضرت مجذرؓ پر حملہ کر دیا۔ اس پر وہ تلوار اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور ابو البختری کو مغلوب کر کے قتل کر ڈالا۔ لڑائی کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے ابو البختری کو بہت روکا لیکن وہ لڑنے سے نہ رکا اور میرے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی۔ (الاصابہ۔ اسد الغابہ)

جب بُسر مدینہ مُنوّرہ پہنچے اور چاہا کہ مسجد کا دروازہ بند کر کے ان لوگوں کو قتل کر دیں تو حضرت اَسوَدؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اَسوَدؓ بن ابی البختریؓ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ ان کے ایک بیٹے سعیدؓ بن اسودؓ نہایت حسین وجمیل تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک عورت نے ان کے بارے میں یہ شعر کہا تھا:

الا لیتنی اشری وشاحی ودملجی
بنظرۃ عین من سعید بن اسود

(ترجمہ)

(اے کاش میں اپنی حمائل اور اپنا بازوبند سعید بن اسود کی ایک نگاہ (ناز) کے عوض بیچ ڈالتی)

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز سے بڑھ کر درجہ رکھتی ہے۔" سب صحابہ نے عرض کیا، ہاں فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا، جن دو شخصوں میں بگاڑ ہو، ان میں صلح کرا دینا ——— اور آپس میں فساد کرا دینا دین کو برباد کرنے والا ہے۔

(سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی)

حضرت اَسْوَد حبشیؓ

ارباب سیر نے ان کا ذکر اسود حبشی کے نام سے کیا ہے مگر یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کس زمانے میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کا شمار ان خوش بخت صحابہؓ میں ہوتا ہے جن کو شرف اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد نہ ایک وقت کی نماز پڑھنی نصیب ہوئی اور نہ ایک روزہ تک رکھنے کا موقع ملا مگر وہ سیدھے جنت میں گئے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حبش کے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا، پوچھو اور سمجھو۔

انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ حضرات کو ہم پر صورت، رنگ اور نبوت کے اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے۔ بھلا اگر میں بھی اسی ذات (چیز) پر ایمان لاؤں جس طرح آپ اس پر ایمان لائے ہیں اور میں بھی اسی طرح کے کام (اعمالِ صالح) کروں جیسے آپ کرتے ہیں تو کیا مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب ہوگی۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں۔

(آپؐ کا ارشاد سن کر وہ فوراً ایمان لے آئے) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اسود کے چہرے کی چمک جنت میں ہزار سال کی مسافت سے معلوم ہوگی۔

یہ سن کر اسودؓ پر گریہ طاری ہوگیا اور وہ روتے روتے اسی وقت جاں بحق ہو گئے ــــــ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تدفین کی اور آپؐ نے خود انہیں قبر میں رکھا۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے (اسدالغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت اسودؓ بن سریع تمیمی

مشہور قبیلہ بنو تمیم کی شاخ بنی کعب بن سعد سے تعلق رکھتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

اسودؓ بن سریع بن حمیر بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن حارث (مقاعس) بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تیم سعدی تمیمی۔

ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اپنے قبیلے کے بہادروں اور اونچے درجے کے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہمراہ جہاد کیا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں چار غزووں میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہم رکاب تھا۔ اہلِ سیر نے غزوۂ حنین میں ان کی شرکت کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جہاد میں شریک ہونے کے علاوہ انہوں نے فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کی مقدور بھر کوشش کی اور علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچا مقام حاصل کر لیا۔

خلفائے ثلاثہؓ کے عہد میں حضرت اسودؓ بن سریع کے مشاغل کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت اسودؓ اپنے اہل و عیال سمیت بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ (تہذیب التہذیب)

جامع بصرہ کے قریب اپنا مکان بنا لیا تھا اور حکومت کی طرف سے منصب قضا پر فائز تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فضل و کمال کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

حضرت اسودؓ نے سنہ ۴۲ ہجری میں وفات پائی۔ ان سے آٹھ حدیثیں

مروی ہیں۔ ان کے رواۃ میں احنفؒ بن قیس، حسن بصریؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن ابی بکرہ شامل ہیں۔

حضرت اسودؓ بن سریع سے مروی احادیث میں سے دو یہ ہیں:

(۱) ایک غزوے میں مشرکین کے کچھ بچے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ لڑائی میں بے گناہ بچوں اور جنگجوؤں میں تمیز نہیں کرتے۔ کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا بچہ مشرک نہیں ہوتا؟ آپؐ نے فرمایا، اس طرح تو تمہارے بہترین لوگ بھی مشرک کے بچے ہیں۔ بچے دینِ فطرت پر پیدا ہوتے ہیں اور اس وقت تک اس دین پر رہتے ہیں جب تک انہیں بولنا چاہنا نہیں آتا۔ اس کے بعد اُن کے والدین انہیں یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ (مُسندِ احمد)

(۲) (ایک دفعہ) میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں گیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے اپنے پروردگار کی اور حضورؐ کی کچھ تعریف کی ہے (یعنی کچھ حمدیہ اور نعتیہ اشعار کہے ہیں) آپؐ نے فرمایا، جو کچھ تم نے اپنے پروردگار کی مدح میں کہا ہے، سناؤ۔ میں اشعار پڑھنے لگا۔ اتنے میں گندمی رنگ کا ایک (کشیدہ قامت) آدمی آیا اور اس نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا کہ چپ ہو جاؤ۔ دو مرتبہ (یا تین مرتبہ) آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کون شخص ہیں جن کی وجہ سے آپؐ نے مجھے خاموش ہو جانے کا حکم دیا۔ آپؐ نے فرمایا — یہ عمرؓ بن خطاب ہیں، یہ ایک ایسے آدمی ہیں جن کو فضول باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ (مستدرکِ حاکم۔ اُسدُ الغابہ)

---

[1] مولانا عبدالشکور لکھنوی مرحوم نے "اُسدُ الغابہ" کے اردو ترجمہ میں ان الفاظ کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے:
"شاید ان اشعارِ مدحیہ میں کچھ شاعرانہ مبالغوں کی آمیزش ہوگی ورنہ سچی تعریف خدا اور رسولؐ کی فضول باتوں میں داخل نہیں ہو سکتی۔"

حضرت اَسوَدؓ بن نوفل اَسدی القرشی

قریش کے خاندان بنی اَسد بن عبد العُزّٰی کے فرزندِ سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

اسودؓ بن نوفل بن خویلد بن اُسد بن عبد العُزّٰی بن قُصَی بن کلاب بن مُرّہ قرشی اَسدی۔

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے تھے۔ لہ

والدہ کا نام فریعہ بنت عدی (بن نوفل بن عبد مناف بن قصی) تھا۔

حضرت اَسودؓ کا والد نوفل سخت کینہ پرور اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ وہ ابن العدویہ کے لقب سے مشہور تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قبول حق کے جرم میں مکہ کے ایک پہاڑ میں قید کر دیا تھا۔ یہ شخص حالتِ کفر ہی میں مارا گیا۔ وہ

لہ مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم نے حضرت خدیجہؓ پر اپنی کتاب سیر الصحابہ حصہ دوم میں حضرت اسودؓ بن نوفل کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے اور ساتھ ہی ان کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھتیجا بتایا ہے حالانکہ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی تھے اور بعثت نبوی کے تھوڑے عرصہ بعد فوت ہو چکے تھے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ اس کے علاوہ نوفل بن اسد جو حضرت خدیجہؓ کے چچا تھے اس وقت زندہ نہیں تھے البتہ حضرت خدیجہؓ کے بھائی نوفل کے بیٹے تھے گویا حضرت اسودؓ، ورقہ بن نوفل کے بھی بھتیجے ہوتے تھے نہ کہ بیٹے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے گیا تھا وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ اپنے باپ کی اسلام دشمنی کے باوجود وہ دعوت توحید کے اوائل ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور یوں "السابقون الاولون" کی مقدس جماعت کا رکن بننے کا شرف حاصل کر لیا۔ باپ اور دوسرے مشرکین نے ان کو راہِ حق سے منحرف کرنے کے لیے بہت سختیاں کیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

سنہ بعد بعثت میں وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں سالہا سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد (کسی وقت) حبش سے مدینہ آئے۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سیر بالکل خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہو گی جو انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان سے ترحم کا معاملہ نہ کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت اُسَیرہؓ بن عمروؓ انصاری

ان کی کنیت ابو سَلیط پر تو سب ارباب سِیَر کا اتفاق ہے مگر نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اُسَیرہ لکھا ہے (حافظ ابنِ عبدالبرؒ و ابنِ ماکولاؒ) بعض نے اسیرہ (ابنِ اسحاقؒ)

خاندانی تعلق خزرج کی شاخ عدی بن نجار سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:
اُسَیرہؓ بن عمروؓ بن قیس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

ان کے والد حضرت ابو خارجہ عمروؓ بن قیس کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ والدہ کا نام برہ بنت عجرہ تھا۔ وہ مشہور صحابی حضرت کعبؓ بن عجرہ کی بہن تھیں۔ دونوں باپ بیٹے غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر دونوں نے غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب "اصحابِ بدر" میں لکھا ہے کہ حضرت اُسَیرہ (اسیرہؓ) بدر اور مشاہد مابعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ حاضر رہے۔

حضرت اُسَیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں حیات تھے۔

حضرت اُسَیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے بیٹے عبداللہؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالے ہوئے گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔ اس وقت دیگیں چڑھی ہوئی تھیں جن میں گدھے کا گوشت

پک رہا تھا۔ (حضور کا حکم سن کر) ہم لوگوں نے ان دیگوں کو الٹ دیا۔[1]

(اُسُد الغابہ)

"کنز العمال" میں حضرت اسیرؓ بن عمرو کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تک یہ بات پہنچی کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب) نے کہا ہے جس نے قرآن پڑھا میں اسے دو ہزار (وظیفہ کے حقداروں) کی فہرست میں شامل کروں گا۔ امیر المومنین نے فرمایا، افسوس کیا وہ کتاب اللہ پر عطیہ دے گا۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۲)

---

[1] کتب سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر (محرم ۷ھ) کا ہے۔ یہ حدیث کچھ دوسرے واسطوں سے بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت اُسیرؓ کی روایت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کی نظر ایک پراگندہ حال شخص پر پڑی جس کے سر کے بال بالکل بکھرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اس آدمی کو کوئی ایسی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کر لیتا (اور اسی مجلس میں) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا یہ آدمی کوئی ایسی چیز نہیں پا سکتا تھا جس سے اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا۔

(مسندِ احمد۔ سنن نسائی)

حضرت آمدؓ بن آبد حضرمی

علامہ ابن الاثیر جزریؒ نے انہیں حافظ ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر بن ابی عیسیٰ الاصفہانی کے حوالے سے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ان کا نسب نامہ انہوں نے بیان نہیں کیا صرف یہ لکھا ہے کہ حضر موت کے رہنے والے تھے۔ یہ اس اعتبار سے صحابہ کرامؓ میں منفرد شخصیت کے حامل ہیں کہ انہوں نے بہت طویل عمر پائی [1] بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ (۴۱ھ تا ۶۰ھ) اپنی مجلس میں رونق افروز تھے کہ اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرے پاس کوئی ایسا شخص ہوتا جو زمانۂ گزشتہ کے حالات مجھ سے بیان کرتا تاکہ دیکھوں کہ اس زمانے اور ہمارے زمانے میں کیا فرق ہے۔

حاضرینِ مجلس میں سے بعض نے عرض کیا کہ حضر موت میں ایک شخص ہے جس

---

[1] علامہ ابن الاثیرؒ نے ایک اور صحابی حضرت اماناہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت بڑی عمر پائی تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ کندہ کی ایک شاخ بنی معاویہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

اماناہؓ بن قیس بن حارث بن شیبان بن فاتک کندی

ان کی نسبت ایک شاعر نے یہ شعر کہے تھے

اَلَا لَیْتَنِیْ عُمِّرْتُ یَا اُمَّ خَالِدٍ	کَعُمْرِ اَمَانَاہ بْنِ قَیْسِ بْنِ شَیْبَانَ
لَقَدْ عَاشَ حَتّٰی قِیْلَ لَیْسَ بِمَیِّتٍ	وَاَفْنٰی نِیَامًا مِنْ کُھُوْلٍ وَشُبَّانًا

(ترجمہ) اے اُمِ خالد کاش میں ایسی عمر پاتا جیسی اماناہ بن قیس بن شیبان نے پائی۔ وہ اتنے دنوں زندہ رہا کہ لوگ کہتے تھے کہ اب یہ کبھی نہیں مرے گا اس کے سامنے بہت سے ادھیڑ عمر کے اور بڈھے لوگ مر گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے کتنی عمر پائی۔

کی عمر تین سو سال کی ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو بلوا بھیجا۔ جب وہ دمشق پہنچے اور امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا:

"تمہارا کیا نام ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "اَمَد بن اَبَد"

امیر معاویہؓ نے فرمایا: "تم جھوٹ بولتے ہو"[1]

پھر وہ حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر ان سے گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد پھر اَمَدؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"اے شیخ! ہم سے کوئی حدیث بیان کرو۔"

انہوں نے کہا —— "آپ ایک جھوٹے شخص کی حدیث سن کر کیا کریں گے"؟

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا —— "خدا کی قسم میں نے تمہاری تکذیب نہیں کی اور نہ میں تمہارا جھوٹا ہونا جانتا ہوں بلکہ میں نے تمہاری عقل کا امتحان لینا چاہا تھا۔ تو (اب میں سمجھتا ہوں کہ) تم ایک عاقل آدمی ہو اور میری خواہش ہے کہ تم مجھے گزشتہ زمانے کے کچھ حالات سناؤ کہ آیا وہ زمانہ ویسا ہی تھا جیسا اب ہے۔

حضرت اَمَدؓ نے کہا۔ "ہاں وہ زمانہ ایسا قریب معلوم ہوتا ہے جیسے ایک رات گزری ہو"

امیر معاویہؓ نے فرمایا۔ "اچھا کوئی عجیب بات جو تم نے دیکھی ہو، بیان کرو۔"

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت اَمَدؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں سے کچھ باتیں چھوٹ گئی ہیں (راوی نے بیان نہیں کیں) شاید امیر معاویہؓ نے ان کے ہوش و حواس اور صحت کو دیکھ کر ان کی اس بات پر یقین نہ کیا کہ ان کی عمر تین سو برس کی ہے تو ان کا حضرت اَمَد کو جھوٹا کہنا ان کی طوالتِ عمر پر حیرت کا اظہار تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ان سے کچھ اور باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ وہ ایک مردِ دانا ہیں اسی لیے انہوں نے ان کو عاقل قرار دیا۔

حضرت اُدَّد نے کہا: ”میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا جو شام سے مکہ آتی تھی اسے کھانا اپنے ساتھ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ راستے میں پھل کھاتی تھی اور چشموں کا پانی پیتی تھی اب یہ حالت ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں لوگ کھانا اور پانی ساتھ لے کر آتے جاتے ہیں۔“

پھر امیر معاویہؓ ان سے عبدالمطلب اور عبدشمس کے حالات پوچھتے رہے۔ اس کے بعد پوچھا، کیا تم نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا ہے؟

انہوں نے کہا۔ ”کون محمدؐ“

امیر معاویہؓ نے کہا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اُدَّدؓ بولے، ”سبحان اللہ! آپ نے (پہلے) ان کی وہ صفت کیوں بیان نہ کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرف بخشا ہے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ کہا ——— ہاں میں نے انہیں دیکھا ہے۔

امیر معاویہؓ نے کہا۔ ”اچھا کچھ آپؐ کی صفت مجھ سے بیان کرو۔“

انہوں نے کہا۔ ”میں نے انہیں دیکھا ہے میرے ماں باپ اُن پر قربان ہو جائیں میں نے ان کا مثل نہ ان سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ ان کے بعد۔“

(اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ جس کی عمر دراز ہو اور اس کے اعمال نیک ہوں۔ (جامع ترمذی)

حضرت امرؤ القیسؓ بن عابس کِندی

خاندانی تعلق بنو کندہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

امرؤ القیسؓ بن عابس بن منذر بن امرؤ القیس بن سمط بن عمرو بن معاویہ بن حارث الاکبر بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن حارث کِندی۔

سنہ ھجری میں وفدِ حضر موت کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے قبولِ اسلام کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک اور صحابی حضرت ربیعہؓ بن عبدان حضرمی[1] نے ایک زمین کے بارے میں حضرت امرؤ القیسؓ پر بارگاہِ رسالت میں دعویٰ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی (حضرت ربیعہؓ) سے فرمایا کہ تم اپنے دعوے کے حق میں ثبوت پیش کرو ورنہ میں امرؤ القیس سے قسم لے کر ان کے موافق فیصلہ کر دوں گا۔

---

[1] حضرت ربیعہ بن عبدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض نے کِندی اور بعض نے حضرمی لکھا ہے۔ ان کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بقول عبدالغنیؒ یہ لفظ عِبدان ہے (بکسرِ ع و بائے موحدہ) لیکن ابن مندہؒ اور حافظ ابونعیمؒ نے اسے عَیدان بتایا ہے۔ (بفتح ع و سکون یائے تحتانیہ)۔ ابنِ اثیرؒ نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے —— عبدان بن ذی الصوت بن وائل بن ذی طواف حضرمی۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح مصر میں شریک تھے۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیعہؓ نے عرض کیا، " یا رسول اللہ یہ شخص تو ویسے ہی قسم کھا لے گا اور میری زمین مفت میں چلی جائے گی۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

" جو شخص اس نیت سے قسم کھائے گا کہ اس سے مالی فائدہ حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا۔"

بروایتِ دیگر آپؐ نے ارشاد فرمایا:—

" اگر اس (امرؤ القیس) نے حضرمی کا مال غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ (غضب اور ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رُخ پھیرے گا۔"

حضرت امرؤ القیسؓ نے عرض کیا:—

" یا رسول اللہ! جو شخص ایک چیز پر اپنا حق سمجھتا ہے اور پھر بھی اس سے دست بردار ہو جاتا ہے تو اس کو کیا اجر ملے گا؟"

ارشاد ہوا، " جنّت "

حضرت امرؤ القیسؓ نے عرض کیا:—

" تو پھر میں اس زمین سے ربیعہ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔"

یہ واقعہ کب پیش آیا؟ ارباب سِیَر نے اس کی تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ ان کے قیام مدینہ کے دوران میں پیش آیا کیونکہ قبول اسلام کے بعد بلادِ رسالت میں ان کی دوبارہ حاضری کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ مشہور روایت یہی ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے مدینہ منوّرہ میں چند دن قیام کیا اور پھر وطن واپس چلے گئے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد نے سر اٹھایا تو حضرت امرؤ القیسؓ کا سارا قبیلہ مرتد ہو گیا لیکن حضرت امرؤ القیسؓ سختی کے ساتھ اپنے دین پر قائم

رہے اور سخت نامساعد حالات کے باوجود اُن کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انہوں نے اپنے قبیلے کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے سرتوڑ کوشش کی اور اس سلسلے میں سردارِ قبیلہ اشعث بن قیس سے نہایت تلخ گفتگو کی لیکن اس کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ بنو کِندہ کے چند گھرانے فتنۂ ارتداد سے کنارہ کش ہو گئے لیکن باقی سب اپنی غلط روش پر قائم رہے۔

حضرت امرؤ القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس صورتِ حال کی اطلاع دے دی۔ چند ماہ کے بعد جب فتنۂ ارتداد کا استیصال ہو گیا اور بنو کِندہ کے باغی مرتدین کو گرفتار کر کے مقتل میں لایا گیا تو ان میں حضرت امرؤ القیسؓ کا چچا بھی تھا۔ حضرت امرؤ القیسؓ دین کی محبت کے سامنے دنیا کی ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے۔ وہ دین سے منحرف ہو جانے والے چچا کو قتل کرنے کے لیے خود آگے بڑھے۔ اس نے کہا ــــ "کیا چچا کو بھی قتل کرو گے؟"

انہوں نے کہا، "بیشک آپ میرے چچا ہیں لیکن اللہ عزوجل میرا رَبّ ہے۔" (الاستیعاب)

یعنی میری محبت بھی اللہ کے لیے ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے ہے بالفاظِ دیگر جو اللہ سے محبت کرتا ہے میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور جو اللہ سے بغض رکھتا ہے میں بھی اس سے بغض رکھتا ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت امرؤ القیسؓ اپنے وطن سے کوفہ آ گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت امرؤ القیسؓ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جن سے ان کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قبیلے کے ارتداد کی اطلاع انہوں نے اشعار ہی میں دی تھی۔

حضرت امیہؓ بن مخشی خزاعی

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا، صرف اتنا لکھا ہے کہ بنو خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ان کے شرف صحابیت پر سب کا اتفاق ہے مگر کسی غزوے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے بصرے کی سکونت اختیار کر لی اس لیے ان کا شمار بصری صحابہ میں ہوتا ہے۔ سال وفات معلوم نہیں۔

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی صرف ایک حدیث مشہور ہے جو یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے (کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھی تھی۔ جب اس شخص کے کھانے سے ایک لقمہ رہ گیا اور اس نے اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو کہا بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، خدا کی قسم شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہا یہاں تک کہ جب اس نے اللہ کا نام لیا تو شیطان کو قے ہو گئی اور اس نے سب کچھ پیٹ سے نکال دیا۔

(ابو داؤد، نسائی، کنز العمال)

حدیث نبویؐ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور (مردوں کو) ریشم پہننے سے منع کیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت انسؓ بن معاذ انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز شاخ بنی نجار کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

انسؓ بن معاذ بن انس بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

بعض لوگوں نے ان کا نام انیس بیان کیا ہے لیکن جمہور اہلِ سِیَر انس ہی کو صحیح بتاتے ہیں۔

غزوۂ بدر سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر غزوۂ بدر (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت انس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعۂ بئر معونہ (۴ھ) میں شہادت پائی۔ لیکن واقدی کا بیان ہے کہ وہ بدر، اُحد، خندق اور جملہ مشاہد میں ملتزمِ رکابِ نبویؐ تھے اور انہوں نے سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت اُنَیسؓ بن قتادہ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی عمرو بن عوف میں سے تھے۔ بعض لوگوں نے ان کا نام انس لکھا ہے لیکن صحیح نام اُنَیس ہے۔ نسب نامہ یہ ہے۔

اُنَیسؓ بن قتادہ بن ربیعہ بن خالد (لقب مطرف اور بقولِ بعض مطرف بن خالد) بن حارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک اوسی انصاری

اہلیہ کا نام حضرت خنساءؓ بنتِ حرام تھا۔

اہلِ سیر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاسِ غالب کے مطابق ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ میں شریک ہوئے۔ یوں اصحابِ بدر میں شامل ہو کر زندۂ جاوید ہو گئے۔ اگلے سال شوال ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحُد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اسی غزوے میں جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس کو سدھارے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ اخنس بن شریق کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

غزوۂ اُحُد میں ان کی شہادت کے بعد حضرت خنساءؓ کے والد نے ان کا نکاح بنو مزینہ کے ایک شخص سے کر دیا مگر خنساءؓ اس سے خوش نہیں ہوئیں اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اس نکاح کو پسند نہیں کرتی۔ آپؐ نے ان کا نکاح فسخ کر دیا۔ اس کے بعد جلیل القدر صحابی حضرت ابولبابہ انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے سائب بن ابی لبابہؓ پیدا ہوئے۔

رضی اللّٰہ تعالٰی عنہٗ

حضرت اوسؓ بن صامت انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان عوف بن خزرج سے تھے۔ ان کے خاندان کو بنو سالم بھی کہا جاتا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

اوسؓ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم (قوقل) بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

جلیل القدر صحابی حضرت عُبادہؓ بن صامت کے بھائی ہیں۔ حضرت عبادہؓ کو انصار کے سابقین اوّلین میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ خود حضرت اوسؓ بن صامت کا شمار بھی عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔

غزوۂ بدر سے پہلے مُشرّف باسلام ہوئے اور اس کے بعد بدر سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات و مشاہد میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم رکاب رہے۔ یوں انہوں نے عہدِ رسالت کی قریب قریب تمام سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام اور فلسطین پر پرچمِ اسلام بلند ہوا تو حضرت اوسؓ بن صامت، حضرت شدّادؓ بن اوسؓ بن ثابت انصاری کے ساتھ بیت المقدس چلے گئے، اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اوسؓ بن صامت نے فلسطین کے مقام رملہ میں ۳۴ھ میں (بعہدِ خلافت امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی۔

حضرت اوسؓ بن صامت کی زندگی کے ایک واقعہ کو تاریخ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، بالخصوص اس لیے کہ قرآن حکیم کی سُورۃ المجادلہ میں بھی

اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ واقعۂ ظِہار تھا۔ ظِہار "ظَہر" سے مشتق ہے۔ ظہر کے لغوی معنی پیٹھ کے ہیں لیکن عربی زبان میں یہ لفظ استعارے کے طور پر سواری کے لیے بولا جاتا ہے مثلاً سواری کے جانور کو ظہر کہا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کے لیے کہتے تھے کہ تجھ کو ظہر بنانا میرے اوپر حرام ہے جیسا اپنی ماں کو ظہر بنانا۔ اس مقصد کے لیے شوہر بالعموم بیوی کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہتا:

اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ

یعنی تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔

اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ تجھ سے مقاربت کرنا میرے لیے ایسا ہے جیسا میں اپنی ماں سے مقاربت کروں۔

ایسے الفاظ زبان سے نکالنا عربوں کی اصطلاح میں "ظِہار" کہلاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں ظِہار طلاق سے بھی بڑھ کر قطعِ تعلّق کا اعلان سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن ظِہار کے بعد رجوع کا کوئی امکان نہ رہتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت اوسؓ بن صامت نے غصّے میں آکر اپنی اہلیہ حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ سے یہی الفاظ کہہ دیئے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ [1]

---

[1] حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ، حضرت اوسؓ بن صامت کی بنتِ عم تھیں اور ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اوسؓ بڑھاپے کی وجہ سے کچھ چڑچڑے ہو گئے تھے اور غصّے میں ان کو اپنی زبان پر قابو نہیں رہتا تھا۔ ان روایتوں کی رو سے حضرت اوسؓ کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ ایک شیخِ کبیر کی ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ۳۲ھ میں وفات کے وقت ان کی عمر بہتّر برس کی تھی تو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے وقت (۱۱ھ میں) ان کی عمر ۴۹ سال تسلیم کرنی پڑے گی اور ظِہار کا واقعہ اس سے بھی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ اسلام میں یہ ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔ جب حضرت اوس رضی اللہ عنہ کا غصہ فرد ہوا تو سخت پریشان ہوئے کہ یہ کیا حرکت کر بیٹھا ہوں اور اب گھر کو بچانے کی کیا صورت ہوگی۔ اُدھر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی سکتے میں آگئی تھیں۔ جب حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو بولیں:

"گو تم نے طلاق نہیں دی لیکن میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد میرے اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ باقی رہ گیا ہے یا نہیں۔ اب تم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جاؤ اور اس بات کا فیصلہ کراؤ۔"

حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مجھے یہ واقعہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ خدا کے لیے تم خود ہی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جاؤ اور تمام قصہ بیان کرکے آپؐ سے فتویٰ لو۔"

حضرت خولہ فوراً رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ اس وقت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کرکے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میری

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کئی سال پہلے پیش آیا تھا اس لیے یہ بات بدیہی طور پر غلط ٹھہرتی ہے کہ ان پر بڑھاپا طاری ہوگیا تھا جس نے انہیں چڑچڑا بنا دیا تھا۔ صورتِ واقعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے مزاج میں غصہ بہت زیادہ تھا اور وہ غصے میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلمان نے اپنی بیوی سے لڑ کر ظہار کیا۔

اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہی سے بچانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"میرا خیال یہ ہے کہ تم اس پر حرام ہو گئی ہو۔"

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"ابھی تک اس مسئلے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر حضرت خولہؓ نالہ و فریاد کرنے لگیں اور بار بار عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہؐ اوس میرا ابن عم ہے اس کی تند مزاجی کا آپ کو علم ہے اس نے غصے میں آکر ایسی بات کہہ دی ہے جو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ طلاق نہیں ہے۔ خدا کے لیے کوئی ایسی صورت بتائیں کہ میری، میرے شوہر اور بچوں کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔ مگر ہر مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وہی جواب دیتے رہے لیکن خولہؓ مایوس نہ ہوئیں اور اپنی بات پر برابر اصرار کرتی رہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"الٰہی میں تجھ سے اپنی سخت ترین مصیبت کی فریاد کرتی ہوں۔ اے اللہ جو بات ہمارے لیے رحمت کا باعث ہو اسے اپنی نبیؐ کی زبان سے ظاہر فرما۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ میں اور گھر کے سارے لوگ اشکبار ہو گئے۔ حضرت خولہؓ کا اصرار جاری تھا کہ یکایک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"خولہ! ذرا انتظار کر شاید اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا فیصلہ کر دیا ہے۔"

حضرت خولہؓ کے لیے یہ سخت امتحان کی گھڑی تھی۔ انہیں یہ ڈر ملنے

ڈالتا تھا کہ اگر بارگاہِ الٰہی سے میرے خلاف فیصلہ صادر ہوا تو میں اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکوں گی لیکن جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپؐ کو متبسم پایا۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھی اور وہ خوشخبری سننے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خولہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ کر دیا۔"

پھر آپؐ نے سورۃ المجادلہ شروع سے اخیر تک پڑھی۔ اس کی پہلی ہی آیت حضرت خولہؓ کے بارے میں تھی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

(اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بیشک اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

اس کے بعد اس سورۃ میں نازل ہونے والے احکام کے مطابق آپؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہو کہ ایک لونڈی یا غلام آزاد کریں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے خاوند کے پاس کوئی لونڈی یا غلام نہیں ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تو پھر وہ مسلسل ساٹھ روزے رکھیں۔"

حضرت خولہؓ بولیں:

"یا رسول اللہؐ! اوسؓ کا حال تو یہ ہے کہ دن میں تین مرتبہ کھائیں پئیں نہیں تو ان کی بینائی جواب دینے لگتی ہے۔"

آپؐ نے فرمایا، "اچھا تو ان سے کہو کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادیں۔"

حضرت خولہؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میرا شوہر اس کی بھی مقدرت نہیں رکھتا الا یہ کہ آپ مدد فرمائیں۔"

(بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوسؓ کو بلا کر یہ احکام دیئے مگر انہوں نے ان میں سے کسی حکم کو بھی پورا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔)

تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنا سامانِ خوراک عطا فرمایا جو ساٹھ آدمیوں کی دو وقت کی غذا کے لیے کافی تھا حضرت اوسؓ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر اپنے ظہار کا کفارہ ادا کر دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ کفارہ کا نصف سامانِ خوراک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور نصف حضرت خولہؓ نے شوہر کو دیا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت خولہؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر گھر آئیں تو حضرت اوسؓ کو دروازے پر اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے بے تابی سے پوچھا:

"کیوں خولہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا؟"

حضرت خولہؓ نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ تم بہت خوش قسمت ہو جاؤ اور ام المنذر بنت قیس سے ایک بارِ شتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دو تو تمہارے ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔"

حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فیصلے پر ناقابلِ بیان مسرت ہوئی اور انہوں نے کفارہ ادا کر کے آئندہ کے لیے ایسی بات منہ سے نہ نکالنے کا عہد کر لیا۔

سُورۃ المُجادلہ کے نزول کے بعد حضرت اوسؓ بن صامت کی اہلیہ حضرت

خولہؓ بنتِ ثعلبہ کو صحابۂ کرامؓ میں ایک خاص قدر و منزلت حاصل ہو گئی۔ بیہقیؒ اور ابنِ ابی حاتمؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں چند اصحاب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ان کو ایک خاتون ملیں۔ انھوں نے امیر المؤمنین کو روکا۔ وہ فوراً رک گئے اور سر جھکا کر دیر تک اُن کی باتیں سنتے رہے اور جب تک وہ خاموش نہ ہوئیں آپ کھڑے رہے۔ ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین آپ نے قریش کے سرداروں کو اس بڑھیا کے لیے اتنی دیر تک روکے رکھا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جانتے بھی ہو یہ عورت کون ہے؟ یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر سن لی تھی۔ واللہ اگر یہ رات بھر ٹھہرتی تو بھی میں سوائے نماز کے اور کوئی کام نہ کرتا اور اس کی باتیں سنا کرتا۔"

حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستیعاب" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راستے میں حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ کو دیکھا تو ان کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دے کر امیر المؤمنینؓ کو وہیں روک لیا اور کہنے لگیں اے عمرؓ! ایک زمانہ تھا کہ میں نے تمہیں عکاظ کے بازار میں دیکھا تھا اس وقت لوگ تمہیں عُمیر عُمیر کہہ کر پکارتے تھے اور تم لاٹھی ہاتھ میں لیے بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ تھوڑے ہی زمانے کے بعد لوگ تمہیں عمر کہنے لگے پھر وہ وقت آیا کہ تم امیر المؤمنین کہلانے لگے پس مخلوقِ خدا (رعیت) کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو

اور یقین جانو کہ جو شخص اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کے لیے دور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ اس چیز کو کھو دے گا جس کو وہ بچانا چاہتا ہے۔"

حضرت خولہؓ کی باتیں سن کر حضرت جارود عبدیؓ، جو امیرالمؤمنین کے ساتھ تھے، بولے، اے عورت! تم نے امیرالمؤمنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا (ان کے ساتھ زبان درازی کی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"یہ جو کچھ کہتی ہیں انہیں کہنے دو، تمہیں معلوم نہیں یہ کون ہیں؟ یہ خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں۔ ان کی بات تو سات آسمانوں کے اوپر سُنی گئی تھی اور انہی کے بارے میں تو آیہ قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ نازل ہوئی تھی۔ عمر کو تو ان کی بات بدرجۂ اولیٰ سُننی چاہیئے۔"

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اوسؓ بن صامت شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے (یعنی وہ شاعر بھی تھے) یہ شعر انہی کا ہے: ؎

أَنَا ابْنُ مُزَيْقِيَا عَمْرٌو وَجَدِّيْ
أَبُوْهُ عَامِرٌ مَاءُ السَّمَاءِ

(ترجمہ) (اے اہلِ عرب) میں بیٹا عمرو مزیقیا کا اور میرے دادا عامر ماء السماء ہیں جو عمرو مزیقیا کے باپ ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ایاس رضؓ بن بُکَیر لیثی

خاندانی تعلق بنو کنانہ کی شاخ بنی لیث سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ایاسؓ بن بکیر (بروایت دیگر ابی بکیر) بن عبدِ یالیل بن ناشب
بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی لیثی

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم بعثت کے تیسرے برس حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی میں منتقل ہوئے تو سب سے پہلے حضرت ایاسؓ اور ان کے تین سعادت مند بھائی عاقلؓ، خالدؓ اور عامرؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ مکہ میں یہ اصحاب بنو عدی بن کعب بن لوی کے حلیف تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ برابر مکہ میں مقیم رہے اور مشرکین کی ستم رانیوں کا سامنا کرتے رہے۔ ہجرتِ مدینہ کا اِذن ہونے پر حضرت ایاسؓ اپنے بھائیوں اور اہل وعیال سمیت گھروں کو تالے لگا کر عازمِ مدینہ ہوئے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کو حضرت رفاعہ بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مہمان بنایا۔ کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت حارثؓ بن خزیمہ انصاری کا دینی بھائی بنایا۔

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شمشیر خارا شگاف بدر کے میدان میں چمکی اور یوں انہوں نے بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ اُحُد، احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام مشاہد میں رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ غرض اس مقدس دور کی کوئی سعادت ایسی نہ تھی جو ان

کو حاصل نہ ہوئی ہو۔

عہدِ رسالت کے بعد حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُد الغابہ" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۲ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیرالمؤمنین حضرت عثمانِ غنیؓ) وفات پائی۔

حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ اہلِ سیر نے ان کے ایک بیٹے محمدؒ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بعض صحابہؓ کرام سے حدیث کی روایت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں (برہنہ) نہاتے دیکھا۔ چنانچہ آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، بیشک اللہ حیادار ہے۔ پردہ پوش ہے اور حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی (میدان میں) نہائے تو اسے پردہ کر لینا چاہیئے۔

(ابوداؤد و نسائی)

حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ انصاری

بعض روایتوں میں ان کا نام خالد بن ثعلبہ بیان کیا گیا ہے لیکن جمہور ارباب سیر نے صحیح نام ایاس بن ثعلبہ قرار دیا ہے تاہم انہوں نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا اس لیے ان کے خاندان کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے انہیں حارث بن خزرج کی اولاد بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بنو بلی سے تھا اور وہ اوس کی شاخ بنی حارثہ کے حلیف تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

ان کی کنیت ابو اُمامہ پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو بردہ ہانیؓ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] کے حقیقی بھانجے تھے۔

حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ رمضان ۲ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ اور ان کے ماموں حضرت ابو بردہ ہانیؓ بن نیار دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف

---

[1] حضرت ابو بردہ ہانیؓ بن نیار کا تعلق قبیلہ بلی سے تھا اور وہ اوس کے خاندان بنو حارثہ کے حلیف تھے۔ وہ نہایت اچھے شہسوار تھے اور مدینہ کے بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے مسلمان ہوئے اور بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے بدر، اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کی پرجوش حمایت کی۔ ۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان سے بیس احادیث مروی ہیں۔

حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ اس موقع پر حضرت ایاسؓ کی والدہ سخت بیمار ہو گئیں۔ گھر پر سوائے بیٹے اور بھائی کے اور کوئی نہ تھا جو اُن کی مسلسل نگہداشت کر سکے۔ ماموں (حضرت ابو بردہ ہانیؓ) نے بھانجے (حضرت ایاسؓ) سے کہا:

"ایاس! تمہاری والدہ سخت بیمار ہیں، تم ان کی خدمت اور نگہداشت کے لیے ان کے پاس رہو اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے پر جانے دو۔"

حضرت ایاسؓ کا دل بھی جوشِ ایمان سے لبریز تھا۔ انہوں نے ماموں سے کہا:

"میری والدہ آپ کی حقیقی بہن ہیں، آپ ان کی خدمت کے لیے یہاں ٹھہریں اور مجھے غزوے پر جانے دیں۔"

اس بحث نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں کو یہ معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ آپؐ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ مریضہ کے بھائی میرے ساتھ غزوے میں شریک ہوں اور بیٹا ماں کی خدمت کے لیے یہیں ان کے پاس رہے۔

حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ نے اپنے آقا و مولا کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور گھر پر ہی ٹھہر گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ ایاسؓ بن ثعلبہ کی والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ آپؐ ان کے جنازے پر تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔

اربابِ سیر نے اس واقعہ کے سوا حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ کی زندگی کے مزید حالات بیان نہیں کیے۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی۔ لیکن جمہور اہلِ سیر نے ان کو شہدائے اُحد میں شمار نہیں کیا اور نہ ان کا سالِ وفات ہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ ایاسؓ بن ثعلبہ سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم سنتے نہیں۔ کیا تم سُنتے نہیں (یعنی سُنو اور غور سے سُنو اور یاد رکھو) کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (سُننِ ابی داؤد)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مار لے، اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اور دوزخ واجب کر دیتا ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا، اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں اگرچہ تھوڑی سی مکڑی پیلو کی ہو۔

(اُسدُ الغابہ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس رات جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا (یعنی معراج کی رات) میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا، یہ آپ کی اُمّت کے خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے تھے

(جامع ترمذی)

حضرت ایفعؓ بن عبد الکلاعی

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ لیکن ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک روایت میں ان کے والد کا نام عبدِ کُلال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جمہور نے عبد الکلاعی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو حضرت ایفعؓ نے حمص (شام) کی سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور ایک روایت کے مطابق ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی مگر ان کی زندگی کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت ایفعؓ بن عبد الکلاعی سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟

آپؐ نے فرمایا، "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"

اس نے عرض کیا، دوسری آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟

آپؐ نے فرمایا، آیۃ الکرسی "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ"

اس نے عرض کیا، اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ کی خاص طور پر خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور برکات آپؐ کو اور آپؐ کی اُمّت کو پہنچیں؟ آپؐ نے فرمایا، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختمِ سورۃ تک) پھر آپؐ نے فرمایا، یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرشِ عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ رحمت اس اُمّت کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور خیر کو اپنے اندر لیے

ہوئے ہیں۔ (معارف الحدیث بحوالہ مُسندِ دارمی)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کو جنّت میں اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل فرمائے گا تو کہے گا کہ اے اہلِ جنّت تم دنیا میں کتنے برس رہے ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم ایک دن رہے یا اس سے بھی کم۔ اللہ فرمائے گا کہ تم نے ایک دن یا اس سے بھی کم میں بڑی عمدہ تجارت کی، میری رضامندی اور جنّت کو حاصل کیا اب تم جنّت میں ہمیشہ ہمیش رہو۔

پھر فرمائے گا، اے اہلِ دوزخ! تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے ایک دن یا اس سے کم میں بہت بُری تجارت کی، میرے غضب اور ناخوشی کو حاصل کیا اب تم دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہو۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں دوزخ سے نکال لے، پھر اگر ہم دوبارہ ایسے کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی میں ذلّت اٹھاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ پس یہ اُن لوگوں کا اللہ عزّوجلّ سے آخری کلام ہوگا۔"

(اُسدُ الغابہ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ ——— نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی سوال کرنے والے کے سوال پر "نہیں" کبھی نہیں فرمایا۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ایوبؓ بن بُشیر انصاری

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا البتہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبیلہ اوس کی شاخ بنی معاویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابو سلیمان معاوی تھی۔ (ابن ابی حاتم)

ان کے حالاتِ زندگی اور سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں، البتہ ان سے مروی کچھ احادیث کتابوں میں ملتی ہیں ان میں سے تین یہ ہیں :-

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو کسی ایسے عزیز کو دیا جائے جو اس صدقہ دینے والے سے پہلوتہی کرتا ہو۔ (اُسدُ الغابہ بحوالہ امام زہریؒ)

(۲) میں (ایوب بن بُشَیر) نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے اپنی نماز کا تیسرا حصہ آپ کے لیے دعا کرنے اور آپ پر درود پڑھنے کے لیے خاص کر دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی پوری نماز آپؐ کے لیے دعا کرنے اور آپ پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔

آپؐ نے فرمایا، اب اللہ تعالیٰ تمام ان کاموں میں تمہاری کفایت کرے گا جو دنیا اور آخرت میں تمہیں مصیبت میں ڈالیں۔

(اُسدُ الغابہ بحوالہ محمدؒ بن یحییٰ بن حبان)

(۴) ایوبؒ بن بُشَیرؒ بنی عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو ذر غفاری سے پوچھا، کیا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا اور ایک دفعہ آپ نے مجھے گھر سے بلوایا۔ میں اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اپنی نشست گاہ سے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا اور آپؐ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا۔ (سُنَنِ ابی داوُد)

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو آپؐ کے روئے انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار تھے۔ (اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپؐ نے فرمایا کہ آج جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمدؐ کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کر دے گی کہ تمہارا جو اُمتی تم پر صلوٰۃ (درود) بھیجے میں اس پر دس صلوٰتیں بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر دس سلام بھیجوں گا۔

(سُنَنِ نسائی، مُسندِ دارمی)

حضرت بُجَیرؓ بن زُہَیر مُزَنی

عرب کے مشہور عدنانی قبیلے "بنو مُزَینہ" کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

بُجَیرؓ بن زُہَیر بن ابی سُلمٰی بن ریاح بن قرط بن حارث بن مازن بن خلادہ (خلادہ) بن ثعلبہ بن ثور بن حزمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن اُدّ بن طابخہ بن الیاس بن مُضَر بن نزار بن مَعَدّ بن عدنان

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں عثمان کے بعد "مُزَینہ" کا نام دیا ہے۔ مُزَینہ کسی مرد کا نام نہیں بلکہ دراصل عثمان کی دادی کا نام تھا جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی نے صراحت کی ہے:

"وَمُزَیْنَةُ اُمُّ عَمْرِو بْنِ اُدٍّ هِیَ بِنْتُ کَلْبِ بْنِ دَبْرَةَ"

(یعنی مُزَینہ عمرو بن اُدّ کی ماں ہے جو کلب بن دَبرہ کی بیٹی ہے)

اسی خاتون کی نسبت سے یہ قبیلہ بنو مُزَینہ کے نام سے مشہور ہوا۔

مازن بن خلادہ (خلادہ) کی نسبت سے حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کو مازنی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام کبشہ تھا۔ اس کا تعلق بنی غطفان سے تھا۔ حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف خود ایک قادر الکلام شاعر تھے بلکہ ان کا پورا خاندان شعر و شاعری کے اعتبار سے سارے عرب میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ ان کے والد زہیر، دادا ابوسُلمٰی ربیعہ، نانا بشامہ بن غدیر، پھوپھیاں سُلمٰی اور خنساء[1] اور بھائی کعبؓ سبھی شاعر تھے۔

---

[1] مشہور مرثیہ گو صحابیہ حضرت خنساء (الخنساء) رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے الگ شخصیت ہیں۔ ان کا لقب ارثی العرب تھا اور وہ قبیلہ بنی سُلیم میں سے تھیں۔

ان میں سے زہیر (والد) اور کعبؓ بھائی کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

زُہَیر بن ابی سُلمٰی کا شمار جاہلی عرب کے سات بڑے اور فحول شعراء میں ہوتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جن سات شعراء کے قصائد آبِ زر سے لکھوا کر خانۂ کعبہ کے اندر آویزاں کیے گئے تھے۔ زہیر بن ابی سلمٰی ان میں سے ایک تھے۔ ان کا قصیدہ زورِ بیان اور حکیمانہ مطالب کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ زہیر بعثتِ نبویؐ کے دو تین سال بعد ہی فوت ہو گئے اور ان کو اسلام لانے کا شرف حاصل نہ ہو سکا لیکن ان کی شاعرانہ عظمت کا سب کو اعتراف ہے۔ اکثر اہلِ علم اور ناقدینِ فن کا خیال ہے کہ وہ جاہلی شعراء میں سب سے بڑے شاعر ہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کو اشعر الشعراء (یعنی عرب کا سب سے بڑا شاعر) کہا کرتے تھے[1] (الشعر والشعراء لابن قتیبہ)

حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی عرب کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ قصیدہ "بانت سعاد" کے خالق ہیں

---

[1] زہیر بن ابی سلمٰی کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ اور حشر و نشر کے قائل تھے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

فَلَا تَكْتُمُنَّ اللّٰهَ مَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۔۔۔ لِيَخْفٰى وَمَهْمَا يُكْتَمِ اللّٰهُ يَعْلَمِ

يُؤَخَّرْ فَيُوْضَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ ۔۔۔ لِيَوْمِ الْحِسَابِ أَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْقَمِ

(ترجمہ)

تم اپنے دل کے بھید اللہ سے چھپانا بھی چاہو تو چھپا نہیں سکتے کیونکہ جو کچھ بھی اللہ سے چھپایا جاتا ہے وہ اسے خوب جانتا ہے۔

ہر بدی کے بدلے میں ڈھیل دی جاتی ہے اور حساب (قیامت) کے دن کے لیے اعمال نامے میں لکھ لی جاتی ہے یا پھر (قدرت کی طرف سے) فوراً بدلہ لے لیا جاتا ہے۔

(شرح قصیدہ بانت سعاد از علامہ فضل الٰہی عارف۔ بحوالہ شرح القصائد السبع الطوال لقاسم الانباری ص۲۴۵)

جس نے بارگاہِ رسالت میں قبولیت کی بنا پر انہیں بے مثال عظمت اور حیاتِ دوام عطا کر دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت بجیرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھوٹے تھے لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ وہ ان سے عمر میں بڑے تھے کیونکہ ان کے والد زہیر کی کنیت ابو بجیر تھی اور کنیت بالعموم بڑے بیٹے کے نام پر رکھی جاتی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

استاذ مصطفیٰ محمد عمارہ نے اپنی کتاب "الاسعاد شرح بانت سعاد" میں "سیرۃ المصطفیٰ" کے حوالے سے ایک عجیب روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد زہیر بن ابی سُلمیٰ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک رسی آسمان سے لٹک رہی ہے۔ انہوں نے اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس خواب کی تعبیر انہوں نے یہ کی کہ اس میں نبیِ آخر الزمانؐ کے ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ وہ خود تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکے لیکن اپنے بیٹوں کو وصیت کر گئے کہ "جب پیغمبر آخر الزمانؐ کا ظہور ہو تو ان کی پیروی کرنا۔"

درایت کی رُو سے یہ روایت مشکوک معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت بجیر اور حضرت کعبؓ کی زندگی کے حالات اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم معبوث ہوئے تو حضرت بجیر بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے) ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔" (کتاب الاغانی ج ۱۵ ص ۹۳)

اگر یہ روایت درست تسلیم کی جائے تو پھر حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت کے ایک رکن ٹھہرتے ہیں۔ لیکن دوسرے اربابِ سیر و تاریخ کی روایات کے پیشِ نظر اس روایت کی صحت بھی محلِ نظر ہے۔ فی الحقیقت حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے زمانے کا

وثوق کے ساتھ تعیین نہیں کیا جا سکتا البتہ بعض روایات سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ہجری) اور غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) کے درمیانی عرصے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام انگریزی جلد ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری اور قبولِ اسلام کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کعبؓ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے اپنے وطن سے عازمِ مدینہ ہوئے۔ جب اُبرقُ العزّاف[1] کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے کعبؓ سے کہا:

"تم یہاں اپنی بکریوں کے پاس ٹھہرو اور میں مدینہ جا کر صاحبِ قریش (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں۔" کعبؓ نے کہا بہت بہتر۔

اس کے بعد حضرت بُجَیرؓ مدینہ منوّرہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے جمالِ جہاں آرا اور اخلاقِ عالیہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ بلا تامل حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ پھر انہوں نے کعبؓ کو اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع دی اور انہیں بھی اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ بدقسمتی سے کعبؓ پر حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے کا الٹا اثر ہوا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس مشورے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ مکہ جا کر مشرکینِ قریش سے جا کر مل گئے اور اسلام

---

[1] اُبرقُ العزّاف، بنو اسد بن خزیمہ کا ایک چشمہ اور پانی کا گھاٹ تھا۔ معجم البلدان میں ہے کہ یہ مقام اس شخص کے راستے میں آتا ہے جو بصرہ (عراق) سے مدینہ منوّرہ جا رہا ہو وہ شخص جو مانۃ الدراج سے اس مقام کی طرف آتا ہے اور پھر بطنِ نخلہ میں پہنچتا ہے وہاں سے الطرف اور اس کے بعد مدینہ منوّرہ پہنچ جاتا ہے۔

اس مقام کا نام ابرق العزّاف اس وجہ سے مشہور ہوا کہ لوگوں کو وہاں پر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ اپنی شاعری کو بھی انہوں نے اہلِ حق کے خلاف خوب استعمال کیا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ہجویہ اشعار کہتے اور مشرکین کو ان کے خلاف اشتعال دلاتے تھے۔

اِدھر حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ کی روح پرور فضا نے ایسا مسحور کیا کہ انہوں نے وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی اور فیضانِ نبوی ؐ سے خوب بہرہ یاب ہوئے۔ ابو زید القرشی ؒ کہتے ہیں:

"انہوں (بُجَیر رض) نے اپنے اسلام کو خوب سنوار لیا تھا۔"

(جمہرۃ اشعار العرب ص۳۲)

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد غزوۂ خیبر پیش آیا تو حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دی۔

اس کے بعد انہوں نے فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ ہجری) میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا یوں وہ ان دس ہزار صحابہ کرام رض میں شامل ہو گئے جن کو سینکڑوں سال پہلے "کتاب استثناء" میں "قدسی" کہہ کر پکارا گیا تھا:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

فتح مکہ کے موقع پر حضرت بجیر رض نے نو اشعار پر مشتمل ایک شاندار قصیدہ کہا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ایک جن کی آواز سنائی دیتی تھی ـــــ ابرق سخت زمین کو اور عزاف جن کی مہیب اور پُراسرار آواز کو کہتے ہیں۔ (شرح قصیدہ بانت سعاد از علامہ فضل احمد عارف)

فَأُبْنَا غَانِمِيْنَ بِمَا اشْتَهَيْنَا
وَآبُوْا نَادِمِيْنَ عَلَى الْخِلَافِ
وَأَعْطَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَّا
مَوَاثِقَنَا عَلَى حُسْنِ التَّصَافِيْ

(سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۶۹)

(ترجمہ) پس ہم اپنی خواہش کے مطابق غنائم کے ساتھ واپس آئے۔ اس کے برعکس ہمارے دشمن نادم ہو کر لوٹے
اور ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو ہم میں سے ہیں اپنا پختہ قول و قرار نہایت صدق و صفا کے ساتھ دیا۔

فتح مکہ کے بعد حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ حنین اور محاصرہ طائف میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا[1]
علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی

---

[1] ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ حنین اور محاصرہ طائف کے سلسلے میں بھی دو قصیدے کہے۔ غزوہ حنین کے موقع پر انہوں نے جو قصیدہ کہا اس کے دو شعر یہ ہیں:

(۱) وَاللّٰهُ أَكْرَمَنَا وَأَظْهَرَ دِيْنَنَا
وَأَعَزَّنَا بِعِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ

(۲) وَاللّٰهُ أَهْلَكَهُمْ وَفَرَّقَ جَمْعَهُمْ
وَأَذَلَّهُمْ بِعِبَادَةِ الشَّيْطَانِ

(سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۱۰۱)

(ترجمہ) (۱) اور اللہ نے ہمیں عزت اور ہمارے دین کو غلبہ عطا فرمایا
اور اس نے ہمیں عبادتِ الٰہی کے ذریعے عزت بخشی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"کعبؓ فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ گئے تھے"۔ حضرت بجیرؓ کو ان کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے خیف منیٰ کے مقام سے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اسلام قبول کر لو اسی میں تمہاری عافیت ہے۔ علامہ ابن ہشام کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم محاصرۂ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبؓ کو ایک خط لکھ کر اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دشمنان حق کے سوا باقی سب اہل مکہ کو معاف فرما دیا ہے۔ اگر تم اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ بلا شبہ جو شخص آپؐ کی خدمت میں پشیمان اور تائب ہو کر آ جاتا ہے آپؐ اس کی خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ اگر تم یہ نہیں کرتے تو پھر تم جانو اور تمہارا کام جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۱۴۴)

کعبؓ کو یہ خط ملا تو انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بجائے یہ ہجویہ اشعار کہہ ڈالے:

(۱) اَلَا اَبْلِغَا عَنِّیْ بُجَیْرًا رِسَالَۃً
فَہَلْ لَکَ فِیْمَا قُلْتَ وَیْحَکَ ہَلْ لَکَا

(۲) فَبَیِّنْ لَنَا اِنْ کُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ!!
عَلٰی اَیِّ شَیْءٍ غَیْرَ ذٰلِکَ دَلَّکَا

(۳) عَلٰی خُلُقٍ لَمْ اُلْفِ یَوْمًا اَبًا لَہٗ
عَلَیْہِ وَمَا تُلْفِیْ عَلَیْہِ اَبًا لَکَا

(۴) فَاِنْ اَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِاٰسِفٍ
وَلَا قَائِلٍ اِمَّا عَثَرْتَ: لَعًا لَکَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۲) اور اللہ نے کافروں کو ہلاک کر دیا اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور شیطان کی پرستش کی وجہ سے انہیں ذلیل و خوار کر دیا۔

(۵) سَقَاكَ بِهَا الْمَامُوْنُ كَأْسًا رَوِيَّةً
فَانْهَلَكَ الْمَامُوْنُ مِنْهَا وَعَلَّكَا[1]

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۴ ص ۱۴۴-۱۴۵)

(ترجمہ) (۱) سنو تم میرا یہ پیغام بجیر تک پہنچا دو کہ جو کچھ تو نے کہا ہے تیرا ناس ہو، کیا وہ تیرے اپنے الفاظ ہیں۔

(۲) نہیں تو صاف صاف بتا دے کہ اگر تو اپنے اس (آباؤ اجداد کے مذہب) پر نہیں رہنا چاہتا تو تجھے اس نئی شے کی آخر کس نے راہ دکھائی ہے۔

(۳) یہ ایک ایسا مذہب ہے کہ میں نے نہ اس (کے ماننے والے اور اس کی دعوت دینے والے) کے باپ کو اس پر پایا اور نہ تیرا باپ کبھی اس کا پیرو تھا۔

(۴) پس اگر تو اپنے مذہب کی طرف واپس نہیں آتا تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا (کیونکہ ہمارا باہمی تعلق اور رشتہ ختم ہو جائے گا) اب اگر تو ٹھوکر بھی کھائے گا تو میں تیرے حق میں سنبھلنے کی کوئی دعا نہیں کروں گا۔

(۵) مامون (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھے اس (نئے دین) کا جام الفت پلا دیا ہے اور تجھے خوب سیراب کر دیا ہے۔

حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کعبؓ کے اشعار پہنچے تو انہوں نے

---

[1] الاصابہ، الاستیعاب، الاغانی وغیرہ میں اشعار کی تعداد کم ہے اور یہ ابن ہشام کے روایت کردہ اشعار سے کچھ مختلف۔ مثلاً ان کے اشعار میں آخری مصرع یہ ہے: فَانْهَلَكَ الْمَامُوْرُ مِنْهَا وَعَلَّكَا
"مامور" کے معنی "کسی حق کے مطیع" کے ہیں

ان کو رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پڑھ دیا۔ اس پر آپؐ نے کعبؓ کی معاندانہ سرگرمیوں اور ان اشعار کے پیشِ نظر ان کو واجب القتل قرار دیا۔ حضرت بُجَیرؓ کی دلی خواہش تھی کہ ان کا بھائی حالتِ کفر میں قتل ہو کر جہنم کا ایندھن نہ بنے۔ چنانچہ انہوں نے کعبؓ کو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلے سے آگاہ کر دیا اور کہیں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ حضرت بُجَیرؓ کا پیغام ملنے پر کعبؓ نے مختلف قبیلوں میں پناہ لینی چاہی مگر کسی قبیلے نے انہیں پناہ دینے کی ہامی نہ بھری۔ جب وہ اپنی جان بچانے کے لیے دربدر ٹھوکریں کھا رہے تھے تو حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ایک اور خط بھیجا جس میں ان کو بڑے مؤثر پیرائے میں تلقین کی کہ اگر تم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جاؤ اور تائب ہو کر اسلام قبول کر لو تو امیدِ واثق ہے کہ رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمہیں معاف فرما دیں گے۔ بصورتِ دیگر تمہارا بچنا محال ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر بھی کیا جس کو مسلمانوں نے اہلِ حق کے خلاف ہجویہ اشعار کہنے اور معاندانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بنا پر جہنم واصل کر دیا تھا۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ اس خط میں حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبؓ کے اشعار کے جواب میں یہ اشعار بھی لکھ بھیجے تھے:

(۱) مَنْ مُبلِغٌ کَعْبًا فَهَلْ لَكَ فِی الَّتِیْ
تَلُوْمُ عَلَيْهَا بَاطِلًا وَّهِیَ اَحْزَمُ

(۲) اِلَی اللّٰهِ (لَا الْعُزّٰى وَلَا اللَّاتِ) وَحْدَهٗ
فَتَنْجُوْا اِذَا کَانَ النَّجَاءُ وَتَسْلَمُ

(۳) لَدٰى يَوْمٍ لَا يَنْجُوْ وَلَيْسَ بِمُفْلِتٍ
مِنَ النَّاسِ اِلَّا طَاهِرُ الْقَلْبِ مُسْلِمُ

(۴) فَدِيْنُ زُهَيْرٍ وَّ لَا شَیْءَ دِيْنُهٗ
وَدِيْنُ اَبِیْ سُلْمٰى عَلَیَّ مُحَرَّمُ

(ترجمہ)

(۱) کون شخص جاکر کعب کو میرا پیغام پہنچائے گا اور اس سے پوچھے گا کہ جس دین کی تم مذمت کرتے ہو، اس میں آخر کون سی بات غلط ہے۔ وہ دین تو سراسر بھلائی ہے۔

(۲) نجات کی طرف لے جانے والا صرف اللہ کا راستہ ہے۔ عزیٰ اور لات کے راستے نہیں۔ اگر نجات اور سلامتی چاہتے ہو تو اللہ کے راستے پر چل کر حاصل کرو۔

(۳) ایک دن یقیناً آنے والا ہے جب نکوکار اور پاک دل مسلمان کے سوا کوئی نجات نہ پا سکے گا۔

(۴) ہمارے باپ زہیر کا دین بے حقیقت تھا اور اسی طرح (ہمارے دادا) ابی سلمیٰ کا (باطل) دین بھی مجھ پر حرام ہے۔

حضرت کعبؓ تک حضرت بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط اور ان کے اشعار پہنچے تو اُن کی آنکھیں کھلیں اور ان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ اقدس تھامنے ہی میں عافیت نظر آئی۔ چنانچہ وہ کسی طرح چھپ چھپا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور امان کے خواستگار ہوئے۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ جب لوگوں کو علم ہوا کہ امان طلب کرنے والا کعب بن زہیر شاعر ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دے رکھا ہے تو ایک انصاری صاحبؓ سولؐ نے آگے بڑھ کر ان کو قتل کرنا چاہا مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا اور فرمایا، کعب تائب ہو کر آیا ہے اب اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے (میں نے اس کو معاف کر دیا ہے)

اب کعبؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میں نے ایک قصیدہ کہا ہے اگر اجازت ہو تو پیش کر دوں۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں تم اپنے اشعار سناؤ۔

اب حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے ذوق و شوق اور جوش و خروش سے اپنا وہ معرکہ آرا قصیدہ پڑھنا شروع کیا جو تاریخ میں " قصیدہ بَانَتْ سُعَادُ " کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قصیدہ ۵۸ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی اَلْیَوْمَ مَتْبُوْلُ
مُتَیَّمٌ اِثْرَهَا لَمْ یُفْدَ مَکْبُوْلُ

(ترجمہ) سُعاد مجھ سے جدا ہو گئی اس لیے میرا دل اب ایسا خستہ حال (مریض) ہے اور وہ ایسا غلام اور قیدی ہے جسے (قیدِ عشق سے) کوئی فدیہ دے کر بھی رہائی دلانے والا نہیں۔

جب حضرت کعبؓ نے قصیدہ ختم کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے وہ چادر مبارک جو اوڑھ رکھی تھی، اتار کر حضرت کعبؓ کے کندھوں پر ڈال دی (اسی بناء پر اس قصیدے کو " قصیدۂ بُردہ " بھی کہا جاتا ہے، لیکن اس نام سے ایک اور قصیدہ زیادہ مشہور ہے۔ یہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی فکرِ سخن کا شاہکار ہے)۔

" قصیدہ بانت سُعاد " کا بارگاہِ رسالت میں شرفِ قبول حاصل کرنا نہ صرف حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بلکہ حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دوسرے اہلِ خاندان کے لیے بھی اتنا بڑا اعزاز تھا جو اَبَدُالآباد تک ان کے لیے وجہِ افتخار بن گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت بُجَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں ان کا سالِ وفات بھی کسی نے بیان نہیں کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بُسرؓ بن ابی بُسر مازنی

اہلِ سیر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان سے تھا۔ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا جا سکتا مگر قیاس ہے کہ وہ رجب ۲ھ ہجری سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اس قیاس کی بنیاد "اسد الغابہ" میں ابنِ اثیرؒ کی یہ روایت ہے کہ حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس اور کعبہ شریف دونوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے گویا وہ تحویلِ قبلہ (رجب ۲ھ ہجری) سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ ان کے ساتھ ان کا سارا گھرانا بھی مسلمان ہو گیا جو ان کے علاوہ ان کی اہلیہ، دو فرزندوں، حضرت عبداللہؓ اور حضرت عطیہؓ اور ایک بیٹی صماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مشتمل تھا۔ یہ سب لوگ بیک وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل کیا۔

امام حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی "مستدرک" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر لو تو کیا اچھا ہو۔ اہلیہ نے کہا، بہت اچھا اور ثرید تیار کر دیا۔ حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک کھانے کی چوٹی پر رکھا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر شروع کرو۔ سب نے اس کے کنارے سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بُسرؓ اور ان کے اہلِ خانہ کے لیے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! ان کی مغفرت فرما اور ان کو اپنی رحمت سے نواز اور

ان کے رزق میں برکت عطا فرما۔"

"صحیح مسلم" میں حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبانی یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ) میرے والد کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ اپنی سواری (خچر) سے اترے تو میرے والد نے آپؐ کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ جو گھی اور کھجور یا پنیر وغیرہ ملا کر تیار کیا جاتا ہے) پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا پھر آپؐ کی خدمت میں چھوہارے پیش کیے گئے۔ آپؐ ان کو کھاتے تھے اور انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگلی دونوں کو ملا کر چھوہاروں کی گٹھلیاں ان میں سے لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپؐ کی خدمت میں کوئی مشروب پیش کیا گیا جسے آپؐ نے نوش فرمایا۔ اس کے بعد اپنے داہنی جانب والے کے حوالے کیا اور جب آپؐ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو میرے والد کھڑے ہوئے اور آپؐ کی سواری کی لگام پکڑ کر عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! ہمارے لیے برکت کی دعا فرمایئے۔"

پس آپؐ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ان کے لیے ان کی روزی میں برکت عطا فرما اور ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔"

حضرت بُسر بن ابی بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا کوئی اور واقعہ کُتبِ سِیَر میں مذکور نہیں ہے اور نہ ان کا سالِ وفات ہی معلوم ہے۔

حضرت بُسرؓ بن سُفیان خُزاعی

بنو خُزاعہ کی شاخ بنی کعب کے فرزندِ سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

بُسرؓ بن سفیان بن عمرو بن عویمر بن صرمہ بن عبداللہ بن قمیر بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر کعبی خزاعی۔

اپنے قبیلے کے ذی اثر شُرفاء میں شمار ہوتے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک خط بھیجا تھا جس میں ان کو اسلام کی ترغیب دی تھی۔ حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی اس نامۂ مبارک کے ملنے پر (سنہ ۶ ہجری میں) مُشرف باسلام ہو گئے۔ (اُسدُ الغابہ)

اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مدینہ مُنوّرہ سے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے حضرت بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحیح صورتِ حال معلوم کرنے پر مامور فرمایا۔ وہ تحقیق کر کے عُسفان کے مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے بقول ابنِ اثیرؒ وہ اپنے ساتھ ہدی بھی لائے تھے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ کُفّارِ مکہ چیتے کی کھالیں پہن کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلے ہیں اور انھیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے لڑنے مرنے پر تیار ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا اس لیے آپؐ راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ پہنچ گئے اور وہاں خیمہ زن ہو کر سفیروں کے ذریعے قریش سے گفت و شنید کا آغاز کر دیا۔

جب آپؐ کے سفیر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں روک لیا گیا، اور افواہ مشہور ہو گئی کہ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر ڈالا ہے تو حالات بڑی نازک صورت اختیار کر گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے ایک درخت کے نیچے اپنے تمام ساتھیوں سے لڑنے مرنے کی بیعت لی۔ اس بیعت کے شرکاء میں حضرت بُشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ ان اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ اسی لیے اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ آخر یہ معاملہ صلح حدیبیہ پر منتج ہوا۔ اس کے بعد حضرت بُشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی یکسر پردۂ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ جس شخص نے اللہ سے سچے دل سے شہادت کی دعا مانگی — پھر وہ قتل کر دیا گیا — یا — اپنے بستر پر مرا (دونوں صورتوں میں) اس کو وہ مرتبہ ملے گا جو شہداء کے لیے ہے۔

(ابو داؤد و ترمذی)

حضرت بشرؓ بن معاویہؓ بکائی

خاندانی تعلق بنو عامر بن صعصعہ کی شاخ بنی البکاء سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

بشرؓ بن معاویہؓ بن ثور (بن معاویہ) بن عبادہ بن بکاء (ربیعہ) بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

حضرت بشرؓ کے والد حضرت معاویہؓ بن ثور کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ وہ اپنے قبیلے کے مرد بزرگ تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ قبول اسلام کے وقت ان کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی۔

۹ ہجری میں بنو البکاء کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حضرت بشرؓ اور ان کے والد حضرت معاویہؓ بن ثور بھی شامل تھے۔ تمام اہلِ وفد اسلام لائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے سرفراز ہوئے اس موقع پر حضرت معاویہ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا یہ بیٹا (بشر) میری بہت خدمت کرتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیریں اور اسے دعائے برکت سے نوازیں"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور پھر ان کو دعائے برکت سے نوازا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپؐ نے حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند بکریاں بھی مرحمت فرمائیں۔ یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ جب بنو البکاء کا وفد مدینے پہنچا تو حضرت معاویہ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے بشرؓ سے کہا،

"اے بیٹے! جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو تو تین باتیں عرض کرنا، نہ ان سے کم اور نہ ان سے زیادہ۔
پہلے کہنا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ۔
پھر کہنا، یا رسول اللہ! میں اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو سلام کروں اور اسلام قبول کروں۔ اس کے بعد عرض کرنا، یا رسول اللہ! میرے لیے برکت کی دعا کریں۔"

حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کو دعائے برکت سے نوازا۔ حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بکریاں عنایت فرمائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ جب کبھی بارش نہ ہوتی تھی اور خشک سالی کی وجہ سے قبیلہ بکائر کے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے تھے، بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی اس سے متاثر نہیں ہوتے تھے (یعنی انہیں کھانے پینے کا سامان کہیں نہ کہیں سے میسر ہو جاتا تھا)۔

حضرت بشر بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے اور نہ ان کے سال وفات ہی کا پتا چلتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹی قسم سے اسباب تو فروخت ہو جاتا ہے مگر تاجر کی کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ (صحیح بخاری)

حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ

ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ عام طور پر بتایا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنی بکر بن وائل سے تھا اور ان کا نسب نامہ اس طرح تھا۔

بشیرؓ بن معید بن شراحیل بن سبع بن ضباری بن سدوس بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔

بعض نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

بشیرؓ بن یزید بن معبد بن ضباب بن سبع

لیکن بعض احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اوّل الذکر نسب نامہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان حدیثوں کے مطابق حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ کا تعلق بنی ربیعہ بن معد بن عدنان سے تھا اور بنی بکر بن وائل اسی قبیلہ (ربیعہ) کا ایک بطن تھے۔ ان سے بہت سے بطون متفرع ہوئے۔ بکر بن وائل عرب کے وسیع علاقوں پر قابض تھے جو یمامہ سے بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسلام سے قبل عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک حکومت قائم کی تھی۔ وہ علاقہ آج تک دیارِ بکر کے نام سے مشہور ہے۔ بنو بکر بن وائل کا شمار عرب کے بڑے جنگجو قبائل میں ہوتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت بشیرؓ کا نام نذیر یا زحم تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر بشیر رکھ دیا۔

حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ خصاصیہ کے نام سے کیوں منسوب ہوئے؟ اس بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خصاصیہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ دوسری یہ کہ خصاصیہ ان کی دادی کا نام تھا۔ تیسری یہ کہ ان کے اجداد میں

سدوس بن شیبان کی بیوی کا نام خصاصیہ تھا۔ اس کے نام کی نسبت سے اس خاندان کے مردوں کو ابنائے خصاصیہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ ابن سعدؒ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے بعد قبیلہ بکر بن وائل کا ایک وفد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس میں بشیرؓ بن الخصاصیہ، عبداللہؓ بن اسود، عبداللہؓ بن مرثد اور حسانؓ بن حوط شامل تھے۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کیا آپ قس بن ساعدہ کو جانتے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"وہ تم میں سے نہیں تھا بلکہ قبیلہ ایاد سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں موحد ہو گیا تھا۔ وہ عکاظ آیا تھا اور لوگوں کے ہجوم کے سامنے گفتگو کی تھی۔ (یا یہ کہ وہ عکاظ میں لوگوں کے اجتماع میں اپنی (حکیمانہ) باتیں سنایا کرتا تھا۔"

حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں تین بیانات منسوب ہیں جو یہ ہیں:

(۱) میں (بشیر بن خصاصیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اسلام قبول کر لو۔ اس کے بعد پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟

میں نے عرض کیا، نذیر (ڈرانے والا)۔

آپؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ تم بشیر ہو (بشارت دینے والا) پھر آپؐ نے مجھے صُفّہ (چبوترہ) پر ٹھہرایا (یعنی اصحابِ صُفّہ میں شامل کر لیا)[۱]

---

[۱] جب مرکزِ رسالت مکہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کوئی ہدیہ آتا تو آپؐ اس میں ہم کو شریک کر لیتے اور اگر صدقہ آتا تو سارا ہم لوگوں کو دے دیتے اور خود اس میں شریک نہ ہوتے۔

ایک رات رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گھر سے نکلے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ جنّت البقیع (قبرستان) تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے السلام علیکم کے بعد فرمایا: ــــــ

"اے اہلِ ایمان ایک دن ہم بھی تم سے آملیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ تم نے خیرِ کثیر حاصل کر لی اور بڑے فتنہ و فساد سے بچ نکلے۔"

اس کے بعد آپؐ نے متوجہ ہو کر فرمایا، کون ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سے جانبِ مشرق ایک مسقف چبوترہ غریب الدیار اور مسکین صحابہ کی سکونت کے لیے بنوایا۔ عربی زبان میں مسقف دالان یا سائبان کو صفہ کہتے ہیں اس لیے اس میں قیام کرنے والے صحابہ اصحابِ صُفّہ کہلائے۔ ان کو اضیاف اللہ (اللہ کے مہمان) ـــــ یا اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ وہ سب درویشانہ زندگی گزارتے تھے اور ان کی یہ جائے قیام ایک قسم کی درسگاہ یا تربیت گاہ تھی۔ ان کا بیشتر وقت قرآنِ پاک پڑھنے پڑھانے یا دینی تعلیم حاصل کرنے میں گزرتا تھا۔ ان کے کھانے پینے کا اہتمام خود آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے ذی استطاعت صحابہؓ کرتے تھے۔ اصحابِ صُفّہ حالتِ امن میں اللہ کے مسکین ترین بندے تھے اور میدانِ جہاد میں شیرانِ نر سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی کو محض رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا تھا۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان درویشانِ راہِ حق کو بیحد محبوب رکھتے تھے۔

میں نے عرض کیا، بشیر۔

آپؐ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمام قبیلہ ربیعہ میں سے، جن کا یہ کہنا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو تمام مخلوق سمیت زمین پلٹ جاتی، اللہ تمہارے کان، تمہارے دل اور تمہاری آنکھ کو اسلام کے لیے قبول فرمالے۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! مجھے منظور ہے۔

آپؐ نے پوچھا، میرے پیچھے پیچھے کیوں آئے؟

میں نے عرض کیا، مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں آپؐ کو کوئی مصیبت نہ پیش آجائے یا کوئی کیڑا مکوڑا نہ کاٹ لے۔ (ابن عساکر)

طبرانی اور بیہقی میں آپؐ کے یہ الفاظ منقول ہوئے ہیں:

"تم اللہ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے جس نے اس تمہاری پیشانی کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ پوری قوم ربیعہ سے جن کا خیال ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو تمام لوگوں سمیت زمین پلٹ جاتی۔"

(۲) میں (بشیر بن خصاصیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے ارادے سے حاضر ہوا اور عرض کیا: ——

"یا رسول اللہ! آپؐ مجھ سے کس بات پر بیعت لیں گے"۔

آپؐ نے اپنا دست مبارک میری طرف پھیلاتے ہوئے فرمایا:

"اس بات کی گواہی دو کہ اللہ وحدہٗ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پانچوں وقت کی نماز صحیح اوقات پر پڑھو۔ فرض زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ رمضان کے روزے رکھا کرو۔ بیت اللہ کا حج کرو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔"

میں نے عرض کیا۔ یہ سب کچھ مجھے منظور ہے مگر ان میں سے دو باتیں

کی مجھ میں طاقت نہیں، ایک تو زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ خدا کی قسم، میرے پاس دس اونٹنیاں ہیں، انہیں کے دودھ پر میرے گھر والوں کی گزر اوقات ہے اور یہی ان کی بار برداری کے کام آتی ہیں۔ دوسری بات جہاد ہے۔ میں ایک کمزور دل کا آدمی ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ جس نے جہاد سے پشت پھیری وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔ مجھے خدشہ ہے کہ دشمن سے مقابلہ آپڑنے پر مجھ پر ڈر غالب آ گیا اور میں بھاگ کھڑا ہوا تو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک سمیٹ لیا پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے فرمایا: ——

"اے بشیر! نہ صدقہ دینے پر تیار ہو اور نہ جہاد میں حصہ لینا چاہتے ہو تو پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے۔"

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپؐ ہاتھ بڑھائیے میں آپؐ سے (ان تمام باتوں پر) بیعت کرتا ہوں۔

آپؐ نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور میں نے ان تمام باتوں پر آپؐ کی بیعت کر لی۔ (مسند احمد۔ کنز العمال)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے مخاطب ہو کر) فرمایا:

"میں تعریف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو تجھے قبیلہ ربیعہ خثعم سے لے آیا یہاں تک کہ تو میرے ہاتھ پر اسلام لایا۔"

میں نے عرض کیا: ——

"یا رسول اللہؐ! اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے آپؐ سے پہلے وفات دے۔"

آپؐ نے فرمایا: ——

"میں کسی کے لیے ایسی دعا نہیں کروں گا۔" (ابو نعیم)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ عرصہ اصحابِ صُفّہ کے ساتھ گزارا اور پھر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ اہلِ سیر

نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں حصہ لیا یا نہیں البتہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے ایرانیوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو وہ اس میں شریک تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا شمار بنو شیبان کے بہادر اور صاحبِ حیثیت لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ ۹ ہجری میں اپنے قبیلے کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ حضرت مثنیٰ کا قبیلہ عراق عرب کی سرحد کے قریب آباد تھا اور آئے دن حکومتِ ایران کی ستم رانیوں کا نشانہ بنتا رہتا تھا۔ عہدِ صدیقی میں حضرت مثنیٰ نے کچھ دوسرے جوانمردوں کے ساتھ مل کر ایرانی حکومت کے خلاف چھاپہ مار جنگ کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی مدد کے لیے حضرت خالد بن ولید کو روانہ کیا۔ حضرت خالد نے ایرانیوں کو شکستوں پر شکستیں دے کر متعدد اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ابھی ان کی مہم نا تمام تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں شام کے محاذِ جنگ پر جانے کا حکم دیا۔ ان کے جانے کے بعد ایرانی متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے حضرت مثنیٰ کے پاس ان کے مقابلے میں بہت کم فوج تھی وہ احتیاطی تدبیر کے طور پر پیچھے ہٹ آئے اور خلیفۃ الرسول سے مدد کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر اس وقت سخت بیمار تھے وہ حضرت عمر کو مثنیٰ کی مدد کی وصیت کرنے کے بعد فوت ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق نے مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت ابو عبید ثقفی کو عراقِ عرب کی مہم پر بھیجا انہوں نے کئی مقامات پر ایرانیوں کو شکست دی لیکن بد قسمتی سے تدبیر کی غلطی سے جسر کے معرکہ میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور اسی معرکے میں ابو عبید شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت مثنیٰ نے اپنی شجاعت اور دانشمندی سے فوج کے ایک حصے کو بچا لیا۔ اگلے سال انہوں نے معرکہ بویب میں ایرانیوں کو زبردست شکست دے کر معرکہ جسر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو بھیجا تو حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ بھی شریک ہو کر کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ چند ماہ بعد خلیفۃ الرسولؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراقِ عرب سے شام کے محاذِ جنگ پر جانے کا حکم دیا تو انہوں نے عراقِ عرب میں مثنیٰؓ بن حارثہ کو اپنا جانشین بنایا اور نصف فوج اپنے ساتھ لے کر شام چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ایرانیوں نے اپنے اندرونی جھگڑے فراموش کر دیئے اور متحد ہو کر مسلمانوں پر یلغار کر دی۔ حضرت مثنیٰؓ نے باقی نصف فوج کے ساتھ بڑی ثابت قدمی سے ایرانی یلغار کا مقابلہ کیا۔ لیکن ایرانیوں کی عسکری قوت مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اس لیے خدشہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ان نازک حالات میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر مدد مانگنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ وہ حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ کو اپنی جگہ عارضی امیر مقرر کر کے مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اسی لیے حضرت مثنیٰؓ نے انہیں اپنا جانشین بنایا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی ——— سال وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا بدلہ لے لیا۔ اسی اثناء میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عراقِ عرب کی مہم پر مامور کر دیا گیا مگر حضرت مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکہ جسر میں کھائے ہوئے زخموں کی وجہ سے جنگِ قادسیہ سے پہلے فوت ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بشیرؓ بن عنبس انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی ظفر کے فرزند سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے :

بشیر بن عنبس بن زید بن عامر بن سواد بن ظفر (کعب) بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ظفری۔

اپنے قبیلے کے بہادر آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام حوا تھا۔ اسی کے نام کی نسبت سے وہ فارسِ حوا کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

اہلِ سِیَر نے تصریح نہیں کی کہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے یا بعد میں۔ بہر صورت غزوۂ اُحُد سے پہلے ان کا مسلمان ہونا ثابت ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے اسی غزوے میں دادِ شجاعت دی۔ اُحُد کے بعد احزاب، فتح مکہ، حنین، تبوک وغیرہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام مشاہد میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے عراق عرب کی طرف توجہ کی جہاں ایرانی مجوسیوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ امیر المومنین نے ایک مضبوط لشکر حضرت ابو عبید ثقفیؓ کی قیادت میں عراق عرب روانہ کیا۔ حضرت بشیر بن عنبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ حضرت ابو عبید نمارق، کسکر اور سقاطیہ کو فتح کر کے مروحہ کے مقام پر پہنچے تو سامنے [illegible] و [illegible] دریا [illegible] کے پار قس الناطف کے مقام پر ایرانیوں کے ایک زبردست لشکر نے ڈیرے ڈال رکھے تھے جس میں [illegible] کی سی [illegible] ڈیل ڈول [illegible] تھے وہ بہت جنگی ہاتھی بھی تھے۔ اس موقع پر حضرت ابو عبید سے [illegible]

غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایرانیوں کے دریا عبور کرنے کا انتظار کرنے کے بجائے خود دریا عبور کر کے ان پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا لیکن میدان تنگ اور ناہموار ہونے کی وجہ سے مسلمان اپنی صف بندی مناسب طریقے سے نہ کر سکے۔ ایرانیوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا اور ہاتھیوں کی مدد سے مسلمانوں کی صفوں کو برباد کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹے تو کسی منچلے نے دریا کا پل توڑ ڈالا۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دریا میں غرق ہو گئی۔ حضرت بشیرؓ بن عنبس اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس لڑائی کو معرکۂ جسر یا جسر ابی عبید کہا جاتا ہے۔ جو مسلمان باقی بچے حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ان کو لے کر دریا کے پار اتر گئے۔ عہدِ فاروقی میں صرف یہی ایک لڑائی ہے جس میں تدبیر کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ یہ سنہ ۱۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے بتایا کہ فتح خیبر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے، فلاں شہید ہوا، فلاں شہید ہوا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں، میں تو اسے آگ میں دیکھ رہا ہوں کیونکہ اس نے غنیمت کے مال کی ایک چادر یا کمبل چرایا تھا۔ پھر فرمایا اے عمرؓ! لوگوں میں تین بار منادی کر دو کہ جنت میں مومنوں کے سوا کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی اور لوگوں میں تین بار اعلان کر دیا کہ جنت میں مومنوں کے سوا کوئی داخل نہ ہو سکے گا!

(رواہ مسلم مشکوٰۃ باب قسمت الغنائم والغلول فیہا صفحہ ۳۵۲)

حضرت بکیرؓ بن کعب لیثی

بعض اہلِ سِیَر نے ان کا نام بکر اور ان کے والد کا نام شداخ بیان کیا ہے۔ (اکثر روایتوں میں ان کا نام بکر بن شداخ آتا ہے لیکن کسی نے بکر بن شداخ کا نسب نامہ بیان نہیں کیا) البتہ کلبی نے ان کا نام اور نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

بکیر بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ کنانی لیثی

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کا تعلق بنو لیث سے تھا۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچپن میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کب اور کیسے پہنچے۔ بہر صورت ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بالغ ہوئے تو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اب تک آپؐ کے گھر کے اندر جاتا تھا لیکن اب میں بالغ ہو گیا ہوں (اب میرا اندر جانا ٹھیک نہیں)۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ان کی اس راست گوئی سے خوش ہوئے اور آپؐ) نے فرمایا:

"اے اللہ! اس کی بات کو ہمیشہ سچا رکھ اور اسے ہمیشہ مظفر و منصور کر"

عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں حضرت بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت بکیر رضی اللہ عنہ زبردست شہسوار تھے اس لیے قیاس ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت یا خلفائے راشدینؓ کے عہد میں کسی نہ کسی موقع پر جہاد میں ضرور حصہ لیا ہوگا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ حضرت بکیر نے ایک یہودی کو قتل کر ڈالا۔ امیر المومنین کو خبر ہوئی تو وہ مجمع عام کے سامنے منبر پر چڑھے اور فرمایا:

"اللہ اکبر! کیا میری حکومت میں اور میری خلافت میں لوگ قتل کیے جائیں گے۔ میں اس شخص کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، جس کے پاس علم ہو کہ وہ مجھے مشورہ دے (کہ اس معاملے میں کیا کرنا چاہیے)"۔

اس پر خود حضرت بکیر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، میں مشورہ دوں گا۔

امیر المومنین نے فرمایا، اللہ اکبر! تو نے خون کا وبال اپنے سر لیا اب تو ہی بتا کہ تیری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

انہوں نے کہا، ہاں (میں بتاتا ہوں) فلاں شخص جہاد پر گیا ہے اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت میرے ذمہ کر گیا ہے۔ چنانچہ میں اس کے دروازے پر گیا تو اس یہودی کو اس کی بیوی کے ساتھ ملوث پایا، پس میں نے اس کو قتل کر دیا۔

امیر المومنین نے ان کے عذر کو اس بناء پر تسلیم کر لیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی تھی کہ اے اللہ ان کی بات کو ہمیشہ سچا رکھ۔

حضرت بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سال وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبوی

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے کیونکہ ابھی تھوڑی دیر میں اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (ابوداؤد)

حضرت تمیمؓ بن حارث سہمی

قریش کی شاخ بنی سہم کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
تمیمؓ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعید بن سہم قرشی سہمی
دعوتِ توحید کے اوائل میں اسلام قبول کر کے "السابقون الاولون" کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

جب مکہ میں مسلمانوں پر مشرکینِ قریش کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو حضرت تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مومن بھائیوں ابو قیسؓ، عبداللہؓ، حجاجؓ، سائبؓ سعیدؓ اور بشرؓ کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ان کی یہ ہجرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر ۵ سنہ بعثت میں ہوئی۔

ارباب سیر نے ان کے بھائی حضرت ابو قیس بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے پہلے حبش سے مدینہ منورہ آ گئے اور عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک ہوئے مگر حضرت تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کسی نے وضاحت نہیں کی کہ وہ حبش سے کب واپس آئے۔ البتہ علامہ ابن سعدؒ اور ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شام جانے والے مجاہدین میں شامل تھے۔ انہوں نے عین شباب کی معرکوں میں داد شجاعت دی اجنادین کی لڑائی میں بھی شریک تھے اور اسی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔
ایک اور روایت میں ان کی شہادت جنگِ یرموک میں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت تمیمؓ بن ربیعہ جُہنی

عرب کے مشہور قبیلے بنو جُہَینہ کے چشم و چراغ تھے۔ یہ قبیلہ بنو قضاعہ کی شاخ بنی اَسلم کا عظیم بطن تھا۔ یہ لوگ شمالی حجاز میں بواط کے مغرب میں آباد تھے۔ ان کی بستیاں بحرِ احمر کے کنارے ینبوع تک پھیلی ہوئی تھیں۔

حضرت تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نسب نامہ یہ ہے:

تمیمؓ بن ربیعہ بن عوف بن جراد بن یربوع بن طحبل بن عدی بن ربعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جُہنی۔

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعتِ رضوان کا بھی شرف حاصل کیا۔ اس بیعت کے شرکاء کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورہ فتح)

(ترجمہ) اللہ راضی ہوا مومنوں سے جب بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے درخت کے نیچے۔

حضرت تمیم بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی زندگی کے مزید حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ ان کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ وہ اصحاب الشجرہ میں سے ایک ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت ثابتؓ بن خالد انصاری

خزرج کی شاخ بنی مالک بن نجار سے تھے۔ ابنِ مندہؒ اور حافظ ابو نُعیمؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

ثابتؓ بن خالد بن نعمان بن خنساء بن عسیرہ بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک

حافظ ابن عبد البرؒ کے نزدیک ان کا سلسلۂ نسب یوں تھا:

ثابتؓ بن خالد بن نعمان بن خنساء بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار

ان کے خاندان کو بنی تیم اللہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ نجار کا اصل نام تیم اللہ تھا (پہلے تیم اللات تھا) نجار ان کا لقب تھا۔

حضرت ثابتؓ بن خالد غزوۂ بدر سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ وہ بڑے مخلص اور بہادر مسلمان تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اولین اصحابِ بدرؓ کی مغفور جماعت کا رکن بننے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اگلے سال ۳ھ ہجری میں انہوں نے غزوۂ اُحد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت ثابتؓ بن خالد کو اللہ تعالیٰ نے رتبۂ شہادت پر فائز کیا مگر وہ کس غزوے میں شہید ہوئے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے سانحۂ بئرِ معونہ میں شہادت پائی۔ (۴ھ ہجری)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

اگر دوسری روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ حضرت ثابتؓ بن خالد کو بدر اور اُحد کے علاوہ عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثابتؓ بن عُبَیْد انصاری

ارباب سِیَر نے ان کے قبیلے اور نسب کی صراحت نہیں کی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ بدر الکبریٰ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔
غزوۂ بدر کے بعد خلافتِ مرتضوی تک ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں جنگِ صفین میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔ (اُسدُ الغابہ)
بقول قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ انھوں نے جنگِ صفین ہی میں شہادت پائی
(بدر البدور)
حضرت ثابتؓ بن عبید کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ وہ اصحابِ بدر کی مقدس جماعت کے ایک رکن ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔
(صحابہؓ نے) عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور کوئی کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اصل) دولت مندی دل کی دولت مندی ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ثابتؓ بن عمرو انصاری

خاندانی تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ مالک بن نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
ثابتؓ بن عمرو بن زید بن عدی بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار
غزوۂ بدر الکبریٰ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر غزوۂ بدر میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس طرح انہوں نے بدری صحابی ہونے کی عظیم سعادت حاصل کرلی۔ شوال ۳ھ ہجری میں حضرت ثابتؓ بن عمرو نے غزوۂ اُحد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا اور اسی غزوے میں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
"ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ ہے) اس لیے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔"
(شعب الایمان للبیہقیؒ)

حضرت ثابتؓ بن ہزال بن عمرو انصاری

قبیلہ بنی عمرو بن عوف بن خزرج سے تھے۔ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا کچھ بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرجوش جاں نثار بن گئے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے ان کی تلوار بدر الکبریٰ کے میدان میں چمکی اور دشمنانِ حق کے سر پر برقِ خاطف بن کر گری۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔ بدر کے بعد وہ اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام مشاہد میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑکے تو حضرت ثابتؓ بن ہزال نے مرتدین کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا اور اسی سلسلے کی خونریز لڑائی "جنگِ یمامہ" میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں اول یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ دوسرے یہ کہ جب ایک دوسرے کو دعوت پر بلائے تو وہ دعوت قبول کرے۔ تیسرے یہ کہ جب وہ نصیحت (یا مشورے) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ جب اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو یہ اس کو یرحمک اللہ کہے۔ پانچویں یہ کہ جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے۔ چھٹے یہ کہ جب فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ثعلبہؓ بن حاطِب انصاری

ان کا تعلق قبیلہ اَوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
ثعلبہؓ بن حاطب بن عمرو بن عبید بن امیّہ بن زید بن مالک بن عوف بن
عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت ثعلبہؓ سب سے پہلے غزوۂ بدرالکبریٰ (رمضان المبارک ۲ سنہ ہجری) میں شریک ہوئے اور بدری صحابی ہونے کا عظیم بالشان شرف حاصل کیا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ بدر کے بعد وہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے۔ (الاستیعاب)

ابنِ کلبی کا بیان ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے اور اسی غزوے میں شہادت پائی۔ لیکن بعض کُتُبِ تفسیر اور کُتُبِ رجال میں ان کے بارے میں ایک عجیب قصہ بیان کیا گیا ہے[1] اِس قصّے کو حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ قِصّہ یہ ہے:

"ثعلبہ بن حاطب انصاری رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسولؐ اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال دے۔ آپؐ نے فرمایا،

---

[1] یہ قصہ ابن جریر طبریؒ، حافظ ابنِ کثیر، علامہ حسین بن مسعود بغوی قرطبی اور بعض دوسرے مفسّرین نے اپنی کُتُبِ تفسیر میں سورۂ توبہ کی آیات ۷۵-۷۶-۷۷ کے تحت بیان کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں، علامہ ابنِ اثیر جزریؒ نے "اُسدُ الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ" میں اور علامہ شوکانیؒ نے "فتح القدیر" اور "السیل الجرار" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے تو اس قصّے کی صحت میں شک کا اظہار کیا ہے لیکن تعجب ہے کہ [illegible] کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔

کیا تمہیں میری (دنیا میں مسافرانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے کی) اقتدار پسند نہیں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر میں چاہتا کہ سونے اور چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ رہا کریں تو بے شک رہتے۔

ایک روایت میں آپ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: اے ثعلبہ تجھ پر افسوس اور تعجب ہے، وہ تھوڑا مال جس کا تو شکرانہ ادا کر سکے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کو سنبھال نہ سکو اور جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔

حضورؐ کا ارشاد سن کر ثعلبہؓ واپس چلے گئے۔ پھر چند روز کے بعد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر اللہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق دار کا حق ادا کردوں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے، اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے۔ (اب ثعلبہ خوش خوش واپس گئے) انہوں نے کچھ بکریاں پالی تھیں۔ اس دعا کے بعد اس طرح بڑھیں جیسے کیڑے بڑھتے ہیں۔ اب ثعلبہؓ صرف ظہر اور عصر کی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (باجماعت) پڑھنے لگے۔ باقی نمازیں وہ اپنی بکریوں (کے گلے) میں پڑھنے لگے۔ پھر ان بکریوں کی تعداد میں اور اضافہ ہوا تو انہوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں بھی آنا چھوڑ دیا اور صرف جمعہ کی نماز میں آنے لگے۔ پھر ان بکریوں کی تعداد اور بڑھی تو انہوں نے جمعہ کی نماز بھی چھوڑ دی۔ جمعہ اور جماعت کی شرکت بالکل ترک کردی۔ جب جمعہ کا دن آتا تو وہ باہر نکل کر لوگوں سے حالات پوچھا کرتے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یاد فرمایا اور پوچھا کہ ثعلبہ کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ثعلبہ نے بکریاں پالی ہیں جو بڑھتی بڑھتی اتنی زیادہ ہوگئی ہیں کہ اس کے لیے مدینہ میں رہنا دشوار ہوگیا اور وہ ان کو وادی میں لے گیا (اب انہیں میں مشغول رہتا ہے) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ثعلبہ کی خرابی، ثعلبہ کی خرابی، ثعلبہ کی خرابی (یا ہائے ثعلبہ کی ہلاکت، ہائے ثعلبہ کی ہلاکت، ہائے ثعلبہ کی ہلاکت) اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے آیتِ صدقہ نازل فرمائی (یعنی زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا) تو آپؐ نے ایک شخص

کو بنو سُلَیم میں سے اور ایک شخص کو بنو جہینہ میں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا اور ان کو صدقے کے جانوروں کی عمریں لکھ دیں کہ وہ کس کس عمر کے لیے جائیں۔ پھر (جب وہ چلنے لگے) تو ان دونوں سے فرمایا کہ تم پہلے ثعلبہ بن حاطب کے پاس جاؤ پھر بنو سُلَیم کے فلاں شخص کے پاس جاؤ اور ان دونوں سے زکوٰۃ وصول کرو۔ چنانچہ وہ دونوں پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے اور ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ ثعلبہ نے کہا، یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے (یعنی جزیہ جیسا ٹیکس ہے)۔ اچھا تم لوگ جاؤ جب (دوسروں سے وصول کر کے) فارغ ہونا اس وقت میرے پاس آنا۔ بس وہ دونوں چلے گئے۔

بنو سلیم کے شخص (جس سے آنحضورؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تھا) نے جب ان دونوں کے آنے کی خبر سنی تو اس نے اپنے اونٹوں میں سے نہایت عمدہ عمدہ اونٹ چھانٹ کر صدقہ کے لیے الگ کر لیے اور ان اونٹوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ جب ان دونوں نے ان اونٹوں کو دیکھا تو کہا کہ عمدہ عمدہ اونٹ چھانٹ کر صدقہ کے لیے نکالنا تم پر واجب نہیں۔

اس سُلمی نے کہا کہ تم انہیں لے لو میں نے اپنی خوشی سے دیئے ہیں۔ (انہوں نے لے لیے) اس کے بعد وہ دونوں دوسرے لوگوں کے پاس گئے اور زکوٰۃ وصول کی۔ پھر وہ دوبارہ ثعلبہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا، مجھے وہ تحریر دکھاؤ جو تمہارے پاس ہے۔ انہوں نے وہ تحریر دکھا دی۔ اس کو پڑھ کر ثعلبہ نے (پھر وہی) کہا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ یہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ تم اس وقت چلے جاؤ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ چنانچہ وہ دونوں واپس آئے، جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیکھا تو اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کریں، آپؐ نے فرمایا، ہائے ثعلبہ کی ہلاکت۔ پھر آپؐ نے بنو سُلَیم کے اُس (عمدہ اونٹ دینے والے) شخص کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جب انہوں نے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ثعلبہ کے طرزِ عمل کے بارے میں بتایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ [1] (التوبہ آیۃ ۷۵-۷۷)

اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ان آیات کو سُنا تو اس نے جاکر ثعلبہ سے بیان کیا کہ اے ثعلبہ تو ہلاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں ایسا ایسا حکم نازل فرمایا ہے۔ پس ثعلبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول فرما لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سُن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب تمہارے اپنے عمل ہی کا بدلہ ہے، میں نے تمہیں حکم دیا تھا لیکن تم نے میری اطاعت نہ کی۔

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا صدقہ لینے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے ان سے کچھ نہیں لیا۔

پھر جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ میرا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اور انصار میں آپ کو معلوم ہے۔ آپ میرا صدقہ لے لیجئے۔

---

[1] ترجمہ: ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بُخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انھیں اس کی پروا تک نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک [illegible] پیچھا نہ چھوڑے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تم سے صدقہ نہیں لیا اور میں لے لوں؟ یہ نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ ابوبکرؓ کی وفات ہو گئی۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا کہ اے امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول کر لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارا صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی قبول نہیں کیا اور میں قبول کر لوں (یہ نہیں ہو سکتا) پس حضرت عمرؓ شہید ہو گئے اور انہوں نے ثعلبہ کا صدقہ قبول نہیں کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہؓ ان کے پاس گئے اور درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول کر لیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا اسے میں بھی تجھ سے قبول نہیں کرتا۔ پس انہوں نے بھی ان کا صدقہ قبول نہ کیا حتیٰ کہ ثعلبہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔"

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ یہ قصہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔ لیکن دونوں روایتوں کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ قصہ جھوٹا ہے کیونکہ اس کی سند میں بعض رواۃ مجروح یا مجہول یا متکلم فیہ اور مختلف فیہ ہیں (یعنی بعض محدثین ان کو ضعیف کہتے ہیں اور بعض ثقہ) مثلاً حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی حدیث کے رواۃ میں ایک نام علی بن یزید کا ہے۔ امام بخاریؒ اس کو ضعیف اور منکر الحدیث کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام ترمذیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابو حاتمؒ اور بہت سے دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ اور امام دار قطنیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت بھی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس کی سند میں کئی راوی مجہول ہیں —— ابن جریر طبریؒ نے اس کی سند یوں بیان کی ہے:

حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ قَالَ ثَنِیْ عَمِّیْ
قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

یعنی (ابوجعفر محمد بن جریر طبری [illegible]) مجھ سے محمد نے بیان کیا۔ وہ

کہتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔

اس روایت میں مسلسل پانچ راوی مجہول ہیں یعنی ان کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کیسے ہیں (سعد، سعد کا باپ، سعد کے باپ کا چچا، اس چچا کا باپ اور اس باپ کا باپ)۔

غیر مستند ہونے کے علاوہ اس قصے کے جھوٹا ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو کردار پیش کیا گیا ہے وہ کسی صاحب رسول (بالخصوص کسی بدری صحابی) کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

ثَعْلَبَةُ بَدْرِيٌّ اَنْصَارِيٌّ وَمِمَّنْ شَهِدَ اللّٰهُ لَهُ وَرَسُوْلُهُ بِالْاِيْمَانِ فَمَا رُوِيَ عَنْهُ غَيْرُ صَحِيْحٍ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۲۱۵ سورہ توبہ)

یعنی ثعلبہ بدری انصاری صحابی ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ایمان کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شہادت دی ہے اور جو قصہ ان کے بارے میں مشہور ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں اس قصے کا رد کیا ہے۔

اگر ابن کلبی کے اس بیان کو درست تسلیم کیا جائے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ احد میں شہادت پائی تو پھر اس قصے کی بنیاد ہی ڈھے جاتی ہے اور اگر وہ غزوۂ احد میں شہید نہیں ہوئے تو بھی جو باتیں ان سے منسوب کی گئی ہیں انہیں کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا اسی لیے دور حاضر کے تقریباً سبھی مفسرین نے سورۂ توبہ کی تفسیر میں اس قصے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور اسے یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ فی الحقیقت سورۂ توبہ

کی آیات ۷۵-۷۶-۷۷ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کے کردار کا مجموعی طور پر ذکر کیا گیا ہے ان کا اطلاق کسی بدری یا دوسرے صحابی پر کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ جن علماء سے یہ لغزش، کسی غلط فہمی یا جرح و تعدیل میں تساہل کی بناء پر سرزد ہوئی ہے، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کی جائے۔

بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس ثعلبہ کا اس قصے میں ذکر ہے وہ ثعلبہ بن حاطب انصاری ؓ نہیں بلکہ کوئی اور ثعلبہ تھے لیکن یہ محض قیاس ہی قیاس ہے۔ جن اصحاب نے یہ قصہ بیان کیا ہے انہوں نے صراحت کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ بن حاطب انصاری کا نام لیا ہے۔ لیکن جب صحابہؓ کرام کی عظمت کردار پر حرف لانے والا یہ قصہ سرے سے ہی بے بنیاد اور جھوٹا ہے تو اس میں کسی قیاس آرائی کی کیا ضرورت ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"سب سے اچھا رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو، خالص سفید رنگ ہے۔"

(سنن ابنِ ماجہ)

حضرت ثعلبہؓ بن سعد ساعدی انصاری

خزرج کے خاندان بنی ساعدہ کے فرزندِ سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

ثعلبہؓ بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر ساعدی۔

سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اسی غزوے میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین اسے نہ سمجھنا چاہیے جو ایک دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کے لیے لوگوں کے دروازوں پر پھرتا ہے بلکہ اصل (امداد کا مستحق) مسکین وہ ہے جس کے پاس واقعی گزارہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ نہ وہ لوگوں سے مانگے اور نہ لوگوں کو اس کے فقر وفاقہ کا خیال معلوم ہو۔

(صحیح بخاری)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی سلمہ کی شاخ بنی عبید بن عدی کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے :-

جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی انصاری۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے اُن چھ سعید الفطرت اصحاب میں شامل تھے جن کو انصار میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ۱۱ھ بعد بعثت کا واقعہ ہے۔ اس اعتبار سے ان کو بیعتِ عقبۂ اولیٰ (۱۲ھ بعد بعثت) اور بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ھ بعد بعثت) کے شرکاء پر سبقت حاصل ہے۔

اس کا پس منظر یہ ہے :

بعثت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ حج کے زمانے میں مکہ آنے والے مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو دعوت توحید دیتے۔ اگرچہ ایسا شاذ ہی ہوتا کہ کوئی شخص آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتا لیکن اتنا ضرور ہوتا کہ ان لوگوں کے کانوں میں توحید کی آواز پڑ جاتی۔ ۱۱ھ بعد بعثت کے موسمِ حج کا ذکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق کے لیے منیٰ کی طرف تشریف لے گئے جہاں عرب کے گوشے گوشے سے حج کے لیے آنے والے لوگوں نے خیموں

---

[1] ہم نے ان کے دادا کا نام انہیں حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سے ممیز کرنے کے لیے لکھا ہے۔ وہ بھی جلیل القدر صحابی ہیں اور کثیر الروایت ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ ان سے ۱۵۴۰ احادیث مروی ہیں۔ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے البتہ ان کے والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو بدر میں شریک تھے۔

کا ایک بڑا شہر آباد کر رکھا تھا۔ پھرتے پھرتے آپؐ عقبہ کے قریب یثرب (مدینہ) سے آنے والے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کے پاس پہنچے۔ یہ گورے چٹے وجیہ آدمی تھے اور شکل وصورت سے بہت معقول معلوم ہوتے تھے۔

آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا، ہم یثرب کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، کیا آپ لوگ میرے پاس بیٹھیں گے کہ میں آپ سے کچھ بات کروں؟

انہوں نے کہا، ضرور۔ پھر وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بیٹھ گئے اور ہمہ تن گوش ہو گئے۔

ہادیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نہایت بلیغ پیرائے میں انہیں اللہ کی طرف بلایا، ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھیں۔ ساتھ ہی آپؐ نے ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ان لوگوں پر آپؐ کے ارشادات کا حیرت انگیز اثر ہوا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بولے:

"واللہ یہ تو وہی نبی (آخر الزمان) ہیں جن کی آمد کا ذکر ہمارے شہر کے یہود اکثر کرتے رہتے ہیں، دیکھنا کہیں یہود آپؐ کو اور آپؐ کی دعوت کو قبول کرنے میں ہم پر سبقت نہ لے جائیں۔"

پھر انہوں نے بڑے خلوص اور عقیدت کے ساتھ عرض کیا:

"اے محمدؐ! ہم آپ کی دعوت کو دل وجان سے قبول کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی سب نے حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ ان چھ نفوسِ قدسی کے اسمائے گرامی یہ تھے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بن رئاب۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔ حضرت رافعؓ بن مالک

حضرت عوفؓ بن حارث، حضرت عقبہؓ بن عامر بن نابی، حضرت قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ۔

یہ اصحاب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس یثرب (مدینہ) گئے تو انہوں نے خزرج اور اوس کے لوگوں میں بڑی تندہی سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یوں چراغ سے چراغ جلنے لگا۔ اگلے سال (سنہ ۱۲ بعد بعثت میں) یثرب سے بارہ اصحاب مکہ جا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ پھر سنہ ۱۳ بعد بعثت میں یثرب سے پچھتر اصحاب مکہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے آپ کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے تو اہلِ یثرب نے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے۔ اب یثرب مدینۃ النبیؐ بن گیا اور اس کے درو دیوار انوارِ نبوت سے جگمگانے لگے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ وہ بدر، اُحد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں آپؐ کے ہم رکاب رہے اور ہر غزوے میں سرکف ہو کر لڑے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالاتِ زندگی کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں بھی کتبِ سیر خاموش ہیں۔ انہوں نے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) جبریلؑ کا گزر میری طرف ہوا اور میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جبریلؑ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میں نے (بھی) انہیں دیکھ کر تبسم کیا۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جاہمہؓ بن عباس سُلمی

خاندانی تعلق بنو سُلیم سے تھا۔ اہلِ سیَر نے ان کا نسب نامہ صرف اسی قدر بیان کیا ہے — جاہمہؓ بن عباس بن مرداس سُلمی — کنیت ان کی ابو معاویہ تھی۔

ان سے ان کے بیٹے معاویہؓ نے روایت کی ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں اس بارے میں آپؐ سے مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

آپؐ نے ان سے پوچھا، کیا تمہاری ماں ہے؟

انہوں نے عرض کیا، ہاں ہے! — آپؐ نے فرمایا، تو پھر اسی کے پاس اور اسی کی خدمت میں رہو اس کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سُنن نسائی)

علامہ ابن اثیرؒ نے حضرت جاہمہؓ کے فرزند حضرت معاویہؓ کو بھی صحابی بتایا ہے اور مختلف اسناد سے ان سے یہ روایت کی ہے کہ میں (معاویہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ! میں آپؐ کی معیت میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ اور اس کی خدمت کرو۔ میں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات پر توجہ نہیں فرمائی۔ میں ہٹ کر دوسری طرف آ بیٹھا اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! میں آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، خدا تجھ سے سمجھے کیا تیری ماں زندہ ہے۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ اور اس کے قدموں میں بیٹھ جاؤ (اُسد الغابہ)

یہ واقعہ حضرت جاہمہؓ کو پیش آیا ہو یا حضرت معاویہؓ بن جاہمہؓ کو بہر صورت اس سے ماں کی خدمت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت جاہمہؓ اور حضرت معاویہؓ کی زندگی کا کوئی اور واقعہ اربابِ سیَر نے بیان نہیں کیا۔

حضرت جُبَیرؓ بن اِیاس زُرقی انصاری

خزرج کے خاندان بنی زُریق میں سے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے: ——

جُبَیرؓ بن ایاس بن خلدہ بن مُخَلّد بن عامر بن زُریق زُرقی انصاری

ابن اسحاقؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، واقدی اور ابو معشر سب کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کو بدر اور اُحُد دونوں غزوتوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اُحُد کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ ان کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ بدری بھی ہیں اور اُحدی بھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک گنوار (دیہاتی بدّو) نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ دوڑے کہ اسے ماریں اور ڈانٹیں ڈپٹیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے جانے دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک بڑا ڈول ڈال کر بہا دو۔ پھر فرمایا، تم لوگ تو دنیا میں آسانی اور نرمی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور لوگوں کو تنگ کرنے کے لیے مقرر نہیں کیے گئے ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے اس گنوار کو بُلا کر فرمایا کہ دیکھو مسجدیں اللہ کی یاد اور ذکر کے لیے ہیں ان میں پیشاب وغیرہ کرنا منع ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت جزءؓ بن حدرجانؓ ازدی

مشہور یمنی قبیلہ اَزد سے تعلق رکھتے تھے۔ اربابِ سیر نے ان کا نسب نامہ صرف اسی قدر بیان کیا ہے:

جزءؓ بن حدرجان بن مالک ازدی۔

حضرت جزءؓ، ان کے والد حدرجانؓ اور بھائی قُدادؓ (یا قذاذ) سب کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ اہلِ سیر نے ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب فتح مکہ (۸ھ) کے بعد شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کی سکونت یمن کے ایک قصبے فتوتا میں تھی۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بھیجے ہوئے مبلغین کی تبلیغ سے سب سے پہلے حضرت حدرجانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شرفِ صحابیت حاصل کیا، پھر ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں ان کے سب گھر والے اور بیشتر اہلِ قبیلہ مسلمان ہو گئے۔ یہ کل چھ سو گھر تھے۔ اس کے بعد حضرت حدرجانؓ کے صاحبزادے (اور حضرت جزءؓ کے بھائی) حضرت قداد (قذاذ) قبیلے کے سرداروں کے ہمراہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو اپنے خاندان اور اہلِ قبیلہ کے قبولِ اسلام کی اطلاع دی۔ جب وہ یہ کام سرانجام دے کر وطن کی طرف واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انہیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک سریّہ (دستۂ فوج) مل گیا۔ اس نے حضرت قدادؓ (قذاذ) کو پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا کہ میں مومن ہوں مگر لشکر والوں نے ان کی بات کا یقین نہ کیا اور رات کو انہیں قتل کر ڈالا۔

حضرت جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں قداد (قذاذ) کی شہادت کی خبر ملی تو ہمیں سخت صدمہ پہنچا۔ (یہ صدمہ اس اعتبار سے اور بھی شدید تھا کہ

قداد (قداذ) ایمان کی حالت میں مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہوئے)۔ ہم (قداد شہید کے اہلِ خاندان) رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر کے اپنے بھائی کا "خون بہا" طلب کیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ○

(النساء آیہ ۹۴)

(ترجمہ) مومنو جب تم اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو، سو اللہ کے نزدیک بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو آئندہ تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے۔

حضرت جزءؓ کہتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے ایک ہزار اشرفی میرے بھائی کی دیت عنایت فرمائی نیز مجھے سو سرخ اونٹنیاں دیئے جانے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے مجھے ایک سریہ کا سردار مقرر فرمایا اور (اسی وقت) میرے لیے ایک جھنڈا بنا دیا (یعنی بطور خاص مجھے لشکر کا پرچم عطا فرمایا) یہ سریہ حاتم طائی کے قبیلے (بنو طے) کی طرف گیا (اس وقت تک یہ قبیلہ اسلام نہیں لایا تھا) یہاں اسلامی لشکر کو مالِ غنیمت میں بہت سی بکریاں اور چالیس عورتیں حاصل ہوئیں۔ یہ عورتیں مدینہ منورہ لائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اسلام لانے کی توفیق دی اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کا نکاح اپنے اصحاب سے کر دیا —— حضرت جزءؓ بن حدرجانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جعفرؓ بن ابی سفیان مغیرہؓ ہاشمی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان مغیرہؓ کے بیٹے تھے۔ اس نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے ہوتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

جعفرؓ بن ابی سفیان مغیرہؓ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصیّ۔

والدہ کا نام جمانہ بنتِ ابی طالب تھا۔ اس نسبت سے حضرت علیؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عقیلؓ ان کے ماموں تھے اور جناب ابو طالب نانا۔

ان کے والد ابوسفیانؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف چچازاد بھائی تھے بلکہ رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں نے حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا تھا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی لیکن بعثت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو ابوسفیان آپؐ کے سخت مخالف ہوگئے اور دوسرے مخالفین کے ساتھ مل کر آپؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ اپنی شاعرانہ صلاحیتیں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں صرف کرتے تھے اور آپؐ کے خلاف ہجویہ اشعار کہہ کر انہیں کوچہ و بازار میں سُناتے پھرتے تھے۔

خدا کی قدرت فتح مکہ سے چند دن پہلے وہ اسلام کی طرف مائل ہوگئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی اہلیہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرنے کی تحریک کی تھی چنانچہ اپنے فرزند جعفرؓ کو ساتھ لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ پر پرچم اسلام بلند کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے اور اسلامی لشکر کا مقدمۃ الجیش ابواء تک پہنچ چکا تھا۔ ثنیۃ العقاب کے مقام پر ابوسفیانؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضری کی اجازت چاہی لیکن آپؐ نے انہیں ملنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے بیس سال سے آپؐ کی اعانت اور نصرت کے بجائے مخالفت اور ایذارسانی کو اپنا شعار بنائے رکھا تھا۔ آخر ابوسفیانؓ نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بارگاہِ نبویؐ میں اپنے حق میں سفارش کرائی مگر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ایسے ابنِ عم کی ضرورت نہیں ہے جس نے میری آبروریزی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ جب ابوسفیان بالکل مایوس ہو گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں اپنے اس بیٹے (جعفر) کو ساتھ لے کر دربدر پھرتا رہوں گا یہاں تک کہ بھوک پیاس ہم کو ہلاک کر ڈالے ـــــ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادے کی خبر ہوئی تو آپؐ کی شانِ رحیمی جوش میں آگئی اور آپؐ نے ان کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دے دی دونوں باپ بیٹے چہروں پر ڈھاٹا باندھے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور کہا " السلام علیک یارسول اللہ" آپؐ نے فرمایا ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹا دو لوگوں نے ڈھاٹا ہٹایا تو دونوں کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت جعفرؓ اپنے والد کے ہمراہ غزوۂ حُنین میں شریک تھے۔ لیکن حافظ ابونعیمؒ نے لکھا ہے کہ غزوۂ حُنین میں صرف حضرت ابوسفیانؓ شریک تھے اگر ابونعیمؒ کا بیان درست تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت جعفرؓ عہدِ رسالت میں کم سن تھے (یعنی ابھی لڑائی میں شامل ہونے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے) واللہ اعلم بالصواب۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جعفرؓ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک حیات تھے۔ انہوں نے ان کی خلافت کے درمیانی زمانے میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جفشیش رضی اللہ عنہ کندی

بعض روایتوں میں ان کا نام جفشیش اور بعض میں خفشیش بھی آیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام معدان تھا اور جفشیش ان کا لقب تھا۔ ایک اور روایت میں اس کے برعکس بھی بیان کیا گیا ہے یعنی جفشیش ان کا نام تھا اور معدان لقب۔ (واللہ اعلم بالصواب) —— نسب نامہ یہ ہے:

جفشیش (معدان) بن اسود (یا نعمان) بن معدی کرب بن تمام بن اسود بن عبداللہ بن حارث بن عمرو بن معاویہ بن حارث اکبر بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ۔

دو باتوں پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ ایک یہ کہ ان کی کنیت ابوالخیر تھی اور دوسری یہ کہ وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہیں۔

حضرت جفشیش رضی اللہ عنہ اسی آدمیوں کے اس وفد میں شامل تھے۔ جو سنہ ۱۰ ہجری میں کندہ اور حضر موت سے حضرت اشعث رضی اللہ عنہ بن قیس کندی کی قیادت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وفد کے تمام اراکین پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن انہوں نے ابھی وہ سادگی اختیار نہیں کی تھی جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ بارگاہِ نبوی میں حاضری کے وقت انہوں نے اپنے کندھوں پر حیرہ کی زریں چادریں ڈال رکھی تھیں جن کے سنجاف حریر کے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"کیا تم لوگ اسلام قبول نہیں کر چکے؟"

انہوں نے عرض کیا: —— "یا رسول اللہ! ہم اللہ کے فضل سے دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں۔"

حضور نے فرمایا: —— "تو پھر یہ حریر کیسا؟"

اہلِ وفد حضور کا ارشادِ گرامی سن کر نادم ہو گئے اور سب نے اپنی زریں چادریں

پھاڑ پھاڑ کر زمین پر پھینک دیں۔ حضورؐ ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔
حضرت جفشیشؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! آپ ہم میں سے ہیں (یا کسی اور قبیلے سے)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

"ہم اپنی ماں کو گالی نہیں دیتے اور نہ اپنے باپ سے جدا ہوتے ہیں
ہم نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔"

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جفشیشؓ وہی صاحب ہیں جن سے ایک شخص نے کسی زمین کی بابت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھگڑا کیا تھا۔ حضورؐ نے ان دونوں میں سے ایک پر قسم عائد کی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! اگر یہ شخص قسم کھائے گا تو کیا میں اپنی زمین اس کو دے دوں گا؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، اگر یہ جھوٹی قسم کھائے گا تو (تمہارا دنیا کا تھوڑا سا نقصان ہو جائے گا مگر) اس کی مغفرت نہ ہو گی۔

حضرت جفشیشؓ کے مزید حالات کتبِ سیر میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔ (جامع ترمذی)

حضرت جمیلؓ بن معمر جمحی

قریش کے خاندان بنی جمح سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

جمیلؓ بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذیفہ بن جمح قرشی جمحی

بعثتِ نبویؐ کے وقت حضرت جمیلؓ کی عمر ساٹھ ستر برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جو حربِ فجار[1] میں شریک ہو چکے تھے۔ ان کے بھائی حضرت حارثؓ اور خطابؓ بن حارثؓ سب شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر "السابقون الاولون" کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ مگر حضرت جمیلؓ پر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے آبائی مذہب کا رنگ اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بھائیوں بھتیجوں کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔

---

[1] یہ مشہور جنگ سنہ ۲۰ عام الفیل میں ہوئی تھی (ولادتِ نبویؐ کے بیس سال بعد) اس میں ایک طرف بنی کنانہ (بشمول قریش) تھے اور دوسری طرف قیس عیلان (بشمول ہوازن، ثقیف وغیرہ)۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ بنی ہوازن کے ایک سردار عُروۃُ الرَّحال نے حیرہ کے حکمران نعمان بن مُنذِر کے تجارتی قافلے کو اپنی پناہ یا امان میں لے لیا تھا تاکہ یہ قافلہ بازار عُکاظ میں آ سکے۔ بنی کنانہ کے ایک سردار براض بن قیس کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے عروہ سے کہا، کیا تو بنی کنانہ کے مقابلہ میں بھی اس کو امان دے رہا ہے؟ اس نے کہا، ہاں اور تمام دنیا کے مقابلے میں بھی۔ اس پر براض مشتعل ہو گیا اور اس نے بالائی نجد میں تیمن کے مقام پر عُروۃُ الرَّحال کو قتل کر ڈالا۔ قریش کو عکاظ کے بازار میں اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ فوراً حرم کی طرف روانہ ہو گئے مگر بنی قیس عیلان نے تعاقب کر کے انہیں راستے ہی میں جا لیا۔ فریقین میں دن بھر لڑائی ہوتی رہی یہاں تک قریش حدودِ حرم میں پہنچ گئے اور قیس عیلان یہ کہتے ہوئے واپس گئے کہ اگلے سال

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت جمیلؓ بن معمر اپنی سادگیٔ طبع کی بناء پر کوئی بات چھپا کر نہیں رکھ سکتے تھے۔ کوئی نئی بات انہیں معلوم ہوتی تو اسے فوراً دوسرے لوگوں میں پھیلا دیتے تھے۔ ان کی اس عادت کا قریش کے تمام لوگوں کو علم ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں ۶ھ بعد بعثت میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جب سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا[۱] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ سال بھر دونوں فریق لڑائی کی تیاری کرتے رہے اور پھر عکاظ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد قیس عیلان نے ہزیمت اٹھائی۔ آخر طرفین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ جس فریق کے جتنے مقتولین زیادہ ہوں دوسرا فریق ان کی دیت ادا کرے۔

اس لڑائی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس حد تک شریک تھے کہ دشمن کی طرف سے جو تیر آتے تھے آپؐ انہیں اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے۔ عملاً لڑائی میں آپؐ نے کوئی حصہ نہ لیا۔ ابن عبد ربہ کا بیان ہے کہ اس سے پہلے تین مرتبہ اسی نام سے تین لڑائیاں ہو چکی تھیں، اور یہ چوتھی حربِ فجار تھی۔ ابن اثیرؒ کے قول کے مطابق یہ حربِ فجار ثانی تھی۔ اس کو حرب (یا یوم) فجار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ماہِ حرام میں ہوئی تھی۔ چونکہ ماہِ حرام میں لڑنا قریش کے نزدیک فجور تھا اس لیے انہوں نے اس کا نام حربِ فجار رکھ دیا۔

[۱] حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ سب سے مشہور روایت جو ابنِ اسحاقؒ، بزارؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، دار قطنیؒ، ابنِ عساکرؒ ابو نعیمؒ وغیرہ نے تھوڑے بہت لفظی اختلافات کے ساتھ نقل کی ہے، یہ ہے کہ ۶ھ بعد بعثت میں حضرت عمرؓ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے راستے میں انہیں اپنے قبیلے کے ایک صاحب نعیمؓ بن عبداللہ النحّام ملے (وہ مسلمان ہو چکے تھے) انہوں نے پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا، اس شخص کا قصہ تمام کرنے جا رہا ہوں جس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا، "قریش میں کون سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا ہے؟" انہیں بتایا گیا کہ ایسا آدمی جمیل بن معمر بن حبیب جمحی ہے۔ حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے، میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ اس وقت میں اس عمر کا لڑکا تھا کہ جو دیکھتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ حضرت عمرؓ جمیل بن معمر کے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ہم سب کو بے عقل قرار دیا ہے، ہمارے مذہب کی تنقیص کی ہے اور ہمارے معبودوں کی مذمت کی ہے۔

حضرت نُعیمؓ نے کہا، واللہ! اے عمر! تمہارے نفس نے تمہیں گمراہ کیا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے بعد بنی عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔ تم ذرا اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا، میرے کون سے گھر والے؟"

حضرت نُعیمؓ نے کہا، تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید، ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت اختیار کر لی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ بن الارت موجود تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، وہ حضرت فاطمہؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ جب اہلِ خانہ نے حضرت عمرؓ کی آمد محسوس کی تو حضرت خبابؓ گھر کے ایک حصّے میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفے کو چھپا لیا لیکن حضرت عمرؓ نے گھر کے دروازے میں سے حضرت خبابؓ کی قرأت سن لی تھی۔ انہوں نے اندر قدم رکھتے ہی پوچھا، یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو میں نے ابھی سنی ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ نے کہا، تم نے کچھ نہیں سنا۔

حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا، نہیں میں نے سنا ہے۔ واللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے ـــــ پھر انہوں نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پہنچے تو اس سے کہا: ——

"میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی اختیار کر لی ہے۔"

جمیل بن معمر یہ سنتے ہی اپنی چادر گھسیٹتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے چلے اور میں اُن کے پیچھے۔ جب وہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا تو چیخ کر کہا: "قریش کے لوگو!"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اپنے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں بھی مارا جس سے ان کے سر میں زخم آیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ اب دونوں میاں بیوی یک زبان ہو کر بولے، ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں تمہارا جو جی چاہے کر لو۔

بہن کا خون بہتا دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل پسیج گیا اور انہوں نے بہن سے کہا کہ جو صحیفہ تم لوگ پڑھ رہے تھے، مجھے بھی دکھاؤ تا کہ میں دیکھوں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

حضرت فاطمہؓ نے کہا، مجھے ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔ حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر انہیں یقین دلایا کہ میں اسے پڑھ کر تمہیں واپس دے دوں گا۔

حضرت فاطمہؓ نے کہا، بھائی شرک انسان کو نجس کر دیتا ہے اور اس صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا تو حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ انہیں دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھیں تو بول اٹھے، "کیسا عمدہ اور اونچے درجے کا کلام ہے" ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی حضرت خبابؓ بن الارت باہر نکل آئے اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، اے عمرؓ! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعا کا مصداق بننے کے لیے منتخب کر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قریش کے اکابر اس وقت کعبہ کے گرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے، جمیل کی آواز سن کر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے کہا :۔۔۔۔

" سنو! عمرؓ دین سے پھر گیا۔"

حضرت عمرؓ نے پیچھے سے پکار کر کہا۔ " یہ جھوٹ کہتا ہے میں مسلمان ہوا ہوں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لیا ہے۔ میں نے کل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ :

" اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔"

پس اے عمرؓ! اللہ کی طرف آؤ، اللہ کی طرف آؤ۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے کہا، مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضرت خبابؓ نے ان کو بتایا کہ آپؐ اس وقت اپنے چند اصحاب کے ساتھ دارِ ارقم میں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے باندھے ہوئے دارِ ارقم پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک صاحب نے اٹھ کر دروازے کی جھری سے باہر دیکھا تو حضرت عمرؓ نظر پڑے۔ مضطرب ہو کر حضورؐ کو خبر دی۔ سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی (جو تین دن پہلے اسلام لائے تھے) وہاں موجود تھے۔ وہ بڑے بہادر دل والے آدمی تھے۔ انہوں نے کہا، اسے اندر آنے دو اگر وہ نیک ارادے سے آیا ہے تو ہم بھی اس سے حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کو ختم کر دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا، عمرؓ کو اندر آنے دو۔ وہ اندر داخل ہوئے تو حضورؐ نے ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر شدت سے کھینچا اور فرمایا :۔۔۔۔

" ابن خطاب! تمہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ تم باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تم پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے۔"

حضرت [illegible]

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

اس پر لوگ ان کو مارنے لگے اور وہ بھی لوگوں کو مارنے لگے یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ ان کے گرد کھڑے تھے اور وہ اُن سے کہہ رہے تھے، تم جو کر سکتے ہو کر لو۔ اس پر قریش کا ایک معتبر آدمی آگے بڑھا اور اس نے وہاں جمع لوگوں سے پوچھا، کیا معاملہ ہے؟

انہوں نے کہا، عمر دین سے پھر گیا ہے۔

اس نے کہا، تو پھر کیا ہوا؟ ایک آدمی نے جو چیز پسند کی اس کو اپنا لیا اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ بنو عدی اس طرح اپنے آدمی کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اس کو چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔

اس پر لوگ فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

"یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسولؐ، اور رسولؐ کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے "اللہ اکبر" فرمایا اور دارِ ارقم میں موجود تمام اصحاب جان گئے کہ عمرؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے اور مسجدِ حرام میں پہنچ گئے انہیں اس طرح دیکھ کر مشرکینِ قریش کو شدید دھچکا لگا۔ دوسری یہ کہ وہ ابوجہل کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا، "برا ہو تیرا اور اس چیز کا جسے تو لے کر آیا ہے" اور دروازہ بند کر لیا۔ تیسری یہ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع جمیل بن معمر کو دی۔ انہوں نے اسے تمام سردارانِ قریش تک پہنچا

میں نے بعد میں اپنے والد سے پوچھا، وہ شخص کون تھا؟
انہوں نے فرمایا، بیٹے وہ عاص بن وائل سہمی تھا[1]"

(سیرۃ ابن ہشام، طبرانی، بزار)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جمیلؓ کی کوئی راز چھپا کر نہ رکھنے کی عادت کی بنا پر ان کا نام ذوقلبین (دو دلوں والا) رکھا گیا تھا اور یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ (سورۃ احزاب آیہ ۴)
(اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے ہیں)

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ "حضرت جمیلؓ بن معمر فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔" قبول اسلام کے وقت وہ بہت معمر تھے لیکن غزوۂ حنین میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور ایک مشہور مشرک زہیر بن الجر کو قتل کیا۔ یہ بیان ابن اثیرؒ کا ہے۔ (اسد الغابہ)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ جمیل بن معمر فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور زہیر بن الجر کو انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر قتل کیا۔ (الاصابہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت جمیلؓ بن معمر کبر سنی کے باوجود اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت جمیلؓ بن معمر نے خلافتِ فاروقی کے دوران ہی میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر سو برس سے اوپر تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی وفات پر بڑے دکھ اور صدمے کا اظہار فرمایا۔ (الاصابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] عاص بن وائل سہمی، حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر کا باپ تھا افسوس کہ اسے اسلام لانا نصیب نہ ہوا

حضرت جُندُبؓ بن کعب اَزدی

خاندانی تعلق بنو اَزد کی شاخ بنی غامد سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

جُندُب بن کعب بن عبداللہ بن غنم بن جزء بن عامر بن مالک بن ذہل بن ثعلبہ بن ظبیان بن غامد ازدی غامدی۔

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ ہجری) سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک حیات رہے لیکن ان کے بہت کم حالات زندگی معلوم ہیں۔

امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت جُندُبؓ کا قیام کوفہ میں تھا۔ اس وقت ولیدؓ بن عقبہ کوفہ کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ ایک جادوگر ولیدؓ کے پاس آیا اور ان کو اپنے شعبدے دکھلانے لگا۔ وہ ایک آدمی کو (بظاہر) قتل کرتا اور پھر اس کو زندہ کر دیتا۔ لوگ اس شعبدے کو دیکھ کر کہتے "سبحان اللہ یہ شخص مردے کو زندہ کر دیتا ہے۔" اس کے علاوہ وہ ایک اونٹنی کے منہ میں کوئی چیز ڈالتا اور پھر اس کو اس کی شرمگاہ سے نکال لیتا۔

حضرت جُندُب بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تماشائیوں میں موجود تھے۔ انہوں نے لوگوں کو جادوگر کے شعبدوں سے متاثر ہوتے دیکھا تو فوراً اٹھے اور ایک صیقل کی ہوئی تلوار کے ایک ہی وار سے جادوگر کو قتل کر دیا اور کہا، اب تو اپنے آپ کو زندہ کر لے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ

(تو تم آنکھوں سے دیکھتے جادو کی لپیٹ میں کیوں آتے ہو)

چونکہ انہوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر جادوگر کو قتل کیا تھا اس لیے گرفتار کر لیے گئے اور حاکمِ کوفہ ولیدؓ بن عقبہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ انہوں نے ولیدؓ سے کہا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔"

لیکن ولیدؓ نے انہیں (قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی بنا پر) قید کر دیا۔ قید خانے کے داروغہ نے ان کو کثرت سے نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے دیکھا تو وہ ان کے زہد و عبادت سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ان کو رہا کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جندبؓ کے بھتیجے نے قید خانے کے داروغہ کو قتل کر کے انہیں قید خانے سے نکال لیا۔ بہرصورت قید سے رہائی کے بعد حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم چلے گئے اور وہاں مدت تک رومیوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دسویں سال کے اندر وفات پائی۔

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جادوگر کو قتل کرنے کا واقعہ اتنا مشہور ہوا کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کسی سے سنا کہ مختار بن ابی عبید ثقفی نے ایک کرسی بنوائی ہے جس پر بیٹھ کر اپنے ساتھیوں سے ملاقات کرتا ہے اور لوگ اس کے ذریعے سے بارش اور فتح کی دعائیں مانگتے ہیں۔

یہ سن کر انہوں نے فرمایا، قبیلہ ازد کا کوئی جندب کیوں نہیں اس کی خبر لیتا؟

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جہجاہ غفاری رضی اللہ عنہ

علامہ ابن اثیر جزری نے "بعض لوگوں" کے حوالے سے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

جہجاہؓ بن سعید بن سعد بن حرام بن غفار

مگر ان کے والد کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ خود ابن اثیرؒ ہی نے ان کے والد کا نام قیس لکھا ہے۔ ایک اور روایت میں ان کو مسعود کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ قبیلہ کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی اولاد سے تھا اور بنو بکر بن عبد مناۃ کی ایک شاخ تھا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ سے اسّی میل دور بدر کے نواح میں مکہ سے شام جانے والے کاروانی راستے پر آباد تھے۔

ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت جہجاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے لیکن ایک بات ثابت ہے کہ وہ غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری) سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اپنے قبول اسلام کا حال حضرت جہجاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اس طرح بیان کیا ہے۔

"میں اور میرے قبیلے کے چند آدمی قبول اسلام کے ارادے سے (ایک وفد کی صورت میں) (مدینہ منورہ) آئے۔ ہم سب مغرب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اس وقت آپ نماز مغرب پڑھ رہے تھے) جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے (اور اسے اپنا مہمان بنا لے) چنانچہ مسجد میں سوائے میرے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی موجود نہ رہا۔ میں بڑا دراز قامت اور بھاری بھر کم آدمی تھا مجھے ساتھ لے جانے کی کسی کو ہمت نہ پڑی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے گئے۔ آپؐ نے میرے لیے ایک بکری دوہی۔ میں نے وہ سارا دودھ پی لیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے میرے لیے سات بکریاں دوہیں اور میں ان سب کا دودھ پی گیا۔ یہ دیکھ کر اُمِ ایمنؓ[1] نے کہا، "اللہ اسے بھوکا رکھے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج کی رات بھوکا رکھا۔"

---

[1] حضرت اُمِ ایمنؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا نام برکہ تھا اور عرف ام الظباء۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ کی کنیز تھیں جب وہ فوت ہوگئے تو اُمِ ایمنؓ حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں۔ آپؐ کی ولادت باسعادت کے بعد انہوں نے حضورؐ کی کھلائی کی خدمت انجام دی۔ اس کے بعد ننھے حضورؐ کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا گیا۔ کوئی پانچ برس کے بعد انہوں نے یہ مقدس امانت حضرت آمنہ کو واپس کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت آمنہ، حضرت اُمِ ایمنؓ اور ننھے حضورؐ کے ہمراہ یثرب گئیں۔ وہاں ایک ماہ قیام کے بعد مکہ معظمہ کو مراجعت کی مگر ابواء کے مقام پر فوت ہوگئیں۔ اُمِ ایمنؓ ننھے حضورؐ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچیں اور آپؐ کو دادا جناب عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ حضرت اُمِ ایمنؓ وراثۃً بطور کنیز حضورؐ کے حصے میں آئیں لیکن آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔ اُمِ ایمنؓ کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا۔ ان سے ایمنؓ پیدا ہوئے۔ عبید فوت ہوگئے تو آنحضورؐ کے ایماء پر محبوب رسولؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ نے حضرت اُمِ ایمنؓ سے نکاح کر لیا۔ ان سے ۳ھ بعد بعثت میں حِبُّ النبی حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ حضرت اُمِ ایمنؓ بعثتِ نبویؐ کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ (۵ھ بعد بعثت میں)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپؐ نے فرمایا، اے اُمِّ ایمن! خاموش رہو۔ اس نے اپنا رزق کھایا ہے۔ ہمارا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

جب صبح ہوئی اور لوگ چلنے پھرنے شروع ہوئے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ کے اصحاب اور ان کے مہمان سب جمع ہوئے تو (مہمانوں میں سے) ہر آدمی نے اس شئے کا ذکر کیا جس سے اس کی تواضع کی گئی تھی۔ میں نے کہا، میرے لیے سات بکریاں دوہی گئیں اور میں نے ان ساتوں کا دودھ پی لیا اور (اس کے علاوہ میرے لیے) ایک ہانڈی پکائی گئی۔ میں نے اسے بھی صاف کر دیا۔ (اس کے بعد ہم نے اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی بیعت کی) شام ہوئی تو نمازِ مغرب کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کے مطابق صحابۂ کرام ایک ایک آدمی کو اپنے اپنے گھر لے گئے۔ مجھے آج بھی آپؐ نے اپنا مہمان بنایا۔ آپؐ نے میرے لیے ایک بکری دوہی۔ میں اسی ایک بکری کا دودھ پی کر سیراب ہو گیا اور میرا پیٹ بھر گیا۔ حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! کیا یہ ہمارا وہی مہمان نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں وہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلی گئیں۔ (بروایت دیگر وہ غزوۂ اُحد سے پہلے حبش سے مدینہ منورہ واپس آئیں) آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت اُمِّ ایمنؓ کی بہت عزت و تکریم کیا کرتے تھے اور انہیں امی کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی اور مدد فرماتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت اُمِّ ایمنؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے طویل عمر پا کر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، آج کی رات اس نے مومن کی آنت میں کھانا ڈالا ہے، اور اس سے پہلی شب کو کافر کی آنت میں کھانا ڈالا تھا۔ کافر سات آنت میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں۔
(طبرانیؒ، ابونعیمؒ، ابن ابی شیبہ، ابن حجرؒ، بزارؒ)

اس روایت سے دو باتیں صاف ظاہر ہیں، ایک یہ کہ حضرت جہجاہؓ بڑے ڈیل ڈول اور قد کاٹھ کے آدمی تھے اور دوسری یہ کہ انہوں نے ہجرتِ نبویؐ کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت جہجاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور وہ ان کا گھوڑا سنبھالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

شعبان ۵ھ ہجری میں غزوۂ بنی المُصطَلِق پیش آیا۔ اس میں حضرت جہجاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ بنو مُصطَلِق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملے کے ارادے سے ایک بڑی جمعیت فراہم کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ صحابہؓ کی ایک معقول جمعیت کے ہمراہ بنو مصطلق کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے اور مُرَیسیع نامی ایک کنوئیں (یا چشمے) کے قریب پڑاؤ ڈالا، جس کے نواح میں بنو مصطلق آباد تھے۔ آپؐ نے پہلے تو ان کو دعوتِ اسلام دی اور شر انگیزی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی لیکن جب وہ نہ مانے تو مسلمانوں نے ان پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور اپنے دس آدمی مروا کر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی شکست کے بعد لشکرِ اسلام مُرَیسیع سے متصل بستی میں چند روز کے لیے ٹھہر گیا۔ وہاں کے اثنائے قیام میں ایک دن بدقسمتی سے حضرت جہجاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری

حضرت سنانؓ بن وبرالجہنیؓ[1] پانی پر آپس میں جھگڑ پڑے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے اور جہجاہؓ نے سنانؓ کو ایک لات رسید کر دی۔ (بقول ابن اثیر انہوں نے سنانؓ کی نشست گاہ میں طمانچہ مار دیا)

انصار کے نزدیک اس طرح کسی سے ضرب کھانا سخت ننگ اور عار کی بات تھی۔ چنانچہ حضرت سنانؓ نے اپنی مدد کے لیے انصار کو پکارنا شروع کر دیا۔ حضرت جہجاہؓ نے اس کے جواب میں مہاجرین کو آواز دی کہ میری مدد کو پہنچو انصار مجھے مارے ڈالتے ہیں۔ دونوں کی پکار سن کر بہت سے انصار اور مہاجرین تلواریں سونت کر نکل آئے (تاکہ جس نے ان کو پکارا ہے اس کی مدد کریں)۔ قریب تھا کہ انصار اور مہاجرین آپس میں لڑ پڑتے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سمع مبارک تک شور کی آواز پہنچ گئی۔ آپؐ فوراً اپنے خیمے سے نکل کر فریقین کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ؟ مَا لَكُمْ وَلِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ ؟ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ

(یہ جاہلیت کی پکار کیسی ؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی دہائی کیسی ؟ اسے چھوڑ دو۔ یہ بڑی گندی چیز ہے)۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد سن کر دونوں طرف کے کچھ اصحاب نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا اور حضرت سنانؓ نے حضرت جہجاہؓ کو معاف کر کے صلح کر لی۔[2]

---

[1] حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اصلاً بنو جُہَیْنَہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ مدینہ منوّرہ میں خزرج کی ایک شاخ کے حلیف تھے اس لیے ان کو بھی انصاری کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام وبرہ بھی آیا ہے۔

[2] لشکرِ اسلام میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ اور کچھ دوسرے منافقین بھی موجود تھے ان پر یہ بات سخت شاق گزری کہ یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ وہ باہم سر جوڑ کر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غزوۂ بنی المصطلق کے بعد ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز واقعہ پیش آیا۔ اس موقع پر بھی حضرت جہجاہ رضی اللہ عنہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ وہ بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کر کے اصحاب الشجرہ کی اس خوش بخت جماعت میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(ترجمہ) اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبی) تم سے بیعت کر رہے تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جو غزوات پیش آئے، ان میں سے کون سے غزوات میں حضرت جہجاہؓ شریک ہوئے، اہلِ سیر نے اس کی تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ان میں سے بیشتر غزوات میں شریک ہوئے ہوں گے۔ ان کی مستقل سکونت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) — بیٹھے تو عبداللہ بن اُبَی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

" یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے اگر تم مہاجرین کی حمایت اور مدد سے ہاتھ کھینچ لو، تو وہ تنگ آ کر خود ہی مدینہ چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم مدینے واپس جا کر ہم سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو شہر بدر کر دے گا۔"

اس موقع پر اتفاق سے ایک سچے مسلمان حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔ عبداللہ بن اُبَی کی خرافات سن کر ان کا خون کھول اٹھا۔ وہ دوڑے دوڑے اپنے چچا حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور سارا واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ ان کو بڑی غیرت آئی۔ فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن اُبَی نے جو بکواس کی تھی اس کا ذکر کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن ارقم کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو اپنے چچا سے کہہ چکے تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مدینہ منورہ میں تھی اس لیے اہلِ مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔
ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے اواخر میں حضرت جہجاہؓ کو امیرالمومنین سے شدید اختلافات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، شاید تم عبداللہ بن اُبی سے ناراض ہو یا ہو سکتا ہے تم سے سننے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو۔
حضرت زیدؓ نے قسم کھا کر کہا، "یا رسول اللہ! میں نے فی الواقع عبداللہ بن اُبی کے منہ سے یہ باتیں سنی ہیں۔"
اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو بلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ایسی باتیں ہرگز نہیں کہیں، یہ لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔
انصار کے بعض بزرگوں کو اس کی قسموں پر یقین آگیا اور وہ حضرت زیدؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے خواہ مخواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن اُبی کی شکایت کی ہے۔
اس پر حضرت زیدؓ سخت رنجیدہ ہوئے اور دل گرفتگی کے عالم میں اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔
اُدھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، "یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس منافق (ابن اُبی) کی گردن اڑا دوں اور اگر آپ یہ مناسب نہ سمجھیں تو انصار میں سے کسی کو حکم دیں کہ وہ اس کا قصہ پاک کر دیں۔"
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "نہیں ایسا مت کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔"
ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد عبداللہ بن اُبی کے فرزند عبداللہؓ جو نہایت مخلص صحابی تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
"یا رسول اللہ! میرے باپ نے آپ کو ذلیل کہا، خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے اگرچہ میں اپنے باپ کا اطاعت گزار ہوں لیکن آپ حکم دیں تو ابھی جا کر اس کا

پیدا ہو گئے تھے۔ ایک دن امیرالمومنین خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت جہجاہؓ نے ان کے ہاتھ سے عصا لے لیا اور اسے توڑ ڈالا۔۔ اس واقعہ کے بعد ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سر قلم دیتا ہوں۔ دوسرا کوئی قتل کرے گا تو شاید میرے دل میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو جائے اور میری آخرت برباد ہو جائے۔"

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ پھر آپؐ نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورہ مُریسیع کے پڑاؤ میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ واپسی کے سفر کے دوران میں نازل ہوئی۔ تیسری روایت کے مطابق حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ اس میں عبداللہ بن اُبَی کی خرافات کی طرف واضح طور پر یوں اشارہ کیا گیا۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(المنافقون آیہ ۸)

(ترجمہ) یہ (منافق) کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے مگر یہ منافق نہیں جانتے۔

اس سورۃ کے نازل ہوتے ہی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت زیدؓ بن ارقم کو بلایا اور ہنستے ہوئے ان کا کان پکڑ کر فرمایا، لڑکے کا کان سچا تھا۔

لشکرِ اسلام جب مدینہ واپس پہنچا تو عبداللہ بن اُبَی کے غیرت مند فرزند عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ باپ کی سواری کے آگے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

"تم اقرار کرو کہ میں ذلیل ہوں اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عزت والے ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

گھٹنے میں مرض آکلہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے امیر المؤمنینؓ کی شہادت کے کوئی ایک سال بعد (۳۶ھ ہجری میں) وفات پائی۔

حضرت جہجاہؓ سے یہی ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔
(مطلب یہ کہ مومن بسیار خور نہیں ہوتا)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ورنہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر تمہیں مدینہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دوں گا۔"

اس پر ابن اُبی نے بہت واویلا مچایا کہ دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہلا بھیجا کہ اپنے باپ کو گھر آنے دو جب تک یہ ہم میں موجود ہیں ہم ان سے حسنِ سلوک ہی سے پیش آئیں گے۔

عبداللہؓ بن عبداللہ نے ارشادِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور یوں ابن اُبی مدینے میں داخل ہو سکا۔

حدیثِ نبوی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کے دربار میں سچی بات کہنا، یہ بھی ایک جہاد ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت جہمؓ بن قیس عبدری

سیدنا حضرت جہمؓ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں جو دعوتِ حق کے ابتدائی تین سالوں کے اندر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور یوں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔

حضرت جہم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق قریش کی شاخ "بنی عبدالدار" سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

جہمؓ بن قیس بن عبداللہ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبدِ مناف بن عبدالدار بن قصی۔

بعض نے ان کا نام جہیم لکھا ہے لیکن جمہور نے جہم ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔

والدہ کا نام رہیمہ تھا۔ ابن اثیرؒ کے قول کے مطابق حضرت جہم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی کنیت ابو خزیمہ تھی۔ ان کے قبولِ اسلام کے ساتھ ان کی اہلیہ اُمِّ حرملہؓ بنتِ عبدالاسود خزاعیہ اور دو بیٹے عمروؓ اور خزیمہؓ بھی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔

سنہ ۶ بعدِ بعثت میں مظلوم مسلمانوں کے جس قافلے نے (ہجرتِ حبشہ ثانیہ میں) مکہ سے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت جہم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اپنی اہلیہ اور دونوں بیٹوں سمیت اس میں شامل تھے۔ وہ حبش میں تقریباً تیرہ سال تک مقیم رہے۔ اس دوران میں ان کی اہلیہ حضرت اُمِّ حرملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہیں وفات پائی اور سرزمینِ حبشہ کو ان کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مہاجرینِ حبشہ میں سے تقریباً چالیس مرد اور خواتین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

کی ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ سے واپس مکہ آ گئے، اور پھر ہجرت مدینہ کا اذن ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ باقی مہاجرین غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساحلِ حبشہ سے دو کشتیوں میں سوار ہو کر ساحلِ حجاز پر پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ ان پر شوقِ لقا کا اس قدر غلبہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کرنا گوارا نہ ہوا اور مدینہ منورہ سے سیدھے خیبر پہنچے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ہر ایک سے معانقہ فرمایا اور سب کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔ ان اصحاب میں حضرت جہم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں بیٹے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کا تختہ الٹ دے، تو جبرائیل نے عرض کی کہ اے میرے رب! اس شہر میں تیرا فلاں بندہ رہتا ہے جس نے ایک لمحہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کا تختہ بھی الٹ اور دوسرے شہریوں کا بھی۔ اس لیے کہ میری نافرمانیوں کو دیکھ کر کبھی اس کے ماتھے پر بل بھی نہیں آیا۔

(شعب الایمان۔ مشکوٰۃ شریف)

حضرت حارث رضؓ بن اَوس انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان "زعوراابن جشم" کے چشم وچراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
حارث رضؓ بن اوس بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعورا
بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔
زعورا عبدالاشہل کا بھائی تھا اس لیے اس خاندان کو لوگوں کو عبدالاشہل
کے بھائی کہا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ان کو عبدالاشہل ہی میں شمار کر لیا جاتا ہے۔
حضرت حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ اُحُد (سنہ ہجری) سے
پہلے سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اور سب سے پہلے اسی غزوے میں دادِ شجاعت
دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم
صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم رکاب رہے۔
خلیفۃ الرسول سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت
میں فتنۂ ارتداد کے استیصال کے بعد شام پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت حارث
بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور جنگ
اجنادین میں رومیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے اٹھائیس جمادی الاولیٰ
سنہ ہجری کو رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔
ان کے دو بھائیوں حضرت مالک اور حضرت عمرؓ کو بھی شرفِ صحابیت
حاصل ہے۔ یہ دونوں بھی اُحُد اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں
شریک تھے۔ حضرت مالکؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہٗ
جسرِ ابی عبید (سنہ ۱۴ ہجری) میں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت حارثؓ بن عبداللہؓ مازنی انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی مازن بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:

حارثؓ بن عبداللہؓ بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول
بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج
مازنی انصاری۔

ایک روایت میں کعب کو مالک بن عمرو بن عوف کا بیٹا بتایا گیا ہے لیکن بیشتر اربابِ سیر نے مالک کا نام نہیں لیا اور کعب کو عمرو بن عوف کا بیٹا بتایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت حارثؓ کے والد حضرت ابوالحارث (بروایتِ دیگر ابو یحییٰ) عبداللہؓ بن کعب کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات و مشاہد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ وہ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مالِ غنیمت کی حفاظت پر مامور تھے اور بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خمس پر متعین رہے۔

انہوں نے سنہ ۳۰ ہجری میں وفات پائی۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پہلی بار بیعتِ رضوان (ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری) کے سلسلے میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ وہ اس بیعت میں شریک ہوئے اور یوں اصحاب الشجرہ کی مقدس جماعت کے رکن بنے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کو کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عہدِ رسالت کے باقی غزوات و مشاہد (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک) میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے عہدِ حکومت میں واقعۂ حرہ میں شہادت پائی۔ یہ واقعہ ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ ہجری کو پیش آیا۔ اس واقعہ میں قریش اور انصار کے اور بھی بہت سے اکابر و اشراف مسلم بن عقبہ مُرّی کی فوج کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ واقف ہیں۔

آپ نے فرمایا: "غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر ایسے ڈھنگ سے کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے"

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اگر ایسا ہو کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ واقعی میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی؟

آپ نے فرمایا: "اگر وہ بات جو تو کہہ رہا ہے اس کے اندر موجود ہو تو یہ غیبت ہوگی اور اگر یہ اس کے اندر نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حارث رضؓ بن عَتیک انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنی نجّار کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
حارثؓ بن عتیک[1] بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجار —— ان کی کنیت ابو اخزم تھی۔

ہجرتِ نبوی کے آس پاس کے زمانے میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اس کے بعد عہدِ رسالت کے [illegible] سارے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو عبید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ عراقِ عرب کی (پہلی) مہم کے قائد مقرر ہوئے تو حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور معرکۂ جسر (یا جسرِ ابی [illegible]) [illegible] ۱۴ھ میں ایرانیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت سہل (بقولِ بعض سہیل) بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے —— وہ بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعدِ بعثت) میں بھی شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ان کی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں —— رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت حارثؓ بن عتیک نام کے ایک اور انصاری صحابی بھی ہیں۔ وہ بھی اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے لیکن ان کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنی معاویہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: —— حارثؓ بن عتیک بن قیس بن حارث بن ہیشہ بن حارث بن امیہ بن زید بن معاویہ بن مالک بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔
یہاں جن حارث بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کی شاخ بنی نجار سے تھا۔

حضرت حارثؓ بن عدی انصاری

ان کے خاندان اور سلسلۂ نسب کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض ان کو قبیلہ خزرج سے بتاتے ہیں اور بعض اوس سے۔ ابن اثیرؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے: حارث بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ انصاری معاویؓ (اسد الغابہ)

لیکن بعض دوسرے اہل سیر نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

حارثؓ بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن عوف بن خزرج خزرجی[۲]

حضرت حارثؓ اور ان کے تین بھائی حضرت ثابتؓ، حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت سہلؓ چاروں سعادت اندوز اسلام ہوئے اور چاروں ہی نے غزوۂ احد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف کیا۔ حضرت حارثؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ دونوں بھائی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جنگ جسر (۱۳ھ) میں شہید ہوئے[۳]۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ احد کے علاوہ عہد رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

حضرت ثابتؓ کے زمانۂ وفات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔

حضرت سہلؓ بن عدی نے تاریخ میں بڑا نام پایا۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں انہوں نے کرمان اور اس سے متصل بلوچستان کے پہاڑی علاقے فتح کیے۔ ان کا سال وفات بھی معلوم نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] حضرت حارثؓ کے بھائی حضرت ثابتؓ کے ترجمہ میں ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے: ثابت بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو اوسی معاویؓ

[۲] خلافت راشدہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوری۔ ترجمہ حضرت سہلؓ بن عدی

[۳] جنگ جسر حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ کی قیادت میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی۔ عہد فاروقی کی یہ واحد جنگ ہے جس میں تدبیر کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ تاہم اگلے سال انہوں نے بویب کی لڑائی میں ایرانیوں کو عبرتناک شکست دے کر اس ہزیمت کا بدلہ لے لیا۔

حضرت حارثؓ بن عوف مُرّی

قبیلہ غطفان کے بطن بنو مُرّہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
حارثؓ بن عوف بن ابی حارثہ بن مُرّہ بن نشبہ بن غیظ بن مُرّہ بن عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان مُرّی غطفانی
ذبیان کے نام کی نسبت سے انہیں ذبیانی بھی کہا جاتا ہے۔
اپنے قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کی لڑائیوں داحس اور غبراء میں اپنے قبیلے کا جھنڈا انہی کے پاس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ان لڑائیوں میں کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ بعد میں انہوں نے متحارب فریقوں میں صلح کی کوشش کی اور اپنے مال سے متعدد مقتولوں کا خون بہا ادا کیا۔ اس پر شعراء نے ان کی تعریف میں قصائد کہے۔
غزوۂ احزاب (۵ھ ہجری) میں مشرکین کے متحدہ لشکر میں وہ بھی شامل تھے اور اس لشکر کے سرداروں میں ایک سردار تھے۔ لیکن اس کے بعد جنگ خیبر میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غطفان کے ساتھ شامل ہو کر یہود کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔
۹ھ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حارثؓ بن عوف کو ہدایت نصیب فرمائی اور وہ اپنے قبیلے کے بارہ آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئے۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ یہ تیرہ (۱۳) رکنی وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے سرفراز ہوا۔
اثنائے گفتگو میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثؓ

سے پوچھا:[1] ــــــــ "تمہارے علاقے کا کیا حال ہے؟"
انہوں نے عرض کیا:
"یارسولؐ اللہ! ہمارا علاقہ آج کل خشک سالی کا شکار ہے۔ آپ ہمارے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خشک سالی سے نجات دے۔"
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دُعا کی:
اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ (الٰہی انہیں بارش سے سیراب کر)
جب یہ وفد مدینہ منوّرہ سے رخصت ہونے لگا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو مُرّہ کا امیر مقرر فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کی طرف سے قائدِ وفد حضرت حارثؓ کو بارہ اوقیہ اور دوسرے ارکانِ وفد میں سے ہر ایک کو دس دس اوقیہ چاندی بطورِ عطیہ دیں۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔
جب یہ اصحاب اپنے وطن پہنچے تو معلوم ہوا کہ جس دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی اسی دن ان کا علاقہ بارش سے سیراب ہو گیا تھا۔

---

[1] ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام اور بیعت کے بعد حضرت حارثؓ بن عوف نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! ہم لُؤیّ بن غالب کی اولاد میں یوں قریش سے ہمارا قریبی تعلق ہے آپؐ نے متبسّم ہو کر فرمایا، تمہارے اہل و عیال اب کہاں مقیم ہیں؟
انہوں نے عرض کیا، سلاح اور اس کے نواح میں۔
اس روایت کی صحت اس بنا پر محلِ نظر ہے کہ بنو غطفان (بنو ذبیان یا بنو مرّہ) لُؤیّ بن غالب کی اولاد سے نہیں تھے بلکہ قیس عیلان بن مُضَر بن نزار بن مَعَد بن عدنان کی اولاد سے تھے۔ یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی اور حارث بن عوف ہوں جو لُؤیّ بن غالب کی اولاد سے ہوں لیکن دوسرے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ انہی حارثؓ بن عوف مُرّی کے متعلق ہیں پھر کُتبِ سِیَر میں بھی کسی دوسرے حارث بن عوف مُرّی کا ذکر نہیں آتا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک انصاری کو حضرت حارث بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ بنو مُرّہ کے بعض شریروں نے ان کو شہید کر ڈالا اور حضرت حارثؓ ان کو نہ بچا سکے۔ یہ خبر مدینہ مُنوّرہ پہنچی تو شاعرِ رسول حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے یہ شعر کہے:

یَا حَارِ مَنْ یَغْدِرْ بِذِمَّةِ جَارِهٖ | مِنْکُمْ فَاِنَّ مُحَمَّدًا لَا یَغْدِرُ
وَاَمَانَةُ الْمُرِّیِّ مَا اسْتَوْدَعْتَهٗ | مِثْلُ زُجَاجَةٍ صَدْعُهَا لَا یُجْبَرُ

(ترجمہ)

(اے حارث تم میں سے جو شخص اپنے پڑوسی کی حفاظت میں بدعہدی کرتا ہے (وہ سمجھ لے) کہ محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) بدعہدی نہیں کرتے۔

تم نے قبیلہ مُرّہ کی امانت اچھی طرح نہ رکھی۔ شیشہ کی طرح اس کی شکست جڑ نہیں سکتی)

اس سانحہ پر حضرت حارثؓ کو سخت ندامت ہوئی وہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور بار بار اپنی ندامت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، یہ واقعہ ابنِ فریعہ کی شرارت کی وجہ سے ہوا۔ واللہ (وہ اتنا شریر ہے کہ) اگر دریا میں اس کی شرارت ملا دی جائے تو سارا دریا خراب ہو جائے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کا عُذر قبول کر لیا اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو ہدایت فرمائی کہ حارث کو چھوڑ دو (ان کی ہجو نہ کرو)۔ انہوں نے عرض کیا ——— "میں نے چھوڑ دیا۔"

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے واپس جا کر اپنی طرف سے شہید انصاری کی دیت میں ستّر اونٹ بھیجے جو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبول فرما لیے اور شہید انصاری کے وارثوں کو دے دیئے۔

حضرت حارث بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مزید حالات کُتبِ سیر میں نہیں ملتے اور نہ ان کا سالِ وفات ہی معلوم ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت حارثؓ بن نعمان بن اساف انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
حارثؓ بن نعمان بن اُساف بن عبد بن عوف (بروایتِ دیگر عبدِ عوف) بن عنم بن مالک بن نجار۔

عدویؒ کے بیان کے مطابق وہ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور مابعد کے مشاہد میں حاضر تھے۔ ۸ھ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جو لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا، حضرت حارثؓ بن نعمان بھی اس میں شامل تھے۔ دشمن سے اس لشکر کی مڈبھیڑ مُوتہ کے مقام پر ہوئی۔ حضرت حارثؓ نے اسی لڑائی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔ جنگِ مُوتہ میں ان کی شہادت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ وہ شخص بیٹھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس شخص کے لیے) دس (نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ۔ آپؐ نے اس کو سلام کا جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا (اس کے لیے) بیس (نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور شخص آیا اور کہا،
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ آپ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا (اس کے لیے) تیس (نیکیاں لکھی گئیں)۔

([illegible])

حضرت حارثؓ بن نوفلؓ ہاشمی

قریش کی معزز ترین شاخ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے اور رشتے میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بھتیجے ہوتے تھے کیونکہ ان کے والد نوفلؓ آنحضورؐ کے چچازاد بھائی تھے[1] نسب نامہ یہ ہے:

حارثؓ بن نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصیّ قرشی ہاشمی۔

غزوۂ بدر کے بعد اپنے والد حضرت نوفلؓ کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اربابِ سیر نے حضرت نوفلؓ کے بارے میں تو صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ غزوۂ خندق کے زمانے میں یا فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے لیکن حضرت حارثؓ کے بارے میں کسی نے وضاحت نہیں کی کہ وہ کب مدینہ گئے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جدہ کا حاکم بنایا تھا۔ اس وجہ سے وہ غزوۂ حنین میں شریک

---

[1] حضرت نوفلؓ بن حارث کو قبولِ اسلام سے پہلے بھی آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت تھی مگر وہ غزوۂ بدر تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کے لشکر میں شامل تھے۔ مشرکین کو شکست ہوئی تو وہ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا، نوفل! فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا، میرے پاس فدیے کے لائق کوئی شے نہیں۔ آپ نے فرمایا، جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گئے کیونکہ ان نیزوں کا علم انہی کو تھا۔ ایک ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے۔ اور ساتھ ہی مشرف بہ ایمان ہو گئے۔ غزوۂ خندق یا فتح مکہ کے زمانے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ اس کے بعد فتح مکہ، غزوۂ حنین اور طائف میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ فاروق کے سریرآرائے خلافت ہونے کے پندرہ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نہ ہو سکے۔ (فتح مکہ میں وہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے)

حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شادی ہند بنت ابی سفیانؓ بن حرب بن امیہ) سے ہوئی تھی۔ وہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان کی بہن تھیں۔ اس نسبت سے حضرت حارثؓ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم زلف تھے۔ آپؐ کی وفات سے دو سال پہلے حضرت ہندؓ کے بطن سے حضرت حارثؓ کے بیٹے عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ انہیں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے اپنے دہن مبارک میں چھوہارہ چبا کر ان کے تالو میں لگا دیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ عنہما کو مکہ کا حاکم بنایا تھا لیکن علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا وہم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دور خلافت میں مکہ کے حاکم حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔ حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جدہ کی امارت سے سبکدوش کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے پھر ان کو حاکم بنایا۔ کچھ عرصہ بعد وہ بصرہ چلے گئے جہاں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانۂ امارت میں اپنا مکان (گھر) بنا لیا تھا۔ لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ عنہما، خلافت فاروقی کے اواخر میں فوت ہو گئے تھے۔ اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ان کو حاکم بنانا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بصرہ آباد ہونے کے بعد وہ مدینہ سے بصرہ چلے گئے ہوں۔ بعض لوگوں کا قول یہ بھی ہے کہ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اس صورت میں حضرت عثمانؓ کے انہیں حاکم بنانے اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ امارت میں ان کے بصرہ مکان بنانے والی روایت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَحْیَائِنَا وَاَمْوَاتِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَبْدُكَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ فَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ۔ [1]

میں نے عرض کیا، (یا رسول اللہ!) اگر ہم بھلائی نہ جانتے ہوں؟

آپؐ نے فرمایا تو پھر جو بات تم نہ جانتے ہو وہ نہ کہو۔

(اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اے اللہ ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے اور ہمارے مابین صلح پیدا کر دے اور ہمارے دلوں میں الفت پیدا کر دے۔ اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور ہم (اس کے متعلق) بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے اور تو اس کے بارے میں سب سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔ اس کو بھی بخش دے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے وہی بہرہ مند ہوں گے جنہوں نے سچے دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت حارثہؓ بن قطن کلبی

ان کا تعلق بنو کلب کی شاخ بنی جناب سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
حارثہؓ بن قطن بن زابر بن کعب بن حصن بن علیم بن جناب بن ہبل بن عبداللہ بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید لات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

حضرت حارثہؓ بن قطن کا قبیلہ دُومۃ الجندل، تبوک اور اطراف شام میں آباد تھا۔ یہ لوگ رومیوں سے میل جول رکھنے کی وجہ سے حلقہ بگوش نصرانیت ہو گئے تھے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ فتح مکّہ کے کوئی ایک سال بعد حضرت حارثہ بن قطن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے ایک اور آدمی ابن سعدانہؓ کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ چند دن مدینہ منوّرہ میں قیام کے بعد جب وہ وطن کے لیے روانہ ہونے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان عطا فرمایا جس کا مضمون یہ تھا:

"یہ دستاویز محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے دُومۃ الجندل کے باشندوں اور ان کے نواح میں حارثہ بن قطن اور ان کے ساتھ کلب کے جو لوگ رہتے ہیں، اُن کے لیے ہے۔

ہمارے لیے بارانی زمین اور تمہارے لیے کھجور کے درختوں والا اندرونی حصہ ہے۔ جاری پانی والی زمین پر عشر اور کھیے سے پانی والی زمین پر نصف عشر ہے۔ تمہارے مویشی جمع نہ ہوں اور نہ تمہاری بکریوں پر ظلم ہو۔

نماز وقت پر پڑھا کرو اور زکوٰۃ اپنے حق کے موافق ادا کیا کرو۔ تمہارے لیے گھاس وغیرہ (کاٹنے) کی ممانعت نہیں اور نہ تم سے تمہارے سامان پر عشر لیا جائے گا۔ تم پر لازم ہے کہ اپنے عہد و میثاق کی پابندی

کردو اور ہم پر لازم ہے کہ تمہاری خیر خواہی کریں اور وفا کا حق ادا کریں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری کو پورا کرنا لازم ہے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں میں سے جو لوگ حاضر ہیں وہ گواہ ہیں۔"

(طبقات ابن سعد)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت حارثہؓ بن قطن اپنے بھائی حصن بن قطن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وفد کی صورت میں بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے (بطورِ خاص یہ تحریر لکھوائی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر ہے محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے حارثہ اور حصن فرزندانِ قطن کے نام

کہ قبیلہ بنی جناب کی افتادہ زمین میں جاری پانی سے جو پیدا وار ہو اس پر (پورا) عشر ہے اور آبِ باراں سے جو پیداوار ہو اس پر نصف عشر ہے۔ قبیلہ کلب کی تمام آبادی کے لیے یہی حکم ہے۔"

حضرت حارثہ بن قطن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میری شفاعت میری اُمت کے اُن لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ (ترمذی وابی داؤد)

حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری

ان کے نسب نامہ کے بارے میں اہلِ سیر میں اختلاف ہے ۔ امام ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ وہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنی ثعلبہ سے تھے اور ان کا نسب نامہ یہ تھا:

حارثہؓ بن نعمان بن رافع بن زید بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک

ابن ماکولاؒ نے بھی ابن اسحاقؒ کی موافقت کی ہے ۔ مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں حضرت حارثہؓ بن نعمان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

حارثہؓ بن نعمان بن نفع بن زید بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار

کلبی نے ان کی موافقت کی ہے ۔ موسیٰ بن عقبہؒ نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں خزرج کی شاخ بنی نجار سے حارثہؓ بن نعمان شریک تھے ۔ حضرت حارثہؓ کے دادا کا نام بعض روایتوں میں (نفع کے بجائے نفع اور نفیع بھی آیا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت حارثہؓ بن نعمان کی کنیت ابو عبداللہ تھی ۔ ان کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے ۔ وہ ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور حق کے جانباز سپاہی بن گئے ۔

ہجرت کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات و مشاہد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا ۔ غزوۂ حنین میں وہ اُن اصحاب میں شامل تھے جو دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ میں بھی ثابت قدم رہے اور میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دن) حارثہ بن نعمان کا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا (اس وقت) آپؐ کے پاس جبرئیلؑ بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ ان کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں

کر رہے تھے۔ حارثہؓ نے آپؐ کو سلام نہیں کیا۔ جبرئیلؑ نے کہا، انہوں نے سلام کیوں نہیں کیا۔ (اس کے بعد جب حضرت حارثہؓ کی ملاقات حضورؐ سے ہوئی) تو آپؐ نے حارثہ سے پوچھا کہ جب تم اس طرف سے گزرے تو تم نے سلام کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا، میں نے آپؐ کے پاس ایک شخص کو دیکھا۔ آپ اس سے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کی گفتگو میں دخل دوں۔ (آپ کی بات کو قطع کروں)۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم نے اس شخص کو دیکھا، انہوں نے عرض کیا، جی ہاں۔ حضورؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، آگاہ رہو وہ جبرئیلؑ تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ شخص سلام کرتا تو میں اسے جواب دیتا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ شخص (اسّی) لوگوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے تھے کہ میں نے جبرئیل سے پوچھا، اسّی کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ (ایک موقع پر) اسّی آدمیوں کے سوا سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ جائیں گے (یعنی آپ کو اکیلا چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جائیں گے۔)[1]

اور اس کا رزق اور اس کی اولاد کا رزق جنت میں اللہ کے ذمہ ہے۔ جبرئیل کی

---

[1] یہ غزوہ حنین کی طرف اشارہ ہے مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ اہل خبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے اصحاب کی تعداد بہت کم بتائی ہے (اسّی سے کہیں کم) اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے تیر دن کی بوچھاڑ سے مسلمانوں میں جو انتشار پھیلا اس میں ثابت قدم اصحاب کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ بعض مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب (آگے پیچھے دائیں بائیں) رہے اور بعض میدان جنگ میں ادھر ادھر بکھر کر ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے (انہوں نے میدان نہیں چھوڑا) ان سب کی تعداد ملا کر اسّی ہو سکتی ہے، البتہ دوسرے لوگ وقتی طور پر میدان چھوڑ گئے تھے۔

یہ سب باتیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حارثہؓ کے سامنے بیان فرمائیں۔
علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں جہاں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث (جو نقل کی گئی ہے) درج کی ہے وہاں حضرت عبداللہؓ بن عامر بن ربیعہ سے مروی یہ حدیث بھی نقل کی ہے:

"حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے حارثہؓ بن نعمان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا، میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے ہو کر گزرا۔ آپؐ کے پاس جبرئیلؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا اور نکل گیا۔ پھر میں جب لوٹا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی فارغ ہوئے تو آپؐ نے (مجھ سے) فرمایا، تم نے اس شخص کو دیکھا تھا جو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔
آپؐ نے فرمایا، وہ جبرئیلؑ تھے انہوں نے تمہارے سلام کا جواب بھی دیا۔"

ابنِ اثیرؒ نے یہ نہیں لکھا کہ ان میں سے کس حدیث کی اسناد قوی ہیں۔
حضرت حارثہؓ زندگی کے آخری دَور میں نابینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک رسی اپنے مصلّے سے دروازے تک باندھ دی تھی وہ اپنے پاس ایک تھیلا رکھے رہتے تھے جس میں چھوہارے بھرے ہوتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا اور سلام کرتا تو وہ اس رسی کو پکڑ کر مصلّے سے دروازے تک آتے اور سائل کو اپنے ہاتھ سے چھوہارے دیتے۔ ان کے گھر والے بہتیرا کہتے کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں ہم آپ کی یہ خدمت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر وہ یہ بات منظور نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے کہ مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بُری موت سے بچاتا ہے۔
حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں البتہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عہدِ رسالت

کے اواخر میں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی) وفات پا چکے تھے۔
امام زہری ؒ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (ایک مرتبہ) جنت میں گیا تو میں نے (کسی شخص کے) پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے تو کسی نے کہا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب کو اسی طرح نیکی کرنی چاہیے (جیسی حارثہ بن نعمان کرتے تھے) وہ اپنی والدہ کی بہت اطاعت کیا کرتے تھے۔ (اسُدُ الغابہ)

امام احمد بن حنبل ؒ نے اپنی مُسنَد میں یہ روایت اس طرح بیان کی ہے:
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ وہاں میں نے ایک پڑھنے والے کی آواز سنی کہ وہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا، یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ میں نے کہا کہ ماں کی اِطاعت ایسی ہی کرنا چاہیے (یعنی یہ درجہ ان کو ماں کی اطاعت کی وجہ سے ملا ہے)۔"

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ پر خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، "تمہاری ماں کا۔ میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا۔ اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔"
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن قیظی اشہلی انصاری

بعض نے ان کا نام جباب لکھا ہے۔ اوس کے معزز خاندان بنی عبدالاشہل سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

حباب رضی اللہ عنہ بن قیظی بن عمرو بن سہل بن مخرمہ بن قلیع (قلع) بن جریش بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو (نبیت) بن مالک بن اوس اشہلی اوسی۔

والدہ کا نام صعبہ بنت تیہان (بن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعورا بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) تھا۔ وہ مشہور صحابی حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں۔

بقول بعض غزوۂ بدر میں شریک تھے لیکن اکثر ارباب سِیَر نے اصحابِ بَدر میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ غزوۂ اُحُد میں اپنے بھائی حضرت صیفی بن قیظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے اور دونوں اسی غزوے میں شہید ہو گئے۔

حضرت صیفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کا نام ضرار بن خطاب بتایا جاتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبوی ﷺ

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا (سُنَنِ ابی داؤد)

حضرت حَبّان رضؓ بن مُنقِذ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان مازن بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
حَبّان[1] بن منقذ بن عمرو بن عطیہ بن خنسار بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار
غزوۂ اُحُد سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت حَبّان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی زبان میں کچھ ثقل تھا۔ اس کی وجہ سے خرید و فروخت کرتے وقت ان کو نقصان ہو جاتا تھا۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ جب تم خرید و فروخت کیا کرو تو کہہ دیا کرو لَاخِلَابَۃَ یعنی کوئی دھوکا فریب یا میرا نقصان نہ ہونا چاہیے۔ چونکہ اس مبارک دور کے لوگ بڑے دیانتدار اور خدا ترس تھے اس لیے وہ ان کی لکنت کا فائدہ نہیں اٹھاتے تھے اور ان کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔

حضرت حَبّان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شادی آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی ربیعہؓ بن حارث بن عبدالمطّلب کی بیٹی زینب صغریٰؓ (بروایت دیگر ہند) سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے یحییٰؒ اور واسعؒ دو بیٹے ہوئے۔ یحییٰؒ کے بیٹے محمدؒ تھے، جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت حَبّان بن منقذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے سیّدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] حِبّان مشہور نام ہے۔ مگر اربابِ سِیَر نے ان صاحبِ رسولؐ کا نام حَبّان ہی تحریر کیا ہے بفتح حاء و بای موحدہ مشدّدہ۔

کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

موطا امام مالکؒ میں حضرت محمدؒ بن یحییٰؒ بن حبّانؓ سے روایت ہے کہ "میرے دادا حبّانؓ بن منقذ کے نکاح میں دو بیبیاں تھیں۔ ایک ہاشمیہ اور دوسری انصاریہ۔ حبّانؓ نے انصاریہ کو طلاق دے دی۔ وہ مرضعہ تھی (یعنی بچے کو دودھ پلاتی تھیں) حبّانؓ اندریں حالات فوت ہو گئے۔ انصاریہ کو ایک سال تک حیض نہ آیا۔ انہوں نے اپنے متوفیٰ خاوند کے مال میں میراث کا دعویٰ دائر کر دیا۔ ہاشمیہ اور انصاریہ دونوں یہ مقدمہ امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی عدالت میں لے گئیں۔ انصاریہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے (حضرت حبّانؓ کی) میراث میں سے حصہ دے دیا تو ہاشمیہ حضرت عثمانؓ کو ملامت کرنے لگیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ تیرے چچازاد بھائی علیؓ بن ابی طالب نے اس میں اسی طرح رائے دی۔ یہ ان کا فیصلہ ہے جس کو نافذ کیا گیا ہے۔"

اس روایت میں جن ہاشمیہ خاتون کا ذکر ہے بعض اربابِ سیر نے ان کا نام زینب صغریٰ لکھا ہے۔ اور بعض نے ہند۔ بہر صورت وہ حضرت ربیعہؓ بن حارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر، انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسندِ دارمی)

حضرت حُبشیؓ بن جُنادہ سلولی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حُبشی بن جُنادہ بن نصر بن اسامہ بن حارث بن معیط بن عمرو بن جندل بن مُرّہ بن صعصعہ۔

مُرّہ، عامر بن صعصعہ کا بھائی تھا۔ عامر بن صعصعہ کی اولاد تو اسی کی طرف منسوب ہوئی لیکن مُرّہ بن صعصعہ کی اولاد ماں کے نام کی نسبت سے سلولی کہلائی۔

ماں کا نام سلول بنت ذہل بن شیبان تھا۔

حضرت حُبشیؓ کی کنیت ابوالجنوب تھی۔

ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ صرف یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ان کو حضورؐ کے ارشادات سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت حُبشیؓ نے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس لیے ان کا شمار کوفی صحابہؓ میں ہوتا ہے۔

ان کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

شعبیؒ نے حضرت حُبشیؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سنا آپ میدانِ عرفات میں تھے کہ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا، اس نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ لیا اور آپؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے اسے دے دیا اور وہ چلا گیا۔ اسی وقت سے سوال کرنا حرام ہو گیا۔ جامع ترمذی

میں حضرت حُبشیؓ سے مروی یہ مفصل حدیث موجود ہے۔

حضرت حُبشیؓ بن جُنادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا تندرست آدمی کو، البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری اور افلاس نے زمین پر گرا دیا ہو یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا بھاری بوجھ پڑ گیا ہو اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا۔ اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے۔ (اور آخرت میں اس کی سزا پائے)"

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: — خدا کی قسم مجھے اس بات کا مطلق خوف نہیں ہے کہ تم فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گے۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر فراخ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کر دی گئی تھی۔ پھر تم اس کی طرف راغب ہو گئے جس طرح تم سے پہلوں نے رغبت کی تو پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جس طرح پہلوں کو ہلاک کر دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت جبیبؓ بن عمرو سُلامانی

ایک روایت میں ان کا نام جبیبؓ بن عمرو آیا ہے اور ایک میں جبیب بن فُدیک بن عمرو۔ عام طور پر وہ جبیب بن عمرو ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ پورا سلسلہ نسب کسی نے بیان نہیں کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق بنو قضاعہ کے بطن بنی سُلاماں سے تھا۔

حضرت جبیب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ بنو سُلاماں کا ایک سات رُکنی (اور ایک دوسری روایت کے مطابق سترہ رُکنی) وَفد شوّال ۱۰ھ ہجری میں حضرت جبیب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مدینہ مُنوّرہ پہنچا۔ یہ لوگ بارگاہِ نبویؐ میں باریاب ہونے کے لیے مسجدِ نبوی پہنچے تو اس وقت آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک جنازہ کی طرف جا رہے تھے۔ اہلِ وَفد نے کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ"

آپؐ نے فرمایا: "وَعَلَیْکُمْ! تم کون ہو؟"

انہوں نے عرض کیا: "ہم بیعتِ اسلام کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔"

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ان لوگوں کے قیام و طعام کا مناسب بندوبست کرو۔ پھر آپؐ جنازے

---

[1] حضرت ابو عبداللہ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصلاً یمن کے باشندے تھے پہلے غلام تھے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خرید کر آزاد کر دیا اور ان سے فرمایا کہ اگر اپنے خاندان میں جانا چاہتے ہو تو وہاں چلے جاؤ اور اگر میرے پاس رہنا پسند کرو تو تمہارا شمار میرے اہلِ بیت میں ہوگا۔ انہوں نے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پر تشریف لے گئے۔
ظہر کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفدِ سلامان کو شرفِ باریابی بخشا۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں رہنا پسند کیا۔ چنانچہ وہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ رملہ (شام) چلے گئے، وہیں سے جہادِ مصر میں شریک ہوئے پھر رملہ سے حمص منتقل ہو گئے اور وہیں ۵۴ ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان سے ۱۲۷ احادیث مروی ہیں۔ ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبّت اور عقیدت تھی۔ آپ سے جو کچھ سنتے اسے حرزِ جان بنا لیتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ان سے فرمایا، اے ثوبان کبھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اس حکم پر انہوں نے عمر بھر اس شدّت سے عمل کیا کہ کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا حتّٰی کہ سوار ہو کر کہیں جا رہے ہوتے اور ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو خود اتر کر اسے اٹھاتے کسی دوسرے سے ہرگز نہ کہتے کہ کوڑا مجھے پکڑا دو (مسندِ احمد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں ایک یہودی نے بارگاہِ نبوی میں آ کر کہا ـــــ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ"۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور یہودی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے اس سلوک کی وجہ دریافت کی تو فرمایا، تو نے "یا رسول اللہ" کیوں نہ کہا۔ اس نے کہا، میں نے ان کا خاندانی نام لیا اس میں ناراض ہونے کی کیا بات تھی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (ثوبان جانے دو) میرا خاندانی نام ہی (محمّدؐ) ہے۔

لوگ ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان سے حدیثیں سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے یہ حدیث سنائی:

"جو شخص اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔" (مسندِ احمد) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اراکینِ وفد آپؐ کی بیعت سے سرفراز ہوئے اور پھر انھوں نے آپؐ سے دین کے بعض مسائل اور احکام پوچھے - ان میں سے ایک سوال نماز کے بارے میں اور ایک تعویذوں یا دم کرنے کے بارے میں تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اہلِ وفد نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا:

"یارسولؐ اللہ! افضل ترین عمل کون سا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا۔"

پھر انھوں نے عرض کیا: "یارسولؐ اللہ! ہمارے علاقے میں خشک سالی ہے (جس کی وجہ سے وہاں قحط کی کیفیت ہے) آپؐ ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔"

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسی وقت ان کے لیے یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اسْقِھِمُ الْغَیْثَ فِیْ دَارِھِمْ

"(اے اللہ! ان کے علاقے کو بارش سے سیراب کر دے)"

قائدِ وفد حضرت حبیب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! اپنے مبارک ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائیں۔"

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم متبسم ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے بارش کی دعا کی۔ جب یہ وفد اپنے وطن واپس گیا تو معلوم ہوا کہ جس دن حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا کی تھی اسی دن ان کے علاقے میں بارش ہو گئی تھی۔

چند دن قیام کے بعد جب یہ وفد مدینہ منوّرہ سے چلنے لگا تو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کے ہر رکن کو پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔

(طبقات ابن سعد۔ زادُالمعاد)

حضرت حبیب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُجّاجؓ بن حارث سہمی

قریش کے خاندان بنی سہم میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
حُجّاجؓ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی سہمی۔
ان کے دادا قیس بن عدی کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا تھا اور والد حارث معاندین اسلام کی جماعت کا ایک سرگرم رکن تھا۔ لوگ اس کو ابن الغیطلہ کہا کرتے تھے۔ غیطلہ اس کی ماں کا نام تھا جو بنو کنانہ سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی معاندِ اسلام کے بیٹوں، حضرت حجاجؓ اور ان کے بھائیوں کو یہ سعادت بخشی کہ وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔
سنہ ہ بعدِ بعثت میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر اپنے بھائیوں کے ساتھ حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں شریک ہوئے اور کئی برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ ان کے بھائی حضرت ابو قیسؓ غزوۂ اُحُد سے پہلے حبش سے مدینہ آئے اور اُحُد، خندق وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ قیاس غالب ہے کہ حضرت حجاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ساتھ ساتھ رہے اور اُحُد اور مابعد کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے۔
حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وہ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئے اور اجنادین کی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُصَینؓ بن حارِث مُطَّلبی

قریش کی شاخ بنی المُطَّلِب کے فرزندِ سعید تھے۔ یہ وہ خاندان ہے جس کے تمام افراد بالعموم قبولِ اسلام سے پہلے بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خیرخواہ رہے اور قریش کے دوسرے خاندانوں کے مشرکین کے مقابلے میں ہمیشہ آپؐ کی حمایت کی۔ حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حصینؓ بن حارث بن مُطَّلِب بن عبدِ مناف بن قُصَیّ قرشی مُطَّلِبی

عبدِ مناف پر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ مُطَّلِب بن عبدِ مناف آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پردادا ہاشم بن عبدِ مناف کے چھوٹے بھائی تھے۔ مُطَّلِب کی اولاد مُطَّلِبی کہلائی اور ہاشم کی اولاد ہاشمی۔

حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے علاوہ حارث بن عبدالمُطَّلِب کے دو فرزند اور تھے عبیدہؓ اور طفیلؓ۔ عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سب سے بڑے تھے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو تینوں بھائیوں میں سب سے پہلے بڑے بھائی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہی کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے بعثتِ نبوی کے ابتدائی تین سالوں کے اندر ہی لوائے توحید تھام لیا۔ ان کے بعد حضرت حصین اور حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــ بھی سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ سخت پُرآشوب حالات کے باوجود تینوں بھائی ہجرت تک برابر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ مکہ میں مقیم رہے اور مشرکین کی ہر قسم کی زیادتیاں بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ ۱۳ سنہ بعدِ بعثت میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا تو تینوں بھائی اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ مدینہ کے سفرِ ہجرت میں تینوں بھائیوں کے

ساتھ ان کے چچازاد بھائی اُثاثہ بن عباد بن مُطّلب کے بیٹے، مسطحؓ بن اُثاثہ بھی تھے۔
اثنائے راہ میں ایک جگہ ایک زہریلے بچھو نے ان کو ڈنک مارا جس کی وجہ سے وہ
وہیں رک گئے اور تینوں بھائی اگلے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔ وہاں اطلاع ملی کہ مسطحؓ کو
افاقہ نہیں ہوا اور وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی تینوں
بھائی واپس آئے اور حضرت مسطحؓ کو اٹھا کر اپنے ساتھ مدینہ لائے جہاں وہ
جلد ہی صحت یاب ہو گئے۔

مدینہ منوّرہ میں حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں
بھائیوں کو اپنا مہمان بنایا اور نہایت لطف و محبت سے ان کی میزبانی کی۔
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ میں نزولِ اجلال
فرمایا تو کچھ عرصہ بعد آپؐ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک وسیع
قطعۂ زمین مرحمت فرمایا جس میں تینوں بھائی اپنے اہل و عیال سمیت آباد
ہو گئے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تینوں بھائی بدر الکبریٰ (رمضان المبارک
۲ھ ہجری) میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ لڑائی میں حضرت
عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید زخمی ہو گئے اور اسی صدمے سے مدینہ کے
واپسی سفر کے دوران میں شہادت پائی۔ اس کے بعد حضرت حصین اور
حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُحد، خندق وغیرہ عہدِ رسالت کے دوسرے
تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔
خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ایک روایت سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ
انہوں نے ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں (بعہدِ خلافت حضرت عثمانِ غنی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وفات پائی۔ (اُسد الغابہ لابنِ اثیرؒ)
لیکن ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حصین بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام لڑائیوں میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں حیات تھے۔ یہ روایت بھی ابنِ اثیر ہی کی ہے جو انہوں نے عبیدہ بن ابی رافع کے حوالے سے "اُسدُ الغابہ" میں درج کی ہے مگر یہ روایت حضرت حسینؓ کے سالِ وفات کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ سورہ کہف کی آخری آیت حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حمزہؓ (عمِ رسولؐ) حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت عبیدہؓ، حضرت طفیلؓ اور حضرت حصینؓ (پسرانِ حارث) کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آیت یہ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

(ترجمہ) جو شخص اپنے پروردگار کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

(اُسدُ الغابہ بحوالہ الوالوفا بغدادی)

حدیثِ نبویؐ

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عیب دار چیز فروخت کرے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا رہتا ہے یا یہ کہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت حُصَینؓ بن وَحْوَحؓ انصاری

خاندانی تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :
حُصَین بن وَحْوَحؓ بن اسلت (عامر) بن جشم بن وائل بن زید
بن قیس بن عامر بن مُرّہ بن مالک بن اوس۔
حضرت حُصَینؓ اور ان کے والد حضرت وَحْوَحؓ دونوں کو شرفِ صحابیت
حاصل ہوا۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت وَحْوَح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ
احزاب اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔
حضرت حُصَین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک
ہوئے؟ کُتبِ رجال میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ البتہ ان سے مروی
ایک حدیث بہت مشہور ہے جس میں حضرت طلحہ بن براء[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت طلحہؓ سے
متعلق ایک حدیث اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کی ہے :
"حُصَینؓ بن وَحْوَحؓ کہتے ہیں کہ طلحہؓ بن براء بیمار ہوئے تو رسول اللہ
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور (ان کے
گھر والوں سے) فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ طلحہؓ کی موت آگئی ہے۔
جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھ کو فوراً خبر دینا اور تم اس کی تجہیز و تکفین

---

[1] حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق خاندانِ بَلی سے تھا اور وہ مدینہ منوّرہ
میں اوس کے خاندان عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
طلحہؓ بن براء بن عمیر بن وبرہ بن ثعلبہ بن غنم بن سری بن سلمہ بن انیف
حضرت طلحہؓ ہجرتِ نبوی کے بعد آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں عجلت سے کام لینا اس لیے کہ مسلمان میت کو گھر والوں کے درمیان زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کُتُبِ رجال میں حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضرت حصین بن وَحْوَحْ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان تفصیل کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ طلحہ بن براء جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ (جوشِ ایمان اور فرطِ عقیدت سے) آپؐ سے چمٹے جاتے تھے اور آپؐ کے پیروں کو چومتے تھے۔ پھر انہوں نے عرض کیا:—— "یارسولؐ اللہ! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں میں کسی حالت میں بھی تعمیلِ ارشاد سے گریز نہیں کروں گا۔"

ان کی بات سن کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم متبسم ہوئے۔ طلحہؓ اس وقت نوعمر تھے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا: "اچھا جاؤ اور اپنے باپ کو قتل کر دو۔" وہ فوراً آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے چل پڑے۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں (واپس) بلایا اور فرمایا، (میں نے امتحاناً ایسا کہا تھا) میں قطع رحم کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں۔

اس کے بعد طلحہؓ بیمار پڑے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سخت سردی اور ابر کے دن ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ لوٹنے لگے تو (ان کے گھر والوں سے) فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ طلحہ پر موت کی حالت طاری ہے لہٰذا (جب ان کا انتقال ہو جائے) تم لوگ مجھے اس کی اطلاع دینا تاکہ میں ان کی نماز (جنازہ) پڑھاؤں اور ان کے دفن میں جلدی کرنا۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تشریف لے جانے کے جلد ہی بعد حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے۔ انہوں نے مرتے وقت جو وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مجھے جلدی دفن کر دو اور میرے پروردگار سے ملا دو اور اس وقت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نہ بلانا کیونکہ میں آپؐ کے بارے میں یہود کی طرف سے خوف

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلحہؓ کی وفات کی خبر دی گئی تو آپؐ تشریف لائے اور ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے آپؐ کے پیچھے صف قائم کی (نماز پڑھی گئی) اس کے بعد آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:

"اے اللہ طلحہ سے اس حال میں ملاقات کر کہ تو اس کو دیکھ کر ہنسے اور وہ تجھے دیکھ کر ہنسے۔"

(ہیثمیؒ، طبرانیؒ، بغویؒ، ابن شاہینؒ، ابن السکن، ابن حجرؒ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراقِ عرب کی مہم پر روانہ کیا تو حضرت حصینؓ اور ان کے بھائی محصنؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ دونوں جنگِ قادسیہ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ دونوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

رکھتا ہوں (بروایتِ دیگر کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے میں کوئی جانور آپ کو کاٹ لے اور کوئی حادثہ پیش آ جائے) میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچے۔ پس گھر والوں نے ان کو (رات ہی کو) دفن کر دیا۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لوگو! مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے۔ (ابوداؤد)

حضرت حکمؓ بن کیسان

اربابِ سِیَر نے ان کا حسب نسب بیان نہیں کیا اور صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ وہ ابوجہل کے والد ہشام بن مغیرہ مخزومی کے غلام تھے[1] یہ معلوم نہیں کہ ہشام بن مغیرہ کے بعد ان کا آقا کون تھا، قیاس یہ ہے کہ ہشام کی وفات کے بعد وہ ابوجہل کے غلام بن گئے۔

حضرت حکمؓ بن کیسان کا نام پہلی مرتبہ سریّہ عبداللہؓ بن جحش کے سلسلے میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ اس سریّہ میں وہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ سریّہ غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) سے کچھ عرصہ پہلے جمادی الاخریٰ / رجب ۲ھ ہجری میں بھیجا تھا[2] اس سریّہ کو تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا حال تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی کفارِ مکہ اپنی شرارتوں

---

[1] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی نے "سیر الصحابہ جلد ہفتم" میں حضرت حکمؓ بن کیسان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ "ابوجہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے"۔ حقیقت یہ ہے کہ مغیرہ، ابوجہل کا دادا تھا نہ کہ والد۔ دوسرے اہلِ سِیَر نے انہیں ابوجہل کے والد ہشام بن مغیرہ کا غلام بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔

[2] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی نے لکھا ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ سریّہ بدر سے واپسی کے بعد روانہ کیا تھا۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ سریّہ غزوۂ بدر الکبریٰ کے بعد روانہ فرمایا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سریّہ غزوۂ بدر الکبریٰ سے پہلے بھیجا گیا۔ شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ بدر الاولیٰ یا غزوۂ صفوان (ربیع الاول ۲ھ ہجری)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے باز نہ آئے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے آدمی غارت گری کے لیے مدینہ منورہ بھیجتے رہتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرارتوں اور ان کے تجارتی قافلوں پر نظر رکھنے کے لیے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے۔ جمادی الآخری ۲ھ ہجری کے آخری دنوں میں آپؐ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ یا بارہ کبار صحابہ پر امیر مقرر فرما کر مکہ کی جانب روانہ ہونے کا حکم دیا۔ چلتے وقت آپؐ نے انہیں ایک سربمہر خط دیا اور فرمایا کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات کے مطابق عمل کرنا ـــــ حضرت عبداللہؓ نے دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھا تو اس میں یہ ہدایات لکھی پائیں۔

"اس خط کو پڑھنے کے بعد تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہرو اور وہاں سے قریش (یا قریش کے تجارتی قافلے کی) نقل و حرکت پر نظر رکھو اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف نہ لے جاؤ، جو چاہے تمہارے ساتھ جائے اور جو واپس آنا چاہے واپس آجائے۔"

حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور ان سے اُن کی مرضی دریافت کی۔ سب نے ان کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ وہاں سے اس جیش نے بطنِ نخلہ کا رُخ کیا تو راستے میں ایک مقام پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔ دونوں حضرت عبداللہؓ سے اجازت لے کر اس کی تلاش میں گئے اور جیش سے پیچھے رہ گئے۔ اُدھر جیش نے بطنِ نخلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سے واپس تشریف لائے تو آپ نے سریۂ عبداللہؓ بن جحش روانہ فرمایا۔ مذکورہ غزوے کا پس منظر یہ ہے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کے قریب مسلمانوں کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور بہت سے اونٹ لوٹ کر لے گئے (اس وقت وہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے) آنحضور نے بدر کے نواح میں وادیٔ صفوان تک ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے اور آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

میں جا پڑاؤ ڈالا۔ اتفاق سے قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے منقہ، کچا چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا، بے خبری میں مسلمانوں کے قریب ہی آ اترا۔ جب ان کو اپنے قریب مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہوا تو ان کو اپنے کاروان کی سلامتی خطرے میں محسوس ہوئی۔ اتنے میں حضرت عکاشہؓ بن محصن پہاڑ سے اتر کر ان کے سامنے برآمد ہوئے۔ کفار نے جب دیکھا کہ حضرت عکاشہؓ نے اپنا سر منڈوا رکھا ہے تو وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ یہ عمرہ کرنے والے لوگ ہیں۔

قریش کے اس قافلے میں حکم بن کیسان کے علاوہ کفار کے یہ مشہور آدمی بھی شامل تھے۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی اور عمرو بن حضرمی۔ مسلمانوں نے اس قافلے کے بارے میں باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اس سے دو دو ہاتھ کر لینے چاہئیں۔ اس دن ماہِ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا خیال تھا کہ آج جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے اس لیے آج ہی ان سے نبرد آزما ہونا چاہیے کیونکہ کل سے ماہِ رجب کا آغاز ہو جائے گا جو حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ چنانچہ مسلمان قافلے کی طرف بڑھے۔ حضرت واقدؓ بن عبداللہ تمیمی[1] نے عمرو بن حضرمی کو اپنے

---

[1] حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: واقد بن عبد اللہ بن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی حنظلی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر میں قیام پذیر ہونے سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور وطن کو لوٹ گئے۔ اذنِ ہجرت ہونے پر وطن سے مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضورؐ نے ان کو حضرت بشر بن براء بن معرور انصاری کا مواخاتی بھائی بنا دیا۔ سریۂ نخلہ میں ان کے ہاتھ سے عمرو بن حضرمی کے قتل کو اہلِ سیر نے اسلام میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت واقدؓ نے بدر، احد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ بقول ابنِ سعد انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

تیر کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق حکم بن کیسان کو حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرفتار کیا۔ نوفل بن عبداللہ اور قافلے کے دوسرے آدمی بھاگ گئے اور قافلے کے تمام مال و اسباب پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ یہ اسلام میں سب سے پہلا مالِ غنیمت تھا۔ اسی طرح حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ مسلمانوں کے سب سے پہلے اسیر تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اُس وقت تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت عبداللہؓ نے اجتہاد سے کام لیا اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علیحدہ کر کے باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ ان کے اجتہاد کو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل ہوا اور بعد میں اسی کے مطابق خُمس کا حکم نازل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینے میں جدال و قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے تاریخ کی غلط فہمی کا عذر پیش کیا۔ اُدھر مشرکینِ قریش اور یہود مدینہ نے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ماہِ حرام کی حرمت توڑ دی۔ اس مہینے میں خونریزی کی، مال لوٹا اور قیدی پکڑ لیے۔ اب تو اصحاب سریّہ سخت ملول اور پشیمان ہوئے۔ وہ بار بار استغفار کرتے تھے اور اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرتے تھے تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوٹے ہوئے مال اور قیدیوں میں تصرف کرنے سے منع کر دیا۔ اس موقع پر رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۷)

(ترجمہ) (اے نبیؐ) لوگ آپ سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا جائز ہے؟ آپ کہیئے کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام میں نہ جانے دینا اور اس کے اہل (مسلمانوں) کو اس سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ اور فساد انگیزی کُشت وخون سے بھی بڑا جرم ہے۔

اس آیت کے نزول نے مسلمانوں (بالخصوص اصحابِ سریّہ) کو خوش کر دیا۔ اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مالِ غنیمت جو روک رکھا تھا تقسیم کر دیا اور خود بھی اس کا خمس قبول فرمالیا۔ اس کے بعد قریشِ مکہ نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کی رہائی کے لیے ان کا فدیہ روانہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو اونٹ کی تلاش میں گئے تھے اور اب تک مفقود الخبر ہیں، واپس نہ آجائیں قیدیوں کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ چند دن کے بعد جب یہ دونوں حضرات صحیح سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ تو مکہ چلا گیا لیکن حضرت حکم بن کیسان نے مکہ واپس جانے سے انکار کر دیا اور برضا و رغبت اسلام قبول کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہو گئے اور بئرِ معونہ کے معرکہ میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ جہاں تک حضرت حکمؓ بن کیسان کی سانحۂ بئرِ معونہ میں شہادت کا تعلق ہے تو اس پر سب اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ یہ سانحہ صفر ۴ھ ہجری میں پیش آیا۔ اہلِ سیر نے یہ صراحت نہیں کی کہ حضرت حکمؓ بن کیسان اپنے قبولِ اسلام (رجب ۲ھ) اور صفر ۴ھ ہجری کے درمیانی عرصے میں پیش آنے والے کن غزوات وسرایا میں شریک ہوئے۔

سانحۂ بئرِ معونہ کی تفصیل یہ ہے کہ صفر ۴ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بنو عامر کے ایک شخص ابو براء عامر بن مالک[1] نجدی کی استدعا پر باختلاف روایت چالیس یا ستر صحابہ کی ایک جماعت تبلیغ اسلام کے لیے نجد کی طرف روانہ فرمائی۔ اس جماعت میں حضرت حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ جب یہ اصحاب بئر معونہ (ایک چشمے کا نام) کے قریب پہنچے تو بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل نے غداری کی اور ابو براء عامر بن مالک کے روکنے کے باوجود قبائل رعل، ذکوان، بنو سلیم وغیرہ کے مشرکین کو ساتھ لے کر ان پاکباز اصحاب پر حملہ کر دیا جو ان کو ہدایت اور نجات کا راستہ بتانے آئے تھے۔ یہ تمام مردانِ حق حضرت عمرو بن امیہ الضمری کے سوا مشرکین کی تیغ جفا کا شکار ہو گئے اور خلعتِ شہادت پہن کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو مشرکین نے زندہ گرفتار کر لیا اور پھر عامر بن طفیل نے اپنی ماں کی ایک منت پوری کرنے کے لیے انہیں رہا کر دیا۔ انہوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس المناک واقعہ کی اطلاع دی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ چالیس دن تک نمازِ فجر کے بعد قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔

---

[1] بعض روایتوں میں اس شخص کا تعلق بنو کلاب سے بتایا گیا ہے۔ وہ ملاعب الاسنہ (یعنی برچھوں یا نیزوں کے کرتب دکھانے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ دو گھوڑے اور دو سانڈنیاں لے کر مدینہ منورہ آیا اور ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اس کو دعوتِ اسلام دی۔ اس نے نہ اس کو قبول کیا اور نہ اس سے انکار کیا البتہ آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے چند اصحاب کو میرے ساتھ نجد بھیجیں تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اہلِ نجد کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ کوئی شرارت نہ کریں۔ عامر بن مالک نے کہا کہ آپ کسی قسم کا اندیشہ نہ کریں۔ آپ کے اصحاب کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں کسی کی مجال نہیں کہ ان کی طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھے۔ لیکن بعد میں جو واقعات پیش آئے ان میں یہ شخص مسلمانوں کی مدد نہ کر سکا۔ البتہ اس نے اپنے قبیلے بنو عامر کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روکنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔

حضرت حممہؓ بن ابی حممہ درسی

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا صرف ان کا نام حممہؓ بن ابی حممہ درسی لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ درس ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی شخص کا نام ہوگا، اسی کی نسبت سے انہیں درسی کہا گیا ہے۔ کسی نے یہ تصریح بھی نہیں کی کہ ان کا تعلق کس قبیلے سے تھا۔ البتہ ان کے صحابی رسول اللہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

وہ کب اسلام لائے اور عہد رسالت میں ان کے لیل ونہار کیسے گزرے؟ کتب سیر سے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا، البتہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر خشیتِ الٰہی کا بہت غلبہ تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے "کتاب الزہد" میں حضرت ہرم بن حیان عبدی (تابعی) سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری رات روتے روتے گزار دی۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے اس رات کو یاد کیا جس کی صبح کو لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

پھر وہ دوسری رات بھی ان کے پاس رہے۔ وہ رات بھی انہوں نے روتے روتے گزاری۔ ہرمؒ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا، مجھے وہ رات یاد آگئی جس کی صبح کو ستارے پراگندہ ہو جائیں گے ــــــ الی آخر الحدیث۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوفِ خدا سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت

میں اصفہان پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو کر میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے دعا مانگی کہ :-

" اے اللہ! حممہ تیری ملاقات کو دوست رکھتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس کے سچ کو ثابت کر کے دکھلا دے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دے (بروایتِ دیگر اس کے جھوٹ کا دبال اسی پر ڈال دے) اگرچہ وہ ناپسند کرے۔ اے اللہ! حممہ کو اس سفر سے (زندہ) واپس نہ لے جانا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی تمنا اصفہان ہی میں شہادت کی صورت میں پوری ہو گئی۔ اس شہادت کی نوعیت کیا تھی؟ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے پیٹ کی کسی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ امیر لشکر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا :-

" اے لوگو! خدا کی قسم جو کچھ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یہی سنا اور جہاں تک میرا مبلغ علم ہے، یہی ہے کہ حممہؓ شہید ہیں۔"

بقول ابنِ اثیرؒ حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصفہان ہی میں دفن ہوئے۔ (اُسُدُ الغابہ)

طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنہ ۲۲ ہجری میں اصفہان پر لشکر کشی کی تھی۔ اس اعتبار سے حضرت حممہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالِ وفات بھی سنہ ۲۲ ہجری ٹھہرتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُوَیِّصَہؓ بن مسعود انصاری

اوس کے خاندان بنی حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عام طور پر اہلِ سِیَر نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

حُوَیِّصَہؓ بن مسعود بن کعب بن عامر بن ربیعہ بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مسعود کے بعد زید کا اضافہ کیا ہے یعنی انہوں نے مسعود کو زید بن کعب کا بیٹا بتایا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حُوَیِّصَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہجرتِ نبویؐ کے بعد (غزوۂ اُحُد سے پہلے) مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت مُحَیِّصَہؓ ہجرتِ نبوی سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد انہوں نے ایک شریر النفس یہودی ابنِ سبینہ (بروایت دیگر ابنِ شیبہ) کو قتل کر دیا کیونکہ مسلمانوں کے خلاف وہ سازشوں میں مصروف تھا۔ یہ یہودی حُوَیِّصَہؓ کا دوست تھا۔ انہوں نے اس کے قتل پر برافروختہ ہو کر حضرت مُحَیِّصَہؓ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

"او دشمنِ خدا تو نے اس کو قتل کر دیا حالانکہ تیرے پیٹ میں زیادہ تر چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے۔"

اس مار پیٹ کا حضرت مُحَیِّصَہؓ نے ایک ہی جواب دیا:

"خدا کی قسم جس ہستی نے مجھے اس (بدبخت یہودی) کے قتل کا حکم

دیا تھا اگر وہ تمہارے قتل کا حکم دیتی تو میں تمہیں بھی قتل کر دیتا۔"
حُوَیِّصَہؓ نے حیران ہو کر کہا، اگر محمدؐ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) تمہیں میرے قتل کا حکم دیں تو کیا واقعی تم مجھے (اپنے پیارے بھائی) کو قتل کر دو گے؟
حضرت مُحَیِّصَہؓ نے کہا، ہاں، خدا کی قسم (ذرا بھی تامل نہیں کروں گا)
اب حُوَیِّصَہؓ بولے، خدا کی قسم جس دین نے تم پر اتنا اثر کیا ہے وہ عجیب دین ہے۔

ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ یہ کہنے کے بعد وہ فوراً مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت مُحَیِّصَہؓ نے چند پُراثر اشعار بھی پڑھے تھے۔ ان کی تاثیر سے حُوَیِّصَہؓ کا دل پگھل گیا اور انہوں نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت حُوَیِّصَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی اس کے بعد احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:- وہ بات چھوڑ دے جس کے متعلق شک بھی ہو کہ اس کے کرنے میں گناہ ہو گا اور وہ کام اختیار کر جس کے برا ہونے کا شک تک نہ ہو۔ (جامع ترمذی)

حضرت خالدؓ بن اُساف انصاری

خزرج کے خاندان حارث بن خزرج کے چشم و چراغ تھے سلسلۂ نسب یہ ہے:
خالدؓ بن اساف (بروایت دیگر یساف) بن عتبہ بن عمرو بن خدیج
بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج بن ثعلبہ۔

بعض نے ان کو جہنی لکھا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ انصاری تھے۔ حضرت خبیبؓ بن اساف انصاری ان کے بھائی تھے۔ (ان کے حالات اسی کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں۔) علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں عدویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراق عرب کی مہم پر مامور فرمایا تو حضرت خالد بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور قادسیہ کی خونیں جنگ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خانۂ اقدس) سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ پر غسل کا اثر تھا اور آپؐ بہت بشاش نظر آ رہے تھے۔

ہم لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس وقت ہم آپؐ کو بہت خوش دیکھتے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: — "ہاں اللہ کا شکر ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کو مالداری (دولت مندی) نقصان نہیں پہنچاتی مگر اللہ سے ڈرنے والے کے لیے صحت دولت مندی سے بہتر ہے اور طبیعت کا خوش ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے۔" (اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت خالدؓ بن بُکیر لیثی کِنانی

بنو کِنانہ کی شاخ بنی لیث کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
خالدؓ بن بکیر (بروایتِ دیگر ابی بکیر) بن عبدیالیل بن ناشب
بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ لیثی کنانی۔

ان کے دادا عبدِ یالیل نے زمانۂ جاہلیت میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نُفَیل بن عبدالعُزّیٰ سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے تھے۔ چنانچہ وہ اور ان کی اولاد سب بنو عدی کے حلیف تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بھائی اور تھے، عاقلؓ، ایاسؓ اور عامرؓ۔ ان چاروں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا اور دعوت کے تیسرے سال حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف لے گئے تو یہ چاروں بھائی سب سے پہلے اس مکان میں جا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی آپ کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ اس طرح وہ "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن" کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً بیس اکیس برس کی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائیوں کا شمار ان صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے جو بعثتِ نبوی سے ہجرتِ نبوی تک سارا عرصہ مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور مشرکینِ قریش کی زیادتیوں کو بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

نبوت کے تیرھویں سال رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو

مدینۂ منوّرہ کی طرف ہجرت کا اذن دیا تو ان چاروں بھائیوں نے اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے اس طرح ہجرت کی کہ اُن کے گھروں کے دروازے بالکل بند ہو گئے۔

مدینۂ منوّرہ پہنچے تو چاروں بھائیوں کو حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مہمان بنایا۔ ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو

---

[1] حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر انصاری اپنی کنیت "ابولبابہ" سے مشہور ہیں۔ ان کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابولبابہؓ بھی آپ کے ہم رکاب تھے لیکن روحاء کے مقام پر پہنچ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر کے واپس کر دیا۔ تاہم غنیمت میں جس طرح مجاہدین کا حصہ لگایا، ان کا بھی حصہ لگایا۔ غزوہ بنی قینقاع اور غزوۂ سویق میں بھی وہی مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے۔ ۵ھ میں غزوۂ خندق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ بنی قریظہ کے محلے کا محاصرہ کیا تو یہود نے حضرت ابولبابہؓ کو مشورہ کے لیے بلا بھیجا کیونکہ ان کا قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ اثنائے گفتگو میں ان سے ایک ایسا اشارہ سرزد ہو گیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضورؐ بنو قریظہ کو قتل کر دیں گے۔ بعد میں احساس ہوا کہ میں نے مسلمانوں کا ایک راز فاش کر دیا۔ سخت پشیمان ہوئے اور مسجدِ نبویؐ میں پہنچ کر اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور دن رات توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ سات آٹھ دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھول دیا۔ فتح مکہ (۸ ہجری) میں اپنے قبیلے کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت زید بن دثنہ انصاری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا۔

رجب ۲ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ (بروایتِ دیگر بارہ) مجاہدین کا ایک دستہ دے کر ایک مہم کا امیر مقرر فرمایا (یہ مہم تاریخ میں سریۂ عبداللہ بن جحش کے نام سے مشہور ہے) اس دستے میں حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سربمہر خط دے کر ہدایت فرمائی کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

غزوۂ تبوک میں بھی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

[1] حضرت زید بن دثنہ انصاری کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ سے تھا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ ۴ھ ہجری میں قبیلہ عضل وقارہ کے چند لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے مبلغین کی ایک جماعت ان کے ساتھ روانہ کی۔ حضرت زیدؓ بن دثنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ رجیع کے مقام پر عضل و قارہ کے غدار اپنے قبیلوں کو اس مختصر جماعت پر چڑھا لائے۔ حضرت زیدؓ اور حضرت خبیبؓ بن عدی انصاری کے سوا اس جماعت کے سب ارکان شہید ہو گئے۔ حضرت زیدؓ اور حضرت خبیبؓ کو ان ظالموں نے گرفتار کر کے مشرکینِ قریش کے پاس فروخت کر ڈالا انہوں نے اشہر حُرُم گزرنے کے بعد ان دونوں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر ڈالا۔ حضرت زیدؓ کو سولی دینے سے پہلے ابوسفیان نے ان سے پوچھا اے زید تم کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا اگر تمہاری جگہ ہم محمدؐ کو قتل کر دیں اور تم اپنے گھر محفوظ رہو تو تم کو یہ بات پسند ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا، خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ چنانچہ دو دن کے سفر کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کے نامۂ مبارک کو کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا:

"تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہرو اور وہاں سے قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلاؤ۔ کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرو۔ جو خوشی سے تمہارا ساتھ دینا چاہے، دے اور جو واپس آنا چاہے، واپس آ جائے۔"

اب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"بھائیو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی نقل و حرکت کا پتا چلانے کا حکم دیا ہے لیکن اس کام میں مدد لینے کے لیے کسی پر جبر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ بڑا پُرخطر کام ہے، تم میں سے جو کوئی خوشی سے میرا ساتھ دینا چاہے وہ میرے ساتھ چلے اور جو واپس جانا چاہے اس کو بھی اختیار ہے۔ میری طرف سے کسی پر پابندی نہیں ہے۔"

جیش کے سب آدمیوں نے بیک زبان کہا:

"ہم ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ضرور پورا کریں گے خواہ اس کام میں ہماری جانیں چلی جائیں۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے مجاہدین کے ساتھ نخلہ کا رخ کیا اور بطنِ نخلہ میں پہنچ کر قریش کے حالات کی ٹوہ لینے میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق سے قریش کا ایک قافلہ جو طائف (یا بروایتِ دیگر شام) سے کچا چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا۔ ادھر سے گزرا۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر اس قافلے کی طرف بڑھے۔

حضرت واقدؓ بن عبداللہ تمیمی نے امیر قافلہ عمرو بن حضرمی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور دو آدمیوں حکمؓ بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے قافلے کے سارے مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل اسی کتاب میں حضرت حکمؓ بن کیسان کے ترجمہ میں بیان کر دی گئی ہے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تین سو تیرہ سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا جو میدانِ بدر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور جو محض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ اصحاب بدر کو ان کے جذبۂ فدویت کی بدولت یہ رتبہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے۔

اگلے سال (۳ ہجری میں) غزوۂ اُحد پیش آیا۔ حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔

۴ ہجری میں قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی مدینہ منورہ آئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مبلغین روانہ فرمائیں جو ہمارے قبیلوں کو قرآن پڑھائیں اور احکامِ دین سکھائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان سات صحابہ کو ان کے ساتھ جانے کے لیے منتخب فرمایا:

(۱) حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲) حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۳) حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۴) حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) حضرت معتب بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶) حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (سات نہیں بلکہ) دس اصحاب نامزد فرمائے تھے مگر تین اصحاب ان میں نامور نہ تھے اس لیے کسی نے ان کا نام نہیں لکھا۔

جب یہ اصحاب عضل و قارہ کے آدمیوں کے ساتھ رجیع کے مقام پر پہنچے (جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہدہ کے مقام سے سات کوس کے فاصلے پر بنو ہذیل کا ایک چشمہ تھا) تو ساتھ لانے والے شریروں نے غداری کی اور اپنے قبیلوں کے سو مسلح آدمیوں کو مبلغین پر چڑھا لائے۔ ان مٹھی بھر مردانِ حق نے ان کا مطلق خوف نہ کیا البتہ آپس میں کہنے لگے کہ ان منافقوں نے ہمیں بڑا دھوکا دیا۔ جب دشمن قریب آئے تو صحابہؓ نے اپنی تلواریں میانوں سے نکال لیں اور مقابلہ پر تل گئے۔ مشرکین نے بہت کہا کہ اگر تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ کے ان غیور جانبازوں نے دشمن کی پناہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور سر بکف ہو کر ان دغابازوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ انہوں نے نرغہ کر کے دوؓ (حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ) کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ راہِ حق کے ان شہیدوں میں حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو ان ظالموں نے مکے لے جا کر مشرکین قریش کے پاس فروخت کر دیا۔ انہوں نے جنگِ اُحد میں اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے اشہر حُرُم گزرنے کے بعد ان دونوں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر ڈالا۔ حضرت خبیب انصاری اور حضرت زید انصاری رضی اللہ عنہما کی داستانِ شہادت تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ اللہ کے ان پاکباز بندوں نے کمال عزم و ہمت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور خوش دلی کے ساتھ سولی پر چڑھ کر اپنی جانوں

کا نذرانہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دیا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ارباب سیر کا بیان ہے کہ شہادت کے وقت حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چونتیس ۳۴ برس کی تھی۔ اتنی مختصر زندگی میں انہوں نے جو عظیم سعادتیں حاصل کیں ان کی بنا پر ان کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت خالدؓ کے بھائی حضرت عاقلؓ غزوۂ بدر میں اور حضرت عامرؓ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ چوتھے بھائی حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ مؤخر الذکر دونوں عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے گویا یہ تمام خاندان "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق تھا۔

حدیث نبوی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص تم سے کوئی برا کام دیکھے، اس کو ہاتھ سے روکے، اگر ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے اور یہ ضعیف تر ایمان ہے۔
(مشکوٰۃ شریف)

حضرت خالدؓ بن قیس بیاضی انصاری

خزرج کے خاندانِ بیاضہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:۔
خالدؓ بن قیس بن مالک بن عجلان بن مالک بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج الاکبر۔

انصار کے سابقین اولین میں سے ہیں۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مشرف بہ ایمان ہوئے اور پھر ۱۳ھ بعد بعثت میں مکہ جا کر بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اسی بیعت کے شرکاء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور اپنی جانوں، مال اور اولاد کے ساتھ آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ ایسا کرنا سارے عرب کو جنگ کی دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن انصار کے یہ سردارانِ جری کسی خطرے کو خاطر میں نہ لائے اور حق کی سربلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد رمضان ۲ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت خالدؓ بن قیس بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ یوں ان کو بدری صحابی ہونے کا شرفِ عظیم بھی حاصل ہو گیا۔

اگلے سال غزوۂ اُحد میں بھی دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت خُبَیبؓ بن اُسَاف انصاری

خاندانی تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ حارث بن خزرج سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

خُبَیبؓ بن اُساف (بروایت دیگر یساف) بن عتبہ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ یہ خبیبؓ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت خبیبؒ (بن عبدالرحمٰنؒ بن خبیب) کے دادا ہیں۔

ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت خُبَیبؓ بن اُساف غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں شریک تھے۔

حضرت خبیبؓ بعض وجوہ کی بناء پر دوسرے انصار کی نسبت قدرے تاخیر سے اسلام لائے۔ خود ان سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد کے لیے تشریف لے جارہے تھے کہ (اثنائے راہ میں) میں اور میری قوم کا ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم دونوں اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہم نے آپؐ سے کہا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی لڑائی میں جائے اور ہم ان کے ساتھ نہ جائیں لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ کے ساتھ جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو؟

ہم نے عرض کیا ——— "نہیں"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔"

آپؐ کا ارشاد سن کر ہم نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ میدان کارزار میں ایک مشرک نے میرے شانے پر تلوار ماری۔ میں نے پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔

بعد میں (اتفاق سے) میرا اس مقتول مشرک کی لڑکی سے نکاح ہوگیا۔ وہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ میں ہمیشہ اس شخص کو یاد کرتی ہوں جس نے تمہیں یہ حمائل پہنائی [1] اس کے جواب میں، میں اس سے کہا کرتا تھا کہ میں بھی اس شخص کو ہمیشہ یاد کرتا ہوں جس نے تمہارے باپ کو دوزخ کی طرف بھیج دیا۔

بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان میں جس جہاد کا ذکر آتا ہے، وہ غزوۂ بدر تھا۔

ابن اسحاقؒ نے حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت خبیبؒ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت کی ہے کہ میرے دادا خبیبؓ کو بدر کے دن چوٹ لگ گئی اور ان کا ایک پہلو جھک گیا (جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے قاصر ہوگئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (اس حالت میں) دیکھا تو آپؐ نے چوٹ کی جگہ پر اپنا لعابِ دہن ڈال دیا اور اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا (اور اس پہلو کو اٹھا دیا) پس وہ چلنے لگے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ مشہور مشرک اُمیہ بن خلف کو حضرت خُبیب بن اُساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے (غزوۂ بدر میں) قتل کیا تھا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت خبیب بن اُساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بیوہ حبیبہؓ بنتِ خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر سے نکاح کر لیا تھا۔

حضرت خبیب بن اُساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں (کسی وقت) وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حمائل سے مراد وہ زخم ہے جو حضرت خبیبؓ کے شانے پر ان کی بیوی کے باپ کے ہاتھ سے لگا تھا۔ اس کا نشان بشکلِ حمائل باقی رہ گیا تھا۔ بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب بھی میں یہ زخم دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا باپ یاد آجاتا ہے۔

حضرت خدیج رضؓ بن سلامہ بلوی انصاری

اصلاً خاندان بلی میں سے تھے مگر مدینہ منورہ میں خزرج کی شاخ بنوسلمہ (بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ) کے حلیف تھے اس لیے انصار ہی میں شمار ہوتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

خدیج بن سلامہ بن اوس بن عمرو بن کعب

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض لوگ ان کو خدیج بن سالم کہتے ہیں اور کنیت ان کی ابوشباث ہے۔ (الاستیعاب)

ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ بعض لوگ حضرت خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

خدیج بن سالم بن اوس بن عمرو بن قراقر بن ضحیان بلوی۔

بقول طبریؒ ان کی کنیت ابورشید تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت خدیج بن سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے سابقین اولین میں سے ہیں۔ وہ ہجرت نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سنہ ۱۳ بعد بعثت میں مدینے کے دوسرے اہل ایمان کے ساتھ مکہ گئے اور بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔ اس بیعت کے شرکاء کو تاریخ اسلام میں نہایت بلند مقام حاصل ہے، کیونکہ انہوں نے سخت نامساعد حالات میں اور سارے عرب کی مخالفت کے علی الرغم ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، اور اپنی جانوں، مال اور اولاد کے ساتھ آپؐ کی حمایت اور حفاظت کا عہد کیا۔ ان مردان جری کے اس جرأت مندانہ اقدام

نے تاریخ کے دھارے کا رخ پھیر دیا۔

حضرت خدیج بن سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مخلص مسلمان تھے لیکن وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہو سکے۔ اہلِ سیر نے اس کا کوئی سبب بیان نہیں کیا لیکن قیاس یہ ہے کہ کسی خاص مجبوری کے سبب وہ ان غزووں میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ اس پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت خدیج بن سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جب کسی نیکی کے کرنے کا موقع ملے فوراً وہ نیکی کرے کیونکہ ممکن ہے پھر یہ موقع نہ ملے۔ اب موقع حاصل ہے پھر ہو سکتا ہے ایسا غریب ہو جائے کہ غریبی اس کو نیک کاموں کی توفیق نہ دے یا ایسا دولتمند ہو جائے کہ دولت مندی کے گھمنڈ میں نیکی سے جاتا رہے یا ایسا بیمار ہو جائے کہ نیک کام ہی سرزد نہ ہو یا ایسا بوڑھا ہو جائے کہ نیک کام کرنے کا ہوش ہی نہ رہے یا موت آجائے کہ جس سے سلسلۂ اعمال ہی منقطع ہو جائے یا کسی اور فتنہ یا حادثہ میں مبتلا ہو جائے اس لیے اے لوگو جب موقع ملے فوراً نیکی کرو۔ (جامع ترمذی)

حضرت خراشؓ بن صمہؓ انصاری

علامہ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:
خراشؓ بن صمہ بن عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی خزرجی۔

اس نسب نامہ کی رو سے وہ مشہور صحابی حضرت عمروؓ بن جموح رئیس بنی سلمہ (شہید اُحد) کے پوتے ہوتے ہیں۔

بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی اور اصحاب بدر کی مغفور جماعت کے رکن بنے۔ لڑائی میں انہوں نے دشمن کے تین آدمیوں ابوالعاص، ابو رلیشہ اور عمرو بن الازرق کو قیدی بنایا۔

اس کے بعد غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ان کو دس زخم آئے۔

ان حالات کے علاوہ ان کی زندگی کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔[1]

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] ارباب سیر نے حضرت خراشؓ کے ایک غلام تمیمؓ کا ذکر کیا ہے۔ غالباً حضرت خراشؓ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ ان کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عتبہؓ بن غزوان کے غلام خباب کے درمیان مواخاۃ کرا دی تھی۔ حضرت تمیمؓ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد دونوں میں شریک تھے۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن اوس انصاری

خزرج کے معزز ترین قبیلہ بنی نجار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
خزیمہ رضی اللہ عنہ بن اوس بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار
مشہور صحابی حضرت مسعود رضی اللہ عنہ بن اوس ان کے بھائی تھے۔ [1]
موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
امام محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جسر کی لڑائی میں شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت ابو محمد مسعود رضی اللہ عنہ بن اوس بدر سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح مصر میں شریک تھے۔ ایک روایت کے مطابق عہدِ فاروقی ہی میں فوت ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے بعد عرصہ تک زندہ رہے اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حصہ لیا۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیثِ نبوی

حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] ایک [illegible] کو
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]
کسی [illegible] نہیں ہنسنا چاہیئے۔ (ترمذی)

حضرت خزیمہؓ بن حکیم سلمی بہزی

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سسرالی رشتہ دار تھے (یعنی اُمّ المؤمنینؓ کے پہلے شوہر کے خاندان سے تھے) بعض نے ان کے والد کا نام ثابت لکھا ہے (حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری ایک دوسرے صحابی ہیں) بعثت سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کا ایک تجارتی قافلہ لے کر کہیں (غالباً شام) گئے۔ اس قافلے میں حضرت خزیمہؓ بن حکیم بھی تھے۔ انہوں نے بعض یہودیوں یا عیسائیوں سے نبی آخر الزمان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اثنائے سفر میں یا سفر سے واپسی کے بعد انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمدؐ میں نے آپ میں چند (نہایت عمدہ) خصائل دیکھے ہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو سرزمین تہامہ سے ظاہر ہوں گے۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ جب آپ کی نبوّت کا ظہور ہو گا، (یعنی جب آپ کی بعثت کی خبر سنوں گا) تو آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔

اس واقعہ پر پندرہ سولہ برس گزر گئے یہاں تک کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے اور پھر مکہ بھی فتح ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خزیمہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں پہچان لیا اور فرمایا:

"مرحبا بالمہاجر الاوّل"

انہوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! حقیقت یہ ہے کہ میں آپ پر ایمان رکھتا تھا

آپ کی نبوّت کا منکر نہ تھا اور نہ ہی بدعہد تھا۔ قرآن پر یقین رکھتا تھا اور بتوں کا منکر تھا، لیکن مجھے دوسرے لوگوں سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے اس بات نے روکا کہ ہم پر پے در پے قحط پڑے (اور اتنا طویل عرصہ ہی اپنی زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کی جدوجہد میں گزر گیا۔)

اس کے بعد حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کیسے گزری، اس کا جواب کسی کتاب سے نہیں ملتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا، تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

(ابو داؤد)

حضرت خزیمہؓ بن خزمہ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندانِ قواقل سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:
خزیمہؓ بن خزمہ بن عدی بن اُبَیّ بن غنم (قوقل) بن سالم بن عوف بن غانم بن عوف بن خزرج۔
سب سے پہلے غزوۂ اُحد (شوال ۳ھ ہجری) میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے تمام مشاہد میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔
سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا گیا کہ جنت میں جانے کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا: ——
اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور لوگوں سے حُسنِ اخلاق سے پیش آنا۔
پھر آپؐ سے پوچھا گیا کہ دوزخ میں جانے کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا: —— پیٹ اور شرمگاہ۔
(ترمذی)

حضرت خلادؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے چشم و چراغ تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:
خلادؓ بن عمروؓ بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج الاکبر۔

ان کے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر سنہ ۱۳ بعد بعثت میں جاکر بیعت لیلۃ العقبہ میں شریک ہونے کی سعادت عظیم حاصل کی۔ حضرت خلادؓ بھی غالباً اسی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد میں ان کے والد حضرت عمروؓ بن جموح بھی (جو بنو سلمہ کے رئیس اور قبیلے کے بت خانے کے متولی تھے) سعادت اندوز ایمان ہو گئے۔

ہجرت نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت خلادؓ غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں شریک ہوئے اور بدری صحابی ہونے کا اہتم بالشان شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ اس غزوے میں ان کے والد حضرت عمروؓ بن جموح اور تین بھائی حضرت معاذؓ، حضرت معوذؓ اور حضرت ابوایمنؓ بھی شریک تھے لیکن حضرت عمروؓ بن جموح کے بارے میں بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ان کے بیٹوں نے اس بنا پر ان کو لڑائی میں شریک ہونے سے روک دیا کہ ان کے پیر میں چوٹ آگئی تھی اور وہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ بیٹوں

نے ان سے کہا کہ اس صورت میں ان پر جہاد فرض نہیں ہے چنانچہ وہ رُک گئے اور لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت ابو ایمنؓ کے بارے میں بعض نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عمروؓ بن جموح کے بیٹے نہیں تھے بلکہ غلام تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اگلے سال غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے۔ اس مرتبہ ان کے والد یقینی طور پر ان کے ساتھ تھے۔ جب ایک اتفاقی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو دونوں باپ بیٹے تلواریں سونت کر کفار کی صفوں میں گھس گئے اور دونوں جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

اس لڑائی میں حضرت خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ماموں حضرت ابو جابر عبداللہؓ بن عمروؓ بن حرام بھی شہید ہو گئے۔ حضرت خلاد کی والدہ ہندؓ نے مسلمانوں میں انتشار کی خبر سنی تو وہ شہر (مدینہ) سے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں کسی نے بتایا کہ تمہارے شوہر شہید ہو گئے۔ آگے چلیں تو کسی نے خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا پھر آگے بڑھیں تو کسی نے بتایا کہ تمہارے بھائی نے شہادت پائی۔ بولیں لوگو! مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ آپؐ بخیریت ہیں (صرف زخم آئے ہیں) تو بولیں، میرا شوہر، بیٹا اور بھائی آپؐ پر قربان، آپؐ سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حدیث نبویؐ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتے تو اس کو یوں فرماتے، کوئی فکر کی بات نہیں، اللہ چاہے تو تم اچھا ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت خلیفہؓ بن عدی انصاری

بعض اہلِ سیر نے ان کا نام علیفہ لکھا ہے لیکن خلیفہ ہی زیادہ مشہور ہے۔ خاندانی تعلق خزرج کی شاخ بنی بیاضہ سے تھا۔ ان کے نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ ابنِ کلبی اور ابنِ شاہین نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

خلیفہؓ بن عدی بن عمرو بن مالک بن عامر بن فہیرہ بن عامر بن بیاضہ۔ (اُسد الغابہ)

ابنِ اسحاق اور حافظ ابو نعیمؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

خلیفہؓ بن عدی بن معلی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زُریق (اُسد الغابہ)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ نے اپنی کتاب "بدر البدور" (اصحابِ بدر) میں اس طرح لکھا ہے:

علیفہ بن عدی بن عمرو بن مالک بن عمرو بن مالک بن علی بن بیاضہ (واللہ اعلم بالصواب)

غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کی عظیم الشان سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحد کے بعد ان کا نام پردۂ خفا میں چلا جاتا ہے اور اس وقت منظرِ عام پر آتا ہے جب وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیش آنے والی تمام لڑائیوں میں ان کے ساتھ شریک ہوئے۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خُنَیس رضؓ بن ابی سائب انصاری

اوس کے خاندان بنی کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

خُنَیس رضؓ بن ابی سائب بن عبادہ بن مالک بن اصلع بن عبسہ بن خراش بن جحجباء۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان کا نام پہلے کچھ اور تھا۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے بدل کر خُنَیس رکھا۔ شہسوار تھے اور اپنے قبیلے کے بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ سب سے پہلے ان کا نام ۶ھ ہجری میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ اس سال ذیقعدہ میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عمرہ کے لیے مکّہ کا عزم کیا تو حضرت خُنَیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ جب آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر ملی کہ قریشِ مکّہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپؐ راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ پہنچ گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اسی جگہ "بیعتِ رضوان" کا اہتم بالشان واقعہ پیش آیا۔ اس بیعت میں شریک ہونے والے خوش بخت صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی اور وہ "اصحاب الشجرۃ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان خوش بخت صحابہ میں حضرت خُنَیس رضؓ بن ابی سائب بھی شامل تھے۔

بیعتِ رضوان کے بعد جو غزوات و مشاہد پیش آئے (خیبر، فتح مکّہ، حنین، طائف، تبوک) ان سب میں بھی حضرت خُنَیسؓ، رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ عہدِ فاروقی میں وہ ایران کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی یہاں تک کہ اس ملک پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت خولیؓ بن ابی خولی جُعفی

خاندانی تعلق قبیلہ جُعفی سے تھا۔ یہ یمن کا قحطانی قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مذحج کے بطن سعد العشیرہ بن مالک کہلانی کی ایک شاخ تھے اور ان کی جائے سکونت صنعاء سے تقریباً چالیس فرسخ کی مسافت پر تھی۔

ابن ہشامؒ اور ابن سلامؒ نے حضرت خولی بن ابی خولی کو عجل بن لجیم (یا نجیم) سے منسوب کر کے عجلی لکھا ہے لیکن بقول ابن اثیرؒ یہ غلط ہے کیونکہ ابن اسحاق اور دوسرے ارباب سِیَر نے انہیں جُعفی بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔

حضرت خولیؓ کے بزرگوں میں سے کچھ اپنے وطن سے حجاز آ کر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے اور بنو عدی بن کعب سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ بعثتِ نبوی سے پہلے یہ لوگ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب بن نفیل عدوی کے حلیف تھے۔ امام ابن اسحاقؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

خولیؓ بن ابی خولی بن عمرو بن زہیر بن خیثمہ بن ابی حمران حارث بن معاویہ بن حارث بن مالک بن عوف بن سعد بن عوف بن حریم (یا حزیم) بن جُعفی الجُعفی۔

ہجرتِ نبوی سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور اذنِ ہجرت کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک ۲ ہجری) میں دادِ شجاعت دی اور بدری صحابی ہونے کا لازوال شرف حاصل کیا۔ ان کی شرکتِ بدر پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

مختلف روایات کے مطابق ان کے دو یا تین بھائی بھی بدر میں ان کے ساتھ شریک تھے[1]

ابن جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت خولیؓ بن ابی خولی بدر کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام مشاہدین میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ انہوں نے سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ بقول ابن اسحاقؒ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت خولی بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کے فتنوں کا ذکر کر کے مجھ سے فرمایا کہ تم شام چلے جانا۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اربابِ سیر میں سے بعض نے حضرت خولی بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بھائیوں کا نام لیا ہے اور بعض نے دو کا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ تھے:

مالکؓ، ہلالؓ، عبداللہؓ

تینوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے تذکرے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

حضرت مالک بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ابن اسحاقؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت خولیؓ کی طرح ان کے بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت خیثمہؓ بن حارث انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان مالک بن اوس سے تعلق رکھتے تھے۔
نسب نامہ یہ ہے: ——
خیثمہؓ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس۔

مشہور صحابی حضرت سعد الخیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے والد تھے۔ ہجرت نبوی سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد قبار تشریف لائے تو قبیلہ عمرو بن عوف کے مرد بزرگ حضرت کلثوم بن الہدم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مکان پر قیام فرمایا لیکن لوگوں سے ملاقات کے لیے حضرت سعد الخیر بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مکان تجویز فرمایا کیونکہ یہ بڑا وسیع تھا۔ آپؐ مہاجرین اور انصار سے اسی مکان میں ملاقات فرماتے تھے۔ باپ بیٹے ایک ہی مکان میں رہتے تھے اس لیے حضرت خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میزبان سمجھنا چاہیے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو حضرت خیثمہؓ نے فرزند سعید حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے (جو عقبی صحابی تھے) فرمایا کہ تم گھر پر رہو میں جہاد پر جاتا ہوں لیکن حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ اگر جنّت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے پر ترجیح دیتا مگر اب میں یہی عرض کروں گا کہ آپ گھر پر ٹھہریے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے دیجئے امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے گا۔
لیکن حضرت خیثمہؓ نے جہاد پر جانے کے لیے اصرار کیا۔ آخر اس بات پر

فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے جس کے نام نکل آئے وہی جائے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی میں بدر پہنچے اور مشرکین کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے یوں اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزوئے جنّت پوری کر دی۔

اگلے سال رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ اُحد کے لیے شہر سے نکلے تو حضرت خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ دشمن کے خلاف سربکف ہو کر لڑے اور ہبیرہ بن وہب مخزومی کے ہاتھ سے جامِ شہادت پی کر شہید بیٹے کے پاس جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر (یہ حرام مال) اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو برکت سے خالی ہوگا۔ اگر وہ اس کو چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے جہنّم کے سفر میں زادِ راہ بنے گا۔

اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا بلکہ بُرے عمل کو اچھے عمل سے مٹاتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ذوالجوشن ضبابیؓ

ان کا خاندانی تعلق بنو عامر بن صعصعہ کی شاخ بنی کلاب کے بطن بنو ضباب سے تھا، اس لیے ان کو ضبابی بھی کہا جاتا ہے، کلابی بھی اور عامری بھی۔ ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اوس لکھا ہے اور بعض نے شرحبیل ذوالجوشن ان کا لقب تھا اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کا سینہ ابھرا ہوا تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

ذوالجوشن (اوس یا شرحبیل) بن اعور بن عمرو بن معاویہ (ضباب) بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامری کلابی ثم الضبابی۔

حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے نامی بہادروں اور شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی صمیل کا ایسا دلدوز مرثیہ کہا کہ سارے عرب میں اس کی شہرت ہو گئی۔

حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں تک توحید کی دعوت تو ہجرتِ نبویؐ سے پہلے ہی پہنچ چکی تھی مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا البتہ ان کے دل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہ غزوۂ بدر کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک بچھیری تھی۔ اس کا نام قرحاء تھا۔ انہوں نے یہ بچھیری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:۔

"اے محمدؐ! میں آپ کے لیے یہ بچھیری قرحاء لایا ہوں، آپ اس کو لے لیں۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے اس کی ضرورت تو نہیں ہاں اگر تم چاہو تو میں اس کے عوض

تم کو ایک اعلیٰ درجہ کی زرہ دے دوں جو مجھے غزوۂ بدر میں ملی ہے۔"
ذوالجوشنؓ نے کہا ـــــ "میں تو اس کے تبادلے میں اعلیٰ درجہ کا گھوڑا لینے کے لیے بھی تیار نہیں زرہ کیا چیز ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں"[1]
پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ " اے ذوالجوشن تم اسلام کیوں نہیں لاتے؟"
حضرت ذوالجوشنؓ نے کہا: "میں (اس وقت) اسلام نہ لاؤں گا۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیوں؟
انہوں نے کہا: "میں نے آپ کی قوم کو دیکھا کہ وہ آپ کی دشمن ہے (بروایت دیگر آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اور اس نے آپ کو وطن سے نکال دیا) اور آپ سے برابر برسرپیکار ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں بدر کی لڑائی کی کیا خبر ملی؟
انہوں نے کہا، مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "پھر تم کب ہدایت پاؤ گے مجھے تو (بہرصورت) تمہیں راہِ ہدایت دکھانی ہے۔"
انہوں نے کہا، جب آپ مکہ فتح کر لیں گے اور وہیں رہنے لگ جائیں گے (تو پھر میں آپ پر ایمان لے آؤں گا)
ایک اور روایت میں ان کے یہ الفاظ منقول ہوئے ہیں:

---

[1] یہ روایت طبرانی کی ہے۔ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں بعض حوالوں سے بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالجوشن کی پیش کش کے جواب میں فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اگر تم چاہو کہ میں اس کے عوض بدر کے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی عمدہ عمدہ زرہیں تمہیں دے دوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ذوالجوشن نے کہا مجھے ان زرہوں کی ضرورت نہیں

"اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ آپ کیا کریں گے۔ اگر آپ ان پر غالب آجاتے ہیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کا اتباع کر لوں گا اور اگر آپ کی قوم آپ پر غالب آگئی تو پھر میں آپ کا اتباع نہ کروں گا۔"

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، شاید اگر تم زندہ رہے تو یہ بھی دیکھ لوگے۔

اس کے بعد آپؐ نے ایک شخص (بروایت دیگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو آواز دے کر فرمایا، ان (ذوالجوشن) کا جھولا لے لو اور اس کو مدینہ کی عجوہ کھجوروں سے بھر دو (بروایتِ دیگر ان کے تھیلے لو اور ان کو عجوہ کھجوروں سے بھر کر واپس دو)۔

جب حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ سے رخصت ہونے لگے تو آپؐ نے (صحابہؓ سے) فرمایا، یہ شخص بنی عامر کے بہترین شہسواروں میں سے ہے۔

حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ (چند سال کے بعد) میں اپنے علاقے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ قیام پذیر تھا کہ ایک دن اچانک ایک سوار ہمارے ہاں آیا۔ میں نے اس سے پوچھا، تم کہاں سے آرہے ہو۔

اس نے کہا، مکہ سے۔

میں نے پوچھا، وہاں کی کیا خبر ہے؟

اس نے کہا، خدا کی قسم، محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وہاں غالب آگئے (بروایتِ دیگر محمدؐ نے کعبہ فتح کر لیا) اور وہیں (مکہ میں) مقیم ہیں۔

میں نے یہ سن کر اپنے دل میں کہا، کاش میں پیدا ہوتے ہی مر جاتا اور میری ماں کی گود مجھ سے خالی ہو جاتی، کاش کہ جس روز نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے مجھ سے فرمایا تھا، اسی روز اسلام قبول کر لیا۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قبول اسلام میں تاخیر کی وجہ سے بہت نادم تھے۔ فتح مکہ کے بعد وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ کو اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع دی اور پھر آپ سے کسی جاگیر کی درخواست کی۔ آپؐ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ان کا مطلوبہ علاقہ انہیں معافی میں دے دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی شہر میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ چنانچہ ان کا شمار کوفی صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت ذوالجوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں — یہ کہ جب وہ بات کرے تو اس میں جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اسے ایفا نہ کرے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح مسلم)

حضرت ذُو مِخمَر رضؓ

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن سعدؒ اور امام اَوزاعیؒ کے نزدیک ان کا نام ذُو مِخمَر ہے مگر امام ترمذیؒ نے ان کا ذکر ذو مخبر کے نام کے ساتھ کیا ہے۔ نجاشی (شاہِ حبشہ) کے بھتیجے تھے گویا ان کی رگوں میں شاہی خاندان کا خون دوڑتا تھا۔ یہ بات تو ثابت ہے کہ نجاشی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے لیکن وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے البتہ انہوں نے اپنے برادر زادہ حضرت ذو مخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔

اربابِ سِیَر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت ذو مخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے یا مدینہ مُنَوَّرہ پہنچ کر سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حبشہ ہی میں اپنے نیک فطرت چچا کے ساتھ مُشَرَّف بہ اسلام ہو گئے تھے اور مدینہ مُنَوَّرہ حالتِ اسلام میں پہنچے۔

حضرت ذو مخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اہلِ حبشہ کے بہتر آدمیوں کے اس وفد میں شامل تھے جو ۶ ہجری کے آخر میں حبشہ سے مدینہ مُنَوَّرہ کے لیے روانہ ہوا [1]

---

[1] مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وفد سے پہلے حبشہ سے دو اور وفدوں نے بھی مدینہ مُنَوَّرہ کا عزم کیا تھا۔ ان میں سے ایک وفد تو مدینہ مُنَوَّرہ پہنچنے سے پہلے ہی سمندر میں ڈوب گیا۔ البتہ دوسرا وفد مدینہ مُنَوَّرہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔
اس وفد کے بارے میں ابن ہشامؒ اور بیہقیؒ نے امام محمد بن اسحاقؒ کے حوالے سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان اصحاب کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آرہے تھے۔ اہلِ حبشہ اسی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ خیبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بیان کیا ہے کہ ہجرتِ حبشہ (۵ھ اور ۶ھ بعد بعثت) کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی خبریں حبش کے ملک میں پھیلیں تو وہاں سے تقریباً بیس عیسائیوں کا ایک وفد تحقیقِ حال کے لیے مکہ آیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر آپؐ سے کچھ سوالات کیے۔ آپؐ نے ان سوالوں کا جواب دیا۔ پھر آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ پاک کی چند آیات ان کے سامنے پڑھیں۔ یہ آیات سن کر وہ اشک بار ہوگئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ بلاشبہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ اس موقع پر مشرکینِ قریش کا ایک گروہ بھی قریب کھڑا تھا۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھی بھی ان کے پیچھے ہولیے اور کچھ دور جاکر ان کو ملامت کرنے لگے کہ تم بڑے نامراد لوگ ہو، تم تو اپنے ہم مذہب لوگوں کی طرف سے اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ اس شخص کے حالات کی پوری تحقیق کرو اور پھر واپس آکر انہیں صحیح صحیح خبر دو مگر تم نے اس سے پہلی ہی ملاقات میں اپنا دین چھوڑ دیا اور اس کے دین میں داخل ہوگئے۔ بھلا تم سے بڑھ کر بھی کوئی احمق ہوسکتا ہے؟

انہوں نے جواب دیا ——————

"سلام ہے بھائیو تم کو، ہم تم سے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے تم اپنے راستے پر چلتے رہو اور ہمیں ہمارے راستے پر چلنے دو۔ ہم جان بوجھ کر بھلائی سے کیوں محروم رہیں۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفرؓ اور حبشہ سے ان کے ساتھ آنے والے مسلمانوں نے تو خیبر جا کر بارگاہِ رسالت میں شرفِ باریابی حاصل کیا۔ لیکن اہلِ حبشہ کا وفد مدینہ منورہ ہی میں رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے تو اہلِ حبشہ آپ کی زیارت سے شاد کام ہوئے۔ حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اس وفد میں جو اصحاب شامل تھے ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت ابرہہؓ۔ حضرت ادریسؓ۔ حضرت اشرف حبشیؓ۔ حضرت بحیر الحبشی۔ حضرت تمامؓ۔ حضرت تمیم الحبشیؓ۔ حضرت درید الراہب۔ حضرت ذودجنؓ۔ حضرت ذومناحبؓ۔ حضرت ذومہدمؓ۔ حضرت عامر الشامیؓ۔ حضرت نافعؓ۔

ان میں سے بعض اصحاب نے مدینہ منورہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وفد کے اہلِ کتاب صحابہ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ ○ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا (سورۃ القصص آیات ۵۲ تا ۵۴)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰھِلِیْنَ۔ (القصص آیۃ ۵۵)

(اور جب انہوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم کو سلام ہے ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے) (سیرۃ النبویہ۔ البدایہ والنہایہ)

(تفہیم القرآن جلد سوم)

ترجمہ "جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر (ثابت قدمی) کے بدلے میں دوہرا اجر دیا جائے گا۔"

بقول مفسرین سورہ المائدہ کی یہ آیتیں بھی ان اصحاب کے بارے میں نازل ہوئیں:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

(المائدہ آیۃ ۸۲-۸۳)

ترجمہ "ایمان لانے والوں میں آپ دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ ان میں عباد اور عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

(الاصابہ۔ اُسدُ الغابہ۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین)

اس وفد کے جن ارکان نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار

کرلی، حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ شاہی خاندان کے ان رجلِ رشید کو یہ مہتم بالشان شرف حاصل ہوا کہ وہ سید الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خادموں میں شامل ہو گئے اور آپؐ کی خدمت ہی کو اپنی زندگی کا مقصدِ وحید بنا لیا۔ بعض اہلِ سِیَر نے ان کو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے غلاموں (موالی) میں شمار کیا ہے۔ خادم ہوں یا غلام، ان کی سعادت اور خوش بختی میں کلام نہیں۔ ؎ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

غزوات میں حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اسفار میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔ چونکہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اکثر اسفار (ہجرت مدینہ) کے بعد غزوات کے سلسلے میں ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی تھی۔

مُسندِ احمد بن حنبل میں ان سے مروی یہ بیان ملتا ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپؐ کا معمول تھا کہ تیزی سے چلتے ہوئے لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (ایسا آپؐ زادِ راہ کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کیونکہ سفر جلد ختم ہونے سے زادِ راہ بھی کم صرف ہوتا تھا) چنانچہ اس سفر میں بھی آپؐ آگے نکل گئے تو ایک صاحب نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں۔"

یہ سن کر آپؐ وہیں ٹھہر گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:

"اگر تم لوگ چاہو تو یہاں کچھ آرام کر لو۔"

پھر فرمایا:

"رات کو نگرانی کی خدمت کون انجام دے گا؟"

حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔"
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا: "غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔"

میں آپؐ کی اور اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور لے گیا اور دونوں اونٹنیوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں نے ان پر برابر نظر رکھی لیکن پھر مجھے نیند آ گئی۔ میں ایسی غفلت کی نیند سویا کہ جب بیدار ہوا تو سورج کی کرنیں مجھ پر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں دونوں کی نکیل پکڑ کر وہاں پہنچا جہاں سب لوگ سو رہے تھے۔ میں نے کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا، کیا تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا، نہیں۔ پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اٹھے۔ آپؐ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نمازِ فجر کی قضا ادا کی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۴)

حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو وہ شام چلے گئے، اور وہیں وفات پائی۔ (سالِ وفات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں)

حضرت ذومخمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی چند احادیث مسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃ میں جبیر بن نفیرؒ، عمرو بن عبد الحضرمی، ابوحی المؤذنؒ اور عباس بن عبدالرحمٰنؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے مروی ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ دو مزید یہ ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہلکا سا) وضو کیا جس سے مٹی بھی نہیں بھیگی (یعنی کیچڑ نہیں ہوئی) پھر آپؐ نے بلال کو حکم دیا۔ انہوں نے اذان کہی بعد اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اطمینان کے ساتھ پڑھی۔ (پھر) آپؐ نے بلال سے فرمایا، نماز کو قائم کرو (یعنی اقامت کہو) اس کے بعد آپؐ نے نماز پڑھائی۔ کسی قسم کی عجلت آپ کو نہ تھی۔ (ابوداؤد)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ معاملہ (خلافت کا) قبیلہ حمیر میں تھا مگر اب اللہ نے اس کو قریش میں قائم کر دیا ہے۔ (اُسد الغابہ) —— رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ذوالخویصرہ یمانی رضؓ

اہلِ سیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا البتہ ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ بالکل سادہ لوح بدوی (دیہاتی) تھے۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کے بعد عرض کیا :

" اے اللہ کے رسولؐ ! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپؐ کو جنت میں داخل کرے اور ہمارے سوا اور کسی کو داخل نہ کرے۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (متبسم ہو کر) فرمایا :

" تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔"

اس کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اب ذوالخویصرہؓ مسجدِ نبوی کے اندر گئے اور اپنا تہبند کھول کر مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اس پر صحابۂ کرامؓ نے آوازیں بلند کیں اور اس کو مارنے کے لیے تیار ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی آوازیں سنیں تو آپؐ تشریف لائے اور صحابہؓ سے فرمایا، ٹھہر جاؤ !

صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، نرمی کرو (یہ ناسمجھ ہے) اس کو تعلیم دو۔

• پھر آپؐ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ پانی کا ایک ڈول لاؤ اور اس کے پیشاب کی جگہ پر بہا دو۔

حضرت ابوالخویصرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالات کسی نے بیان نہیں کیے۔ ہم نے ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی

اور اندازِ تبلیغ کا اندازہ کیا جا سکے۔ آپؐ کی یہی نرم دلی اور حسنِ خلق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ (آلِ عمران۔ آیۃ ۱۵۹)

(سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ (اے نبی) تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ متفرق ہو جاتے تمہارے پاس سے۔ تم ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے بخشش مانگو اور ان سے دین کے کام میں مشورہ لو پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں)

تاریخ میں ابوالخویصرہ کنیت کے ایک اور شخص کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کا نام حرقوص بن زہیر تھا اور اس کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت اس شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: ــــــ

"یا رسول اللہ! انصاف کیجئے"

آپؐ نے فرمایا: ــــــ

"تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ــــــ

"یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔"

آپؐ نے فرمایا: ــــــ

"نہیں اس شخص کے کچھ اور ساتھی ہیں جن کی نماز روزے کے

سامنے تم اپنی نماز روزے کو حقیر سمجھو گے۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ـــــ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

پھر آپؐ نے ان لوگوں کی کچھ نشانیاں بتائیں۔ شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا وہ خوارج تھے۔ ذوالخُوَیصِرہ بھی خارجی ہو گیا تھا۔ ۳۷ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا ـــــ خارجی ہونے کی بناء پر یہ صحابہؓ کی مقدس جماعت سے خارج ہو گیا۔

اور یہ جن ابوالخُوَیصِرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ یمانی تھے اور اربابِ سِیَر نے اُن کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ لوگو! آپس میں حسد نہ کرو اور آپس میں بُغض نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطعِ تعلق کرو ـــــ اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(صحیح مسلم)

حضرت ذُوَیبؓ بن حَلحَلہ خُزَاعی

ان کا خاندانی تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا اس لیے ان کو
کعبی بھی کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

ذویبؓ بن حلحلہ بن عمرو بن کلیب بن اصرم بن عبداللہ بن قمیر
بن حبشیہ (حبشہ) بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ
بن عمرو بن عامر خزاعی کعبی۔

کنیت ابو قبیصہ تھی۔

ان کی مستقل سکونت قُدَیْد میں تھی جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستے
میں ایک قصبہ تھا۔ مکہ معظمہ سے اس کی مسافت ۱۶۸ کلومیٹر ہے۔ ابن اثیرؒ
کا بیان ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں بھی ایک گھر بنالیا تھا۔ اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ بھی آتے رہتے تھے۔

فتح مکہ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور پھر فتح مکہ میں رسولِ اکرم
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ عہدِ رسالت کے دوسرے
غزوات میں ان کی شرکت کے بارے میں اہلِ سیر نے کچھ نہیں لکھا۔ قیاس
یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ہوں گے۔

ابن سعدؒ اور ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے
قربانی کے جانور مکہ لے جانے کی خدمت حضرت ذویب بن حلحلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
کے سپرد کر رکھی تھی اور انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ اگر کوئی جانور راستے میں
تھک کر بیٹھ جائے اور آگے جانے سے معذور ہو جائے (بروایتِ دیگر ہلاک
ہونے لگے) تو اسے ذبح کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک اور روایت

میں یہ اضافہ ہے کہ آپؐ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ ذبح کیے جانے والے جانور کا گوشت نہ خود کھائیں اور نہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانے دیں۔

ایک روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قربانی کے جانور مستقلاً ان کی تحویل میں رہتے تھے۔ ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ اس خدمت کی بناء پر ان کا لقب "صاحب بُدْنِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" (یعنی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قربانی کے جانوروں والے) مشہور ہو گیا تھا۔[1]

بقول حافظ ابنِ عبد البرؒ حضرت ذویب بن حلحلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت کے اواخر یا یزید کے عہدِ حکومت کی ابتداء میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] ایک اور صحابی حضرت ناجیہ بن جُندُب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بھی یہی لقب تھا۔ وہ صلح حدیبیہ میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے اور آپؐ کے قربانی کے جانوروں کے نگران تھے۔ عمرۃ القضاء (سنہ ۷ھ) اور حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ھ) میں بھی یہ خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جانوروں کی نگرانی اور قربانی کی خدمت حضرت ناجیہؓ اور حضرت ذویبؓ نے مل کر انجام دی تھی۔ حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت رافعؓ بن حارث انصاری

خزرج کے خاندانِ نجار کے چشم وچراغ تھے۔ جمہور ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے :- رافعؓ بن حارثؓ بن سواد بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار لیکن واقدیؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے :

رافعؓ بن حارثؓ بن سواد بن عمارہ بن اسود بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں (کچھ پہلے یا کچھ بعد) اسلام قبول کیا ـــــ اور راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ بدر سے لے کر تمام غزوات ومشاہد میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہم رکاب رہے اور عہدِ رسالت کی بیشتر سعادتوں سے بہرہ یاب ہوئے۔ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ـــــ جو شخص باوجود حق پر ہونے کے جھگڑا چھوڑ دے میں اس کا ضامن ہوں کہ بہشت کے کنارہ میں اس کو جگہ دلا دوں اور جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اگرچہ مزاح اور خوش طبعی کرنے والا ہو میں اس کو بہشت کے بیچوں بیچ گھر دلانے کا ضامن ہوں اور جو شخص اپنا خلق سنوار دے میں اس کو بہشت میں اوپر کے درجہ میں گھر دلانے کا ضامن ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

حضرت رافع رضؓ بن سہل انصاری

خاندانی تعلق خزرج سے تھا اور بنو قواقل کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

رافعؓ بن سہل بن رافع بن عدی بن زید بن امیہ بن زید

"قواقل" جن کے حضرت رافعؓ حلیف تھے۔ غنم بن عمرو بن عوف بن خزرج کی اولاد کو کہتے ہیں کیونکہ "غنم" کا دوسرا نام یا لقب قوقل تھا۔

بقول ابن اثیرؒ "بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے"۔ لیکن جمہور ارباب سیر نے ان کا نام شرکائے بدر میں نہیں لیا۔ صحیح یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہد رسالت کے دوسرے تمام مشاہد میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت رافعؓ نے فتنۂ ردّہ کے استیصال کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ وہ اس اسلامی لشکر میں شریک تھے جو حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے یمامہ کی لڑائی میں مسیلمہ کو تباہ کن شکست دی۔ حضرت رافعؓ اسی لڑائی میں مرتدین کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہیے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت رافع رضؓ بن عمرو ثعلبی غفاری

ان کا تعلق بنو کنانہ کی شاخ بنی ثعلبہ سے تھا۔ نعلیہ ثعلبہ، غفار بن ملیک کا بھائی تھا اس لیے ان کو غفار کی طرف منسوب کر کے غفاری بھی کہا جاتا ہے۔

نسب نامہ یہ ہے:

رافعؓ بن عمرو بن مجدع بن حزیم بن حارث بن نعلیہ (بروایتِ دیگر نحیلہ) ثعلبہ (نعلیہ ثعلبہ) بن ملیک (بروایتِ دیگر ملیل) بن ضمرہ بن بکیر (یا بکر) بن عبدِ مناۃ بن کنانہ۔

ضمرہ کی نسبت سے ان کو ضمری اور کنانہ کی نسبت سے کنانی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت رافعؓ مشہور صحابی حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری کے بھائی تھے[1]

---

[1] حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے لیکن ابنِ سعدؒ کے بیان کے مطابق وہ اسلام قبول کرنے کے بعد کئی سال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وہ مدینہ منورہ سے بصرہ کے نوآباد شہر میں چلے گئے۔ ۲۳ھ ہجری میں حضرت عمرِ فاروقؓ نے انہیں مکران کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ یہ مہم انہوں نے کامیابی سے سرانجام دی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں وہ ان سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ ۴۴ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ خراسان کے گورنر مقرر ہوئے۔ اپنے دورِ امارت میں انہوں نے ہرات، جوزجان، ماوراء النہر اور مرو وغیرہ کے علاقے فتح کیے۔ ۵۰ھ ہجری میں غور کے باشندوں کی بغاوت کو کچلا۔ وہ بڑے پرہیزگار اور خداترس بزرگ تھے۔ ایک دفعہ مشرقی ممالک کے گورنر زیاد بن ابیہ کی طرف سے انہیں ایک ایسا حکم موصول ہوا جسے وہ شریعتِ اسلامیہ کی روح کے منافی سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس کی تعمیل سے صاف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت رافعؓ بن عمرو کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ ان سے مروی ایک حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے مسلمان تھے اور ان کے بچپن کا زمانہ مدینہ مُنوَّرہ میں گزرا، البتہ کُتُبِ سِیَر سے ان سوالوں کا جواب نہیں ملتا کہ وہ مدینہ مُنوَّرہ کب اور کیسے پہنچے؟ کیا ان کے اہلِ خاندان مسلمان ہو کر مدینہ مُنوَّرہ آگئے تھے اور انصار کے کسی خاندان سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے تھے؟ حضرت رافعؓ کی زندگی کیسے گزری اور انہوں نے کب اور کہاں وفات پائی؟ تاہم ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے مروی دو حدیثیں یہ ہیں:

(۱) میں بچپن میں انصار کے درختوں پر ڈھیلے پھینکا کرتا تھا پس نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس شکایت کی گئی کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو کھجور کے درختوں پر ڈھیلے پھینکا کرتا ہے۔ پھر لوگ مجھے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے گئے۔

آپؐ نے فرمایا، اے لڑکے تو کھجور کے درختوں پر ڈھیلے کیوں پھینکتا ہے؟

میں نے جواب دیا، کھجوریں کھانے کے لیے۔

آپؐ نے فرمایا، ڈھیلے نہ پھینکا کرو، جو کھجوریں درخت کے نیچے گری ہوں ان کو کھا لیا کرو ——— پھر آپؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی:

اے اللہ! اس کا پیٹ بھر دے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

انکار کر دیا اور جس بات کو درست سمجھتے تھے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد دعا کی کہ الٰہی اگر تیرے پاس میرے لیے بھلائی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے مَرْو کے مقام پر وفات پائی۔ ان کا سالِ وفات ۵۰ھ ہجری بیان کیا جاتا ہے۔ ان سے مروی چند احادیث بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

[1] ایسی ہی ایک حدیث حضرت عُفَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے بھی مروی ہے۔ ہو سکتا ہے ان کو بھی اپنے بچپن میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہو۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہ اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔[1]

---

[1] ایسی حدیث کچھ اور صحابۂ کرامؓ سے بھی مروی ہے۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث میں خوارج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں خروج کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نہروان کی لڑائی میں شکست دی۔ یہ لوگ بظاہر بڑے عابد و زاہد تھے۔ ساتھ ہی بڑے دلیر اور جنگجو تھے لیکن ان کے عقائد جمہور مسلمانوں کے عقائد سے مختلف تھے۔ بعض عرب ملکوں میں ان کی باقیات آج بھی پائی جاتی ہیں۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ:
آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا، اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔

(مسند احمد)

حضرت رافع رضؓ بن عنجدہ انصاری

اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھے۔

(بقول ابن اثیرؒ وہ بنی امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس سے ہیں)

والد کا نام عبدالحارث تھا اور والدہ کا نام عنجدہ۔

انہوں نے اپنی والدہ کی ابنیت سے شہرت پائی۔ بعض روایتوں میں ان کا نام رافع بن عنترہ بھی آیا ہے اور رافع بن عنجرہ بھی —— مگر زیادہ مشہور رافع بن عنجدہ ہی ہے۔

غزوۂ بدر سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور پھر رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

شوال ۳ھ ہجری میں وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے غزوۂ احزاب میں دادِ شجاعت دی۔

اربابِ سیر نے ان کی زندگی کے باقی حالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی اور ان کا سالِ وفات تک نہیں لکھا۔ ابن اسحاقؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت رافعؓ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبوی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت رافع بن مُعلّٰی انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی حبیب بن عبد حارثہ کے چشم وچراغ تھے۔اس خاندان کو بنی جشم بن خزرج بھی کہا جاتا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

رافعؓ بن مُعلّٰی بن لوذان بن حارثہ بن عدی بن زید بن ثعلبہ بن زید مناۃ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔

بعض روایتوں میں ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

رافعؓ بن مُعلّٰی بن لوذان بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ بن عدی بن مالک بن عبد مناۃ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رمضان المبارک ۲ھ ہجری سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اسی غزوے میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔ ایک روایت کے مطابق ان کو عکرمہ بن ابی جہل نے شہید کیا۔ ان کے بھائی حضرت ہلال بن مُعلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ساتھ شریکِ بدر تھے۔ بعض نے ان کو شہیدِ بدر بتایا ہے لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ بدر میں حضرت رافعؓ شہید ہوئے۔ تاہم بدر کے بعد حضرت ہلالؓ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہاری پناہ میں آنا چاہے اسے پناہ دو اور جو تم سے سوال کرے اس کو دو اور جو تمہاری دعوت کرے اس کو قبول کرو اور جو تم سے نیک سلوک کرے اس کا بدلہ دو اگر استطاعت نہیں رکھتے تو اس کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (ابوداؤد)

حضرت رباح اسودؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ یہی اتنا بڑا شرف ہے کہ اس کے سامنے نام و نسب کی کوئی اہمیت نہیں۔

ان کو اسود اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان کا رنگ بہت سیاہ تھا۔ غالباً کسی افریقی ملک کے باشندے تھے۔

حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف اوقات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف نوعیت کی خدمات انجام دیا کرتے تھے ان میں دربانی کی خدمت بھی شامل تھی۔

ان کا نام غزوۂ ذی قرد یا غزوۂ غابہ کے ذکر میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر بنی غطفان کے علاقہ کے قریب ذی قرد ایک چشمہ تھا۔ اس سے متصل مدینہ منورہ کی جانب ایک وسیع جنگل تھا جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ ۶ ہجری کے اواخر میں عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ غابہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور گلہ بان حضرت ذرؓ بن ابوذر غفاریؓ کو شہید کر کے بیس شیردار اونٹنیاں ہانک کر لے چلا۔ اتفاق سے حضرت رباحؓ اور حضرت سلمہؓ بن اکوع گھوڑے پر سوار وہاں آ نکلے۔ حضرت سلمہؓ نے حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دینے مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور خود تن تنہا لٹیروں کا تعاقب شروع کر دیا۔ حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو

آپ پانچ سو مسلح جاں نثاروں کے ساتھ ذی قرد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس اثناء میں حضرت سلمہؓ نے لٹیروں سے سب اونٹنیاں چھین کران کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

واقعۂ ایلاء (۹ھ) میں بھی حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آتا ہے۔ جن دنوں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا بالاخانے میں اقامت اختیار کرلی تھی، حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی آپؐ کے دربان تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو حضرت رباحؓ ہی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کی۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر دیا تھا مگر انہوں نے آپؐ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔
(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
(۳) جب عہد کرے تو توڑ ڈالے۔
(۴) جب لڑے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت رباحؓ بن رُبَیع تمیمی

عرب کے مشہور قبیلہ بنی تمیم کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
رباحؓ بن رُبَیع بن صیفی بن رباح بن حارث بن مخاشن بن معاویہ بن شریف بن جردہ بن اسید بن عمرو بن تمیم تمیمی۔
جلیل القدر صحابی حضرت حنظلہؓ بن رُبَیع کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بھائی تھے۔
حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی کسی نے تصریح نہیں کی لیکن قیاس یہ ہے کہ انہوں نے دعوت توحید کے اوائل میں اپنے بھائی کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا کیونکہ ان کے ایک سو نوے سالہ چچا اکثم بن صیفی، جو عرب کے مشہور حکیم تھے، بعثتِ نبوی سے پہلے نبی آخرالزمان کے ظہور کی خبر دیا کرتے تھے۔ جب انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو انہوں نے آپؐ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب مرحمت فرمایا تو اکثم بن صیفی بہت خوش ہوئے اور اپنے اہلِ خاندان کو جمع کرکے انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپؐ پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ غالباً اسی زمانے میں حضرت حنظلہؓ اور حضرت رباحؓ سمیت بنو تمیم کے بعض سعادت مند افراد نے اسلام قبول کیا۔ البتہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کی سعادت ان کو چند سال بعد نصیب ہوئی۔ اپنے وطن سے آنے کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی تھی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو وہ بصرہ منتقل ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔
اربابِ سیر نے یہ صراحت تو نہیں کی کہ حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک ہوئے۔ لیکن بعض روایتوں سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض غزوات میں ان کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ خود حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ رہ کر غزوہ کیا۔ آپؐ نے ہم میں سے ہر تین کو ایک اونٹ دے رکھا تھا۔ دو آدمی (بیک وقت) اونٹ پر سوار رہتے اور ایک اس کو ہنکا کرے چلتا۔ جنگل اور میدان میں تو ہم اس طرح کرتے البتہ پہاڑوں میں ہم سب اونٹ سے اتر جاتے۔ (میدان یا جنگل میں سفر کرتے ہوئے ایک موقع پر) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میرے پاس سے گزرے۔ میں اس وقت پیدل چل رہا تھا۔ آپؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"اے رباح! میں تجھ کو پیادہ چلتے دیکھ رہا ہوں۔"

میں نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! میں ابھی اونٹ سے اترا ہوں اور یہ میرے دونوں ساتھی سوار ہوتے ہیں۔

پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میرے دونوں ساتھیوں کے قریب سے گزرے (اور ان سے کچھ فرمایا۔ آپؐ کے آگے بڑھ جانے کے بعد) انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس سے اتر پڑے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اس اونٹ کے اگلے حصہ پر سوار ہو جاؤ اور (تمام سفر کے دوران میں) اسی پر رہو اور ہم دونوں میں سے ایک ایک باری باری تمہارے ساتھ سوار ہوتا رہے گا۔

میں نے پوچھا: "یہ کس لیے"

ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (ہم سے) فرمایا کہ تم دونوں کا ساتھی بھلا (نیک) آدمی ہے۔ اس کی صحبت میں اس کے ساتھ (اچھا) سلوک کرنا۔ (طبرانی۔ کنز العمال)

اس روایت سے جہاں حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی غزوے

میں شرکت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک بھلا آدمی سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ لوگ ان سے اچھا (امتیازی) سلوک کریں۔

ایک اور حدیث میں حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ رسالت کے کسی غزوے کا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد (غزوے) میں تشریف لے گئے۔ مقدمۂ لشکر میں خالدؓ بن ولید تھے (یعنی مقدمۃ الجیش یا ہراول کے افسر خالدؓ بن ولید تھے) میرا (رباح کا) اور بعض دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت پر ہوا جس کو مقدمۂ لشکر میں سے کسی نے قتل کر دیا تھا۔ ہم لوگ کھڑے ہو کر اس مقتول عورت کو دیکھنے لگے۔ وہ بہت حسین وجمیل تھی اور ہم اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار وہاں تشریف لائے۔ ہم لوگ وہاں سے ہٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ عورت تو لڑتی نہ تھی (یہ کیوں قتل کی گئی) اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور ایک شخص سے فرمایا کہ خالد بن ولید سے جا کر کہہ دو کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو ہرگز قتل نہ کریں۔" (اُسدُ الغابہ)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رباح بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ (جمع ہو کر) خوشی کرتے ہیں۔ کاش ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر ہو جاتا۔ پس سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت رباح بن رُبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالِ وفات کسی کتاب میں بیان نہیں کیا گیا۔

حضرت ربیعہؓ بن رفیع سُلمی

ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو سُلَیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
ربیعہؓ بن رفیع بن اہبان بن ثعلبہ بن ضبیعہ بن ربیعہ بن یربوع
بن سمال بن عوف بن امرؤ القیس بن بہثہ بن سُلَیم۔

ان کا نام تو ربیعہ تھا لیکن تاریخ میں انہوں نے ابن الدُّغُنَّہ —— یا ابن الدَّغِنہ کے نام سے شہرت پائی۔ بقول حافظ ابن عبدالبرؒ، دَغِنہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ بعض لوگ ان کا نام لدغہ بھی بتاتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں وہ بنی الهون بن خزیمہ بن مدرکہ کی ایک شاخ قارہ کے سردار تھے۔ اس زمانے میں ان کی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات اور ان کو پناہ دینے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے —— اس کی تفصیل یوں ہے:

۴ سنہ بعد بعثت کے اوائل میں جب فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ کا حکمِ خداوندی نازل ہوا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کو عام کر دیا اور تمام لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ اس پر کفارِ مکہ نے دعوتِ توحید قبول کرنے والوں پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب ان کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو بعثت کے پانچویں اور چھٹے سال سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر بہت سے مظلوم مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے جہاں ایک نیک دل بادشاہ حکمران تھا۔ کفار کے انسانیت سوز مظالم کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بلند مرتبہ اور باا‌ثر شخصیت نے بھی مکہ سے ہجرت کر کے حبش جانے کا

ارادہ کرلیا۔ چنانچہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے مکہ معظمہ سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ حبشہ کے دوسرے مہاجرین سے جا ملیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب وہ بَرکُ الغماد[1] پہنچے (جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی راہ پر ہے) تو رئیسِ قارہ ابن الدغنہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ایک اور روایت میں (جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے منقول ہوئی ہے) بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے ایک یا دو دن کی راہ گئے تھے کہ ابن الدغنہ ان کو ملے جو اس زمانے میں احابیش کے سردار تھے[2]۔ ابن الدغنہ نے ان سے پوچھا:—

"ابوبکر! کدھر کا ارادہ ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، سخت اذیتیں دی ہیں۔ مکہ کی سرزمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کردی ہے، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر یادِ الٰہی میں مشغول رہوں۔"

ابن الدغنہ نے کہا:—

---

[1] حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں اس مقام کا یہی نام لکھا ہے البتہ بعض دوسری کتابوں میں اس کا نام بِرکُ الغماد اور بِرکُ الغُماد بھی منقول ہے۔

[2] احابیش میں تین قبیلے بنو الحارث عبد مناۃ بن کنانہ، بنی الہُون بن خزیمہ بن مُدرکہ (یعنی قبائل قارہ اور دیش) اور بنو المصطلق شامل تھے۔ ان لوگوں نے اُحُبشِ نامی ایک وادی میں باہم دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا تھا اس لیے احابیش کہلاتے تھے گویا احابیش کا لفظ مذکورہ تین قبائل کے "اتحاد" کا مظہر اور نشان تھا۔

"کیوں؟ ابوبکر! تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ خدا کی قسم تم تو معاشرے کی زینت ہو۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہو، صلۂ رحمی کرتے ہو۔ یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری اور کفالت کرتے ہو، مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہو، غریبوں کو کما کر دیتے ہو، نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہو۔ واپس چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اپنے شہر ہی میں اپنے رَبّ کی عبادت کرو۔"

پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ آئے اور اشرافِ قریش سے فرداً فرداً مل کر کہا کہ تم پر افسوس ہے کہ ایک ایسے شریف اور نیک دل انسان کو شہر سے نکالتے ہو جو انتہا درجے کا مہمان نواز اور بیکسوں اور کمزوروں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتا ہے — اور رشتہ داروں کی مدد کرتا ہے۔ ایسا آدمی یہاں سے نہیں نکل سکتا اور نہیں نکالا جا سکتا۔

ابنِ اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ ابن الدغنہ نے مکہ پہنچ کر اعلان کیا کہ میں نے ابو قحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے اب کوئی ان کے ساتھ بھلائی کے سوا کوئی اور سلوک نہ کرنے پائے۔

عمائدِ قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہم تمہاری امان کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر جس طرح جی چاہے اپنے رَبّ کی عبادت کریں اور جو چاہیں، پڑھیں لیکن بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں اور نہ گھر کے باہر پڑھیں کیونکہ اس طرح ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الدغنہ کے اصرار پر گھر کے اندر ہی عبادت کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے گھر کے احاطے میں

ایک چھوٹی سی مسجد بنالی اور اسی میں نماز پڑھنے لگے۔ دل بڑا رقیق اور گداز پایا تھا۔ نماز پڑھتے یا قرآن کی قرأت کرتے تو ان کی پُرسوز آواز قریش کی عورتوں، بچوں اور نوجوانوں پر بہت اثر کرتی اور وہ قرآن سننے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پڑھتے پڑھتے رونے لگتے۔ اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں اور سننے والوں پر اس کا اور زیادہ اثر ہوتا۔

مشرکین قریش کو یہ صورت حال دیکھ کر سخت تشویش پیدا ہوئی۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ہم نے تمہاری خاطر ابوبکر کو اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کریں لیکن وہ گھر کے احاطے میں مسجد بنا کر علانیہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور قرآن بھی۔ اس سے ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں ڈال دیں گے۔ ان کو ایسا کرنے سے منع کرو — یا تو خاموشی سے اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں اور اگر وہ یہ کام علانیہ کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہو کہ تمہارا ذمہ واپس کر دیں کیونکہ ہم تمہارے ذمہ کو توڑنا نہیں چاہتے۔

ابن الدغنہ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"ابوبکر! تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حمایت اور حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لیے یا تو تم اس شرط کی پابندی کرو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو۔ میں نہیں چاہتا کہ عرب میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی اور میری پناہ کو توڑ ڈالا گیا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال استغنا سے جواب دیا:

"اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضیٰ بِجِوَارِ اللّٰہِ" یعنی میں

تمہاری پناہ تم کو لوٹاتا ہوں۔ میں اپنے اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔
ابن الدغنہ نے مشرکین قریش کے عمائد کے پاس جاکر کہہ دیا کہ ابوبکرؓ نے میرا ذمہ واپس کر دیا ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا آدمی۔
ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ربیعہؓ (ابن الدغنہ) نے اسلام کب قبول کیا لیکن یہ بات ثابت ہے کہ وہ غزوۂ حنین سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور اس غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ بنو ہوازن کے نامی شہسوار درید بن صمہ کو انہوں نے ہی قتل کیا۔ اس کے قتل کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ یہ شخص عرب کے نامی بہادروں میں شمار ہوتا تھا، اور اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گھوڑے کی پیٹھ پر گزارا تھا۔ غزوۂ حنین کے وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا لیکن مسلمانوں سے اس کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ ابن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ جب لڑائی میں کفار کو شکست ہو گئی تو ربیعہؓ بن رفیع نے درید بن صمہ کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ انہوں نے اس کے اونٹ کو بٹھلایا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ درید نے ان سے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو۔ ربیعہؓ نے کہا، میں تجھے قتل کروں گا۔
درید نے پوچھا، تم کون ہو؟
انہوں نے کہا، میں ربیعہ بن رفیع سلمی ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے درید پر تلوار کا وار کیا لیکن یہ وار کارگر نہ ہوا۔
درید نے کہا، تیری ماں نے تجھے بہت برے ہتھیار دیئے۔ میری یہ تلوار پیچھے سے نکال لے اور اس سے مجھے مار، ہڈیوں سے اوپر اور دماغ سے نیچے مار میں لوگوں کو اسی طرح قتل کیا کرتا تھا اور جب تم اپنی ماں کے پاس جاؤ تو اس سے کہنا کہ میں نے درید بن صمہ کو قتل کر دیا ہے۔ خدا کی قسم بہت دن ایسے آئے جب تیرے خاندان کی عورتیں ایسا کرنے سے منع کیا کرتی تھیں۔

اب حضرت ربیعہؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ جب میں نے درید کو قتل کیا تو اس کا بدن کھل گیا، دیکھا تو اس کے سرین اور رانیں کاغذ کی طرح چکنی تھیں۔ ان پر بال نہ تھے۔ یہ کیفیت گھوڑے پر زیادہ سواری کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔

ربیعہؓ جب اپنی ماں کے پاس گئے اور ان کو درید بن صمہ کے قتل کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا، درید نے تمہاری ماؤں کو تین مرتبہ آزاد کیا تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو تمیم کے وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ لیکن ابن اثیرؒ نے اس پر استدراک کیا ہے کہ جو ربیعہ بن رفیع بنو تمیم کے وفد میں شامل تھے وہ اور شخص تھے اور ان کا تعلق بنو عنبر سے تھا۔ وہ رفیع بن سلمہ عنبری کے بیٹے تھے جبکہ یہ ربیعہ، رفیع بن اہبان کے بیٹے تھے۔

حضرت ربیعہ بن رفیع سُلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: "جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔

(مسند احمد)

حضرت ربیعہؓ بن رواء عنسی

ارباب سیر نے ان کا سلسلۂ نسب بیان نہیں کیا، صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بنو عنس سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو عنس قحطانی قبیلۂ مذحج کی ایک شاخ تھے اور ان کی سکونت یمن میں تھی (بعد میں بنو عنس کو بنو عنس اور بنو انس کہا جانے لگا)۔

حضرت ربیعہ بن رواء عنسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شرف صحابیت پر اہل سیر کا اتفاق ہے مگر انہوں نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کس زمانے میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ البتہ بارگاہ نبویؐ میں ان کی حاضری کا واقعہ پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہجرت نبوی کے بعد کسی وقت مدینہ منورہ آئے اس وقت تک اہل حق کو سارے عرب (بشمول یمن) پر غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ربیعہ بن رواء عنسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسے موقع پر حاضر ہوئے جب آپؐ طعام شب تناول فرما رہے تھے (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم تھا کہ آپؐ نے حضرت ربیعہؓ کو طعام سے فارغ ہونے تک انتظار کی زحمت نہ دی۔) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہؓ کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے خوشی سے آپؐ کی دعوت قبول کر لی اور کھانے میں شریک ہو گئے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی (کلمۂ طیبہ پڑھا) پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"تم اپنی رضا و رغبت سے میرے پاس آئے ہو یا کسی خوف کی بنا پر؟"

(بروایت دیگر رغبت سے کلمہ پڑھا ہے یا کسی خوف سے)

انہوں نے عرض کیا

"جہاں تک رغبت کا تعلق ہے تو خدا کی قسم مجھے تو آپ کے پاس مال نظر نہیں آیا جس کی مجھے رغبت ہوتی۔ باقی رہا خوف تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کیونکہ خدا کی قسم ہم جس علاقے میں رہتے ہیں وہاں آپ کے لشکر کا پہنچنا محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے خوفِ آخرت سے ڈرایا گیا تو میں ڈر گیا اور مجھ سے کہا گیا، ایمان لے آؤ تو میں ایمان لے آیا۔ (اس میں کسی خوف یا لالچ کا دخل نہیں ہے)"

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ان کی باتیں پسند آئیں اور آپؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بنو عُذرہ میں بہت خوش بیان لوگ ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کچھ عرصہ مدینہ مُنوّرہ میں مقیم رہے۔ اس دوران میں وہ بارگاہِ نبوی میں برابر حاضر ہوتے رہے اور فیضانِ نبوی سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔ جب انھوں نے مدینہ مُنوّرہ سے چلنے کا ارادہ کیا اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اجازت اور رخصت کے لیے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

"اگر اثنائے سفر میں (بیمار ہو جاؤ اور) تم کو ایسا محسوس ہو کہ تمہارا آخری وقت آ پہنچا ہے تو (جس طرح بھی بن پڑے) کسی قریبی گاؤں میں چلے جانا۔"

لسانِ رسالت سے جو الفاظ نکلے تھے وہ پورے ہو کر رہے۔ حضرت ربیعہؓ مدینہ مُنوّرہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں اتنے بیمار ہو گئے کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ چنانچہ وہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہدایت کے مطابق ایک قریبی گاؤں والوں کے پاس چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔

(طبقاتِ ابنِ سعد، اُسُدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت رُخَیلہؓ بن ثعلبہ انصاری

بعض روایتوں میں ان کا نام رُجَیلہ، رُحَیلہ اور رحیلہ بھی آیا ہے لیکن صحیح رُخَیلہ ہے۔ خزرج کے خاندان بنی بیاضہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

رُخَیلہؓ بن ثعلبہ بن خالد بن ثعلبہ بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زُریق بن عبدِ حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔

رمضان المبارک ۲ھ ہجری سے پہلے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر غزوۂ بدر میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم میں مجھے سب سے پیارا اور میری مجلس میں سب سے مقرب وہ شخص ہوگا جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہوگا اور تم میں قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میری مجلس میں سب سے زیادہ دور، بیہودہ، فضول بناوٹ سے کام کرنے والے اور متکبر لوگ ہوں گے۔

(ترمذی شریف)

حضرت رفاعہؓ بن قرظہ قرظی

خاندانی تعلق یہودِ بنی قُرَیظہ سے تھا اور مدینہ مُنوَّرہ کے رہنے والے تھے۔

۵ھ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اس میں تمام عرب کے مشرکین اور یہود نے ایکا کر کے مدینہ مُنوَّرہ پر چڑھائی کر دی تھی اور مسلمانوں کو خندق کھود کر اپنا دفاع کرنا پڑا تھا۔ یہودِ بنی قُرَیظہ شہر کے اندر آباد تھے اور مسلمانوں سے ان کا صلح و امن کا معاہدہ تھا لیکن جب دشمنانِ اسلام نے مدینہ مُنوَّرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا یہودِ بنی قُرَیظہ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے اور مسلمانوں کی بیٹھ میں چھرا گھونپنے کی ٹھانی۔ اہلِ حق کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ عین اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک مردِ دانا حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کو بارگاہِ رسالت میں بھیج دیا۔ انہوں نے کچھ ایسی تدبیر کی کہ حملہ آور مشرکین قریش اور بنی قُرَیظہ ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے۔ یوں بنی قُرَیظہ کا منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اور خطرہ ٹل گیا۔ لڑائی کے خاتمہ کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنی قریظہ کے محلّے کا محاصرہ کر لیا تاکہ ان کو غداری کی سزا دی جا سکے۔

پندرہ دن کے بعد بنو قُرَیظہ نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ (اُن کے حلیف) رئیس الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ دیا کہ بنو قُرَیظہ کے لڑنے کے قابل تمام مرد قتل کیے جائیں۔ اس فیصلے پر عمل کیا گیا مگر حضرت رفاعہؓ بن قرظہ بچ گئے کیونکہ وہ کمسن (نابالغ) تھے (لڑنے کے قابل نہ تھے۔)

اس واقعہ کے بعد حضرت رفاعہؓ بن قرظہ نے کسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود حضرت رفاعہؓ کا بیان ہے کہ جن دنوں

آدمیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ان میں ایک میں بھی تھا:

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ○ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ○

(القصص آیۃ ۵۱-۵۲)

(اور ہم پے در پے ان لوگوں کے پاس ہدایت کی باتیں بھیجتے رہتے ہیں تاکہ نصیحت پکڑیں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر بھی ایمان لے آتے ہیں (اور قرآن پر بھی)۔

حضرت رفاعہؓ کے بیٹے علی بن رفاعہؒ کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے اس وفد میں جس کے اراکین نے اسلام قبول کیا، میرے والد بھی تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد یہودان کا مذاق اڑایا کرتے تھے مگر ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ اس روایت میں یہ صراحت نہیں کی گئی کہ یہود بنی نضیر اور یہود بنی قینقاع کے مدینہ سے اخراج اور یہود بنی قریظہ کے بالغ مردوں کے قتل کے بعد وہ کون سے یہودی تھے جو حضرت رفاعہؓ بن قرظہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

حضرت رفاعہ بن قرظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالات کتبِ سیر میں نہیں ملتے، البتہ ان کے ایک بیٹے علی کا ذکر کتابوں میں آتا ہے۔ بعض اہلِ سیر نے ان کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے، اور بعض نے ان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے۔ البتہ ان کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتے تھے اور لوگ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ "مخابرہ" کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ——

"مخابرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر اٹھانے کا۔"

حضرت رُکانہؓ بن عبدِ یزید مُطّلبی

ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی مُطّلب سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
رکانہؓ بن عبدِ یزید بن ہاشم بن مُطّلب بن عبدِ مناف بن قُصَیّ قرشی مُطّلبی
والدہ کا نام شفاء بنتِ ہاشم بن عبدِ مناف بن قُصَیّ تھا جو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے دادا حضرت عبدالمُطّلب کی علاتی بہن تھیں[1] اس طرح حضرت عبدالمُطّلب رشتے میں حضرت رکانہؓ کے ماموں تھے اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے والد جناب عبداللہ، رکانہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت رکانہؓ کے والد کو "عبدِ یزید خالص" کہا جاتا تھا کیونکہ ان کے نسب میں کوئی آمیزش نہ تھی (یعنی باپ اور ماں دونوں کا سلسلۂ نسب عبدِ مناف پر جا کر مل جاتا تھا)۔

حضرت رکانہؓ کو اپنے آبائی مذہب سے بڑی محبت تھی، اس لیے وہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی صداقت کے واضح دلائل اور نشانات دیکھنے کے باوجود قبولِ اسلام پر آمادہ نہ ہوئے اور فتح مکہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ رکانہؓ کو کشتی کا بہت شوق تھا اور کسرت اور زور آزمائی نے انہیں ایک شہ زور پہلوان بنا دیا تھا۔ مکہ میں وہ اسی حیثیت سے مشہور تھے۔ سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ ایک دفعہ رکانہ پہلوان رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو مکے کی کسی گھاٹی میں اکیلے مل گئے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے

---

[1] حضرت عبدالمُطّلب کی والدہ کا نام سلمٰی بنتِ عمرو بن زید نجاری تھا اور شفاء کی والدہ کا نام امیمہ بنتِ عدی بن عبداللہ بن دینار (قضاعیہ) تھا۔

ان سے فرمایا : ــــــــ

" اے رُکانہ ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے اور میں تمہیں جس امر کی دعوت دیتا ہوں، اس کو قبول نہیں کرتے ہو"

رُکانہ نے جواب دیا، اے محمدؐ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) تم جو کچھ کہتے ہو اگر میں اس کو سچ جانتا اور حق سمجھتا تو ضرور تمہاری پیروی کرتا۔

آپؐ نے فرمایا، اچھا تو کیا تیری رائے یہ ہے کہ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تم میری بات کو سچی اور حق تسلیم کرو گے ؟

انہوں نے کہا، ہاں۔ چنانچہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رکانہؓ سے کُشتی لڑی اور انہیں پچھاڑ دیا۔ انہوں نے کہا، دوبارہ لڑئیے۔ آپؐ نے دوبارہ انہیں چت کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے انہیں تین مرتبہ پچھاڑا۔

رُکانہ کو اپنی قوّت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنی ہار کا تصوّر بھی نہ کر سکتے تھے۔ اب جو اس بُری طرح ہارے تو گمان کیا کہ حضورؐ نے انہیں جادو کے زور سے ہرایا ہے (نعوذ باللہ) چنانچہ انہوں نے اپنے ہارنے پر سخت تعجب کا اظہار تو کیا مگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ــــ پھر وہ بنی عبدِ مناف کے پاس گئے اور ان کو مخاطب کر کے کہا، اے بنی عبدِ مناف تم اپنے ساتھی کا مقابلہ روئے زمین کے ساحروں (جادوگروں) سے کراؤ۔ خدا کی قسم میں نے تو آج تک اس سے بڑا ساحر (جادوگر) کسی کو نہیں دیکھا[1]

---

[1] علامہ سہیلیؒ نے ایک اور واقعہ حضورؐ کی کشتی کا بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوالاشدین جُمحی جس کا نام کَلَدہ (بفتح لام) تھا، اس کی قوتِ جسمانی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس دس آدمی اس چمڑے کو مل کر کھینچتے تاکہ اس کو وہاں سے ہٹا دیں تو چمڑا پھٹ جاتا مگر ابوالاشد اپنی جگہ سے ہلتا تک نہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپؐ پر ایمان لے آؤں گا۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو کئی مرتبہ پچھاڑا مگر اس کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی [illegible] عبدالوہاب عندلیب)

جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں بھی یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت رُکانہؓ کو دعوتِ اسلام دی تھی اور انہوں نے قبولِ دعوت کو اپنے پچھاڑے جانے پر موقوف رکھا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رُکانہ نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی معجزہ دکھائیں تو میں اسلام لے آؤں گا۔ وہاں قریب ہی ایک درخت تھا جس کی شاخیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے درخت! اللہ کے حکم سے ادھر آجا۔ (اسی وقت) وہ درخت دو حصوں میں منقسم ہو گیا اور اس کا نصف حصہ مع اپنی شاخوں کے رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے چلا آیا۔ یہ دیکھ کر رُکانہ نے کہا، آپ نے مجھے بڑی بات دکھائی اب اس کو واپس اپنی جگہ پر بھیج دیجئے۔ حضورؐ نے ان سے عہد لیا کہ اگر میں اس کو حکم دوں اور یہ اپنی جگہ واپس چلا جائے تو تمہیں اسلام قبول کرنا ہوگا۔ پھر آپؐ نے درخت کو حکم دیا اور وہ اپنے دوسرے حصے سے جا کر مل گیا۔ مگر حضرت رُکانہؓ اس وقت بھی اسلام نہ لائے —— ان کو شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کی توفیق فتحِ مکہ (رمضان ۸ ھ) کے موقع پر نصیب ہوئی۔ اس کے بعد وہ بڑے مخلص مسلمان ثابت ہوئے۔

حضرت رُکانہؓ بہ اختلافِ روایت حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت یا امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت کے اوائل میں فوت ہوئے۔

ایک روایت میں ان کا سالِ وفات ۴۲ ھ بیان کیا گیا ہے۔ ان سے مروی کچھ احادیث کُتبِ حدیث میں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ ہر دین کا ایک خُلق ہوتا ہے اور اس دین کا خُلق حیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زُرعہؓ بن عامر اسلمی

ان کا خاندانی تعلق بنو اسلم سے تھا۔ یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک بطن تھا۔ اس کی جائے سکونت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق مرّ الظہران کے قرب وجوار میں آباد تھا۔ دوسری روایت کے مطابق مکہ کے قریب آباد تھا اور تیسری روایت کے مطابق مدینہ کے نواح میں آباد تھا۔ اصل میں بنو خزاعہ کی بہت سی شاخیں تھیں جو مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ ان میں سے کئی شاخوں کا نام بنو اسلم تھا۔ اختلاف کی یہی وجہ ہے۔

حضرت زُرعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نسب نامہ یہ ہے:

زُرعہ بن عامر بن مازن بن ثعلبہ بن ہوازن بن اسلم اسلمی۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں لیکن اہلِ سیر نے اہلِ بدر کی جو فہرست دی ہے اس میں ان کا نام شامل نہیں ہے۔ شاید اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے ہوں۔ غزوۂ اُحد (شوّال ۳ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔

ابنِ کلبیؒ کا بیان ہے کہ اُحد کے دن سب سے پہلے انہوں نے شہادت پائی۔ یعنی وہ غزوۂ اُحد کے پہلے شہید ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی میّت پہ نمازِ جنازہ پڑھو تو دردِ دل سے اس کے لیے دُعا مانگو۔

(ابوداؤد)

حضرت زہرہؓ بن جُوَیہ

علامہ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

زہرہ بن جُوَیہ بن عبداللہ بن قتادہ بن مرثد بن معاویہ بن قسطن بن مالک بن ازنم بن جشم بن حارث بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم (اُسد الغابہ)

بعض نے ان کے والد کا نام جویّہ (یا کی تشدید کے ساتھ) لکھا ہے۔

علامہ شبلیؒ نے "الفاروق" میں ان کا نام زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ "وہ جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔"

ابن اثیرؒ نے حضرت زہرہؓ کے جو حالات بیان کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بادشاہ نہیں تھے بلکہ بادشاہ (یا حاکم) کی طرف سے سفیر بن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عراقِ عرب کی مہم کا امیر بنایا تو حضرت زہرہؓ ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے ان کی عسکری صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور انہیں اپنے لشکر کے مقدمۃ الجیش (ہراول) کا افسر بنا دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ایران کے ایک نامی بہادر جالینوس کو انہوں نے ہی قتل کیا اور اس کے قیمتی لباس اور سامان پر قبضہ کر لیا۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ حضرت زہرہؓ نے جنگِ قادسیہ میں شہادت پائی لیکن ابنِ اثیرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت زہرہؓ جنگِ قادسیہ کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہے اور حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں شبیب بن یزید خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زُہیرؓ بن صُرد سعدی

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق بنو ہوازن کے مشہور بطن بنی سعد بن بکر سے تھا۔ یہ لوگ (بنو سعد بن بکر) تہامہ کے مشرق (نجد) میں آباد تھے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کھلائی حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا، اسی لیے انہیں حلیمہ سعدیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو صُرد تھی۔ ایک روایت میں ابو برول بھی بیان کی گئی ہے۔

غزوہ حنین (شوال ۸ھ ہجری) کے بعد رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے طائف کا محاصرہ کر لیا لیکن تقریباً تین ہفتوں کے بعد آپؐ نے بوجوہ محاصرہ اٹھا لیا اور جِعِرّانہ[1] تشریف لائے۔ یہاں ایک مشہور روایت کے مطابق آپؐ نے ۱۷ دن قیام فرمایا۔ وہاں نزول اجلال فرمانے کے بعد آپؐ کئی دن تک حُنین کے شکست خوردہ بنو ہوازن کا انتظار کرتے رہے (کہ وہ اسلام قبول کر کے آپؐ کے پاس آئیں) مگر جب وہ نہ آئے تو آپؐ نے حُنین کا تمام مالِ غنیمت صحابۂ کرامؓ میں تقسیم فرما دیا۔

اتفاق کی بات کہ جونہی مالِ غنیمت کی تقسیم مکمل ہوئی۔ بنو ہوازن کا ایک وفد جو چودہ آدمیوں پر مشتمل تھا، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس کے قائد زہیر بن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس وفد میں شامل تمام

---

[1] جِعِرّانہ (الجعرانہ) مکہ معظمہ کے شمال میں طائف کے راستے پر ایک پانی کی جگہ ہے۔ مکہ معظمہ سے اس کا فاصلہ ۲۰ کلومیٹر ہے۔

تمام اصحاب جعرانہ آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ دوسری یہ ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ حضرت زہیرؓ بن صُرَد نے قائدِ وفد کی حیثیت سے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا:

"اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے قبیلے کے شرف و مجد کے لیے کسی ثبوت کی حاجت نہیں۔ اس کی جن عورتوں کو آپ نے باندیوں کی حیثیت سے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا ہے ان میں سے کچھ (دُور کے رشتے سے) آپؐ کی خالائیں ہوتی ہیں یا پھوپھیاں۔ کچھ ایسی بھی ہیں جنہوں نے آپؐ کو بچپن میں پالا اور کھلایا۔ اگر انہوں نے نعمان بن منذر اور حارث غسانی کو دودھ پلایا ہوتا اور ان کو ہم پر وہی اختیار حاصل ہوتا جو آج آپ کو ہم پر ہے تو وہ اس مصیبت میں ضرور ہماری مدد کرتے لیکن آپؐ کی شان تو ان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپؐ سب سے بہتر اور افضل قرابت دار ہیں۔ آپؐ کی صلۂ رحمی زمانے بھر میں مشہور ہے۔ ہم پر احسان فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اے اہلِ ہوازن! میں نے تمہارا کئی دن تک انتظار کیا لیکن تم نے آنے میں بہت دیر کر دی۔ اب تو میں نے سارا مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کون کون ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ سچی بات پسند ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم اپنا مال و اسباب واپس لینا پسند کرو گے یا اپنی اولاد اور عورتیں؟

حضرت زہیرؓ بن صُرَد نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! یہ آپؐ کی شفقت ہے کہ آپؐ نے ہمیں مال اسباب اور اہل و عیال میں سے ایک چیز لینے کا اختیار دیا ہے۔ مال اسباب

میں تو چاندی اور اونٹ بکریاں وغیرہ شامل ہیں لیکن اولاد اور عورتیں تو ہماری عزت و ناموس ہیں۔ عزت و ناموس پر مال اسباب کو ترجیح دینا شرفاء کا شیوہ نہیں، آپ از راہِ احسان ہماری اولاد اور عورتیں ہمیں مرحمت فرمائیے۔"

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اے اہلِ ہوازن! جو چیز میرے اور بنو ہاشم کے حصے میں آئی ہے مجھے اس پر اختیار ہے اس لیے یہ سب تمہارا ہے لیکن جو کچھ دوسرے مسلمانوں کو دیا گیا ہے اس پر میرا اختیار نہیں۔ تم یوں کرو کہ کل فجر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر کہنا کہ ہم مسلمانوں کے لیے رسول اللہ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو سفارشی بناتے ہیں اور رسول اللہ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بناتے ہیں کہ ہماری عورتیں اور بچے جنہیں آپ نے لونڈی اور غلام بنایا ہے ہمیں واپس کر دیں۔

اور دیکھو یہ درخواست پیش کرنے سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار ضرور کر دینا میں بھی ان لوگوں کو ترغیب دوں گا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو رہا کر دیں۔"

دوسرے دن حضرت زُہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ جب وہ اپنی درخواست مسلمانوں کے سامنے پیش کر چکے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا:

"میرے اور بنو ہاشم کے حصے کے قیدی تمہیں واپس کیے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے میں تمہارے لیے سفارش کرتا ہوں کہ اے لوگو! بنو ہوازن تمہارے بھائی ہیں وہ اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔"

آپؐ کا ارشاد سن کر مہاجرین اور انصار سب نے بیک زبان عرض کیا:

"ہمارے حصے کا جو کچھ ہے وہ سب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔"

چنانچہ بنو ہوازن کی تمام عورتیں اور بچے مسلمانوں نے رہا کر دیئے اور حضرت زہیرؓ انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں اپنی درخواست چند فصیح و بلیغ اشعار کی صورت میں پیش کی تھی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعر و شاعری میں اچھی خاصی درک رکھتے تھے۔

اس واقعہ کے علاوہ حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کتبِ سیر میں نہیں ملتے۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کافی عرصہ حیات رہے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو انہوں نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں کسی وقت وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ——— "ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن جائے گا اور حرص سے بچو کیونکہ حرص نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے ہلاک کر دیا۔ ان کو حرص نے اس بات پر آمادہ کیا کہ خونریزیاں کریں اور حرام کو حلال کریں۔" (صحیح مسلم)

حضرت زُہیرؓ بن عیاض فہری

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ قریش کی شاخ بنی فہر سے تھے۔ کتُبِ سیرت میں بنو فہر سے تعلق رکھنے والے عیاضؓ نام کے دو صحابیوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک عیاضؓ بن زہیر اور دوسرے عیاض بن غنمؓ ان دونوں کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

(ا) عیاضؓ بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن اُہیب (یا وہیب) بن ضبیہ بن حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

(ب) عیاضؓ بن غنمؓ بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب (یا وہیب) بن ضبیہ بن حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

مؤخر الذکر عیاضؓ اوّل الذکر عیاضؓ کے برادر زادہ تھے۔

حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اگر ان دونوں میں سے کسی کے بیٹے نہیں تو قریبی رشتہ دار ضرور تھے۔

حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے قبولِ اسلام کے زمانہ کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن "اُسُدُ الغابہ" کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر ہجرتِ مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے غزوۂ بدر کے شرکاء کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت عیاض بن زہیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نام تو شامل ہے لیکن حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نام شامل نہیں، البتہ غزوۂ اُحُد میں ان کی شرکت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ قیاسِ غالب ہے کہ وہ

غزوۂ احزاب میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

شعبان ۵ ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق (غزوۂ مریسیع) پیش آیا۔ اس میں ایک بڑے جوشیلے صحابی حضرت ہشامؓ بن صبابہ (بن حزن بن یسار بن عبداللہ بن کلیب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانۃ الکنانی لیثی) بھی شریک تھے۔ انہوں نے لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عین ہنگامِ دغا میں انصار کی شاخ بنی نجار (بروایتِ دیگر بنی عوف بن خزرج) کے ایک مجاہد نے غلط فہمی سے انہیں کافر سمجھ کر شہید کر دیا۔ بعد میں حضرت ہشام شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بھائی مِقیَس بن صُبابہ[1] (جو اسلام قبول کر چکا تھا) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے بھائی ہشام شہید کے خون بہا کا مطالبہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زہیر بن عیاض فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مِقیَس بن صبابہ کے ساتھ بنو نجار (یا بنو عوف بن خزرج) کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اگر ہشام بن صبابہ کے قاتل کو جانتے ہو تو اسے مِقیَس کے حوالے کر دو اور اگر نہیں جانتے تو خون بہا ادا کرو۔ بنو نجار (یا بنو عوف بن خزرج) نے باہم مل کر خون بہا جمع کیا اور مِقیَس کے حوالے کر دیا۔ جب مِقیَس خون بہا وصول کر چکا تو اس نے حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر اچانک حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا[2] اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ اس موقع پر اس نے کچھ اشعار کہے جن میں سے

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا نام مِقیَس بیان کیا گیا ہے۔

[2] حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ عنہٗ غزوۂ ذی قرد (۶ ہجری) میں شہید ہوئے تھے۔ انہیں غلطی سے عبادہؓ بن صامت کے قبیلے (بنو عوف بن خزرج) کے ایک شخص نے کافر سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ لیکن ابنِ اسحاقؒ اور ابنِ مندہ نے لکھا ہے کہ انہیں بنو عوف ابن خزرج کے ایک شخص نے غزوۂ بنی مصطلق میں شہید کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث میں حضرت ہشامؓ کے قاتل کا تعلق بنو نجار سے بتایا گیا ہے۔ (اسد الغابہ)

ایک شعر یہ ہے:

فَأَدْرَكْتُ ثَارِيْ وَاضْطَجَعْتُ وِسَادَةً
وَكُنْتُ مِنَ الْإِسْلَامِ أَوَّلَ رَاجِعِ

(میں نے انتقام لے لیا اور آرام سے بستر پر لیٹ گیا اور میں اسلام سے پہلے ہی منحرف ہو چکا تھا۔)

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حضرت زہیر بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؐ کو بہت افسوس ہوا اور آپؐ نے مقیس بن صبابہ کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا۔ فتح مکہ کے دن مقیس اپنے چند مشرک دوستوں کے ساتھ مکہ معظمہ کے ایک گوشے میں کسی جگہ چھپ کر شراب نوشی کر رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم کے مطابق حضرت نُمیلہ[1] بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔

---

[1] حضرت نُمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق مقیس بن صبابہ ہی کے قبیلے (بنو لیث) سے تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

نمیلہؓ بن عبداللہ بن سحیم بن حزن بن سیار بن عبداللہ بن کلیب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث۔

حضرت نمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے مگر ان کے حالاتِ زندگی کسی نے بیان نہیں کیے۔

حضرت زیادؓ بن کعب جہنی

خاندانی تعلق بنو جُہینہ کی شاخ بنی کلیب سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
زیادؓ بن کعب بن عمرو بن عدی بن رفاعہ بن کلیب بن مودوعہ
بن عدی بن غنم بن اربعہ بن راشدان بن قیس بن جہینہ۔
قبولِ اسلام کا زمانہ معلوم نہیں ہے البتہ اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق
کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد دونوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب
تھے۔ اس کے بعد ان کے حالات زندگی کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ان کا یہی شرف
کچھ کم نہیں کہ بدری بھی ہیں اور اُحدی بھی۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپؐ نے ایک شخص کو پیرے کھڑے دیکھا۔ آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس شخص کا نام ابو اسرائیل ہے۔ اُس نے نذر مانی ہے کہ آج سارا دن دھوپ میں کھڑا رہے گا نہ بیٹھے گا نہ سایہ میں جائے گا نہ کسی سے بات چیت کرے گا اور شام تک روزہ سے رہے گا۔

آپؐ نے فرمایا، اسے کہو کہ بات چیت کرے اور سایہ میں آجائے اور کھڑا نہ رہے اور ہاں روزہ شام تک رکھے۔ (صحیح بخاری)

حضرت زیدؓ بن اسلم بلوی انصاری

خاندانی تعلق قبیلہ بلی سے تھا لیکن اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے اس لیے ان کو بلوی بھی کہا جاتا ہے اور انصاری بھی۔

نسب نامہ یہ ہے:

زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جعل بن عمرو بن جشم بن ودم بن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن بلی —— عجلانی بلوی۔

سب اہلِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اپنی کتاب "اصحابِ بدر" میں لکھا ہے کہ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد میں بھی حاضر تھے۔

مؤرخ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ بزاخہ کے موقع پر طلیحہ بن خویلد اسدی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ جلیل القدر صحابی حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی کے ساتھ شہید ہوئے۔

ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت تک حیات تھے اور جنگِ صفین میں لشکرِ مرتضوی میں شامل تھے، لیکن ہشام کلبی نے اس روایت کی مخالفت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زیدؓ بن بولیٰ

سید الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو غزوۂ بنی ثعلبہ میں پایا تھا اور آزاد کر دیا تھا۔ ان کی کنیت ابویسار تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ حبشی نژاد تھے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (دل کی پاکی اور ارادے کی سچائی کے ساتھ) یہ دعا پڑھے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ

تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ جہاد سے بھی بھاگا ہو۔

(جامع ترمذی۔ ابوداؤد)

حضرت زید بن بولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ ان کو سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ (اَلْاِصابہ۔ اُسْدُ الغابہ)

حدیث نبویؐ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو نیک بیٹا ماں باپ کی طرف رحمت و شفقت کی نظر سے دیکھے، اللہ اس کے حساب میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ (بیہقیؒ)

حضرت زیدؓ بن مزین انصاری

ارباب سیر نے ان کے والد کا نام مختلف طریقوں سے لکھا ہے۔ کسی نے مُزَیّن، کسی نے مُزَیّن اور کسی نے مُزَین قلمبند کیا ہے۔

ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی حارث سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

زیدؓ بن مزین بن قیس بن عدی بن امیہ بن خدارہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرائی تو ان کو مشہور صحابی حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا[1] اس کے بعد حضرت زید بن مزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا صرف یہی واقعہ کتبِ سیر میں ملتا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ یعنی اصحابِ بدر میں سے ایک تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت مسطحؓ کا اصل نام عوف تھا مگر انہوں نے اپنے لقب مسطح سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنی مُطّلب سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مسطح بن اُثاثہ بن عباد بن مُطّلب بن عبدِ مناف بن قُصَیّ —— ان کی والدہ اُمِّ مسطح، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ حضرت مسطحؓ دعوتِ توحید کی ابتدا میں ایمان لائے۔ اذنِ ہجرت ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ بدر اور عہدِ رسالت کے کئی دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ واقعۂ افک میں منافقین کے بہکاوے میں آکر ان کے ہم رائے ہو گئے چنانچہ آیاتِ برأت کے نزول کے بعد ان پر حد جاری ہوئی۔ انہوں نے باختلافِ روایت ۳۴ھ یا ۳۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت زیدؓ بن ودیعہ انصاری

خزرج کے خاندان بنی عوف بن خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
زیدؓ بن ودیعہ بن عمرو بن قیس بن جزی بن عدی بن مالک بن سالم حبلی بن غنم بن عوف بن خزرج۔

نہایت مخلص اور بہادر مسلمان تھے۔ موسیٰ بن عقبہؒ نے ان کا صرف غزوۂ بدر میں شریک ہونا تحریر کیا ہے لیکن دوسرے ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد دونوں میں شریک تھے اور یہی صحیح ہے۔

ابن کلبی نے لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ودیعہ نے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جب نماز (جماعت) کھڑی ہو جائے تو تم لوگ دوڑ کر نہ آیا کرو بلکہ (عام رفتار سے) چل کر آیا کرو اور وقار و سکینت کو لازم پکڑو۔ جو حصہ نماز (جماعت) کا پالو وہ امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے وہ بعد میں پورا کر لو۔"

(صحیح بخاری)

حضرت سائبؓ بن حارث سہمی

ان کا تعلق اس مقدس جماعت سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے خاندان بنو سہم سے تھے اور حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم کے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے چھ بھائیوں کو یہ توفیق دی کہ سب نے دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں اس پر لبیک کہا اور بلا کشان اسلام میں شامل ہو گئے۔

جب اہلِ حق پر مشرکینِ قریش کے مظالم کی کوئی حد و نہایت نہ رہی تو ۶ سنہ بعدِ بعثت میں حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائیوں اور بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کہ حضرت سائب بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبش سے کب واپس آئے اور عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک ہوئے۔

ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ طائف (۸ سنہ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور اسی غزوے میں انہوں نے شہادت پائی لیکن علامہ ابن سعد، حافظ ابن عبد البرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت سائب بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ طائف میں شہید نہیں ہوئے بلکہ وہ شام کے میدانِ جہاد میں پہنچے اور رومیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے اوائل میں فحل کی لڑائی میں شہادت پائی (ذیقعدہ سنہ ۱۳ھ) واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سُبَیعؓ بن قیس انصاری

قبیلہ خزرج کی شاخ کعب بن خزرج کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سبیعؓ بن قیس بن عیشہ (یا عبسہ) بن امیہ بن مالک بن عامر (یا عامرہ)
بن عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج۔

سنہ ۲ ہجری سے پہلے مُشرَّف بہ اسلام ہوئے اور پھر اپنے بھائی حضرت عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی۔

اُحُد کے بعد ان کے حالات کا علم نہیں ہے البتہ حضرت عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں معلوم ہے کہ انہوں نے جنگِ مُوتہ (سنہ ۸ ہجری) میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے گھر کے دروازہ کے باہر دو جھگڑنے والوں کی آوازیں سُنیں جو بہت اونچی تھیں۔ آپؐ نے سُنا کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ مجھ پر کچھ نرمی کر اور جو مطالبہ تو کر رہا ہے اس میں کچھ کمی کر۔ دوسرے نے کہا، خدا کی قسم ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ اس پر آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نیک کام نہ کروں گا۔ اس پر ان صاحب نے کہا، یا رسول اللہ! یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے اور اس میرے مقروض نے جو درخواست کی ہے وہ مجھے منظور ہے۔

(صحیح بخاری)

حضرت سعدؓ بن جمّاز انصاری

اصلاً بنو جہینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض نے ان کو غسانی بتایا ہے۔ مدینہ میں خزرج کی شاخ بنی ساعدہ کے حلیف تھے اس لیے انصار ہی میں داخل ہیں۔

ان کے والد کے نام میں سخت اضطراب ہے۔ ابن سعدؒ نے جمّاز لکھا ہے، ابن ہشامؒ نے جبشان، دار قطنیؒ نے حمان اور طبریؒ نے حمّار لکھا ہے۔ بعض روایتوں میں حمّار اور حمّاز بھی آیا ہے۔

سلسلۂ نسب میں بھی اختلاف ہے۔ عام طور پر ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے ——— سعدؓ بن جمّاز بن ثعلبہ بن خرشہ (بروایت دیگر خزیمہ) بن عمرو بن سعد بن ذبیان بن رشدان بن قیس بن جہینہ۔

بعض نے ان کو سعدؓ بن مالک بن ثعلبہ بن جمّاز لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ان کے بھائی حضرت کعب بن جمّاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاتفاق غزوۂ بدر میں شریک تھے[1] لیکن یہ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ البتہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم رکاب رہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا اور اسی سلسلے کے خونیں معرکے "جنگِ یمامہ" میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت کعب بن جمّاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک تھے۔ اس کے بعد ان کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت سعدؓ بن حارثہ انصاری

حافظ ابنِ عبد البرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے :

سعدؓ بن حارثہ بن لوذان بن عبدِ ود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن ساعدہؓ

اس نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن حارثہ خزرج کے خاندان بنی ساعدہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن بعض نے ان کا تعلق بنی سالم بن عوف سے اور بعض نے بنی حارث بن خزرج سے بتایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ ابنِ مندہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ نے ان کے والد کا نام حارثہ کے بجائے جاریہ لکھا ہے لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے حارثہ لکھا ہے۔

حضرت سعد بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ اُحد سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو عرب کے طول و عرض میں فتنۂ ارتداد (الردۃ) کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خلیفۃ الرسولؐ نے اس فتنے کا نہایت بہادری اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا اور چند ماہ کے اندر اندر اس کا قلع قمع کر دیا۔ اس سلسلے میں سب سے خوفناک لڑائی مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں پیش آئی۔ لشکرِ اسلام میں حضرت سعد بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی شریک تھے۔ انہوں نے اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ یہ ان جیسے مردانِ حق کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ مسیلمہ کذاب کو عبرتناک شکست ہوئی۔ وہ خود بھی لڑائی میں مارا گیا اور اس کے ساتھ ہی فتنۂ ارتداد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت سعدؓ بن زید انصاری

قبیلہ اوس کی معزز شاخ بنی عبد الاشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سعدؓ بن زید بن مالک بن عید بن کعب بن عبد الاشہل

علامہ واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقبی صحابی ہیں، یعنی وہ بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ھ بعد بعثت) میں شریک تھے۔ اس بیان میں واقدی تنہا ہیں اور دوسرے اربابِ سیر ان کی تائید نہیں کرتے۔ البتہ اس بات پر جمہور اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ یہ بھی کچھ کم شرف نہیں، انصار میں اہلِ عقبہ کے بعد اہلِ بدر کا درجہ سب سے بلند ہے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمرو بن سراقہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد، احزاب، فتح مکہ وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

---

[1] حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان "بنو عدی" سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمروؓ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اداہ بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی قرشی عدوی۔

دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اذنِ ہجرت ہونے پر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ (۵ھ ہجری) کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو قریظہ کے کچھ قیدیوں کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ ان کے عوض انہوں نے وہاں سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے اور انہیں لے کر واپس مدینہ مُنَوَّرہ آئے۔

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اوس و خزرج کے بُت مناۃ کو توڑنے پر مامور فرمایا۔ مناۃ کی مُورت مشلل میں قدید کے پاس ساحلِ بحرِ احمر کے قریب نصب تھی[۱]۔ حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے تو (بڑے) پجاری

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ارضِ مکہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر مدینہ چلے گئے۔ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ ان غزوات کے علاوہ بعض سرایا میں بھی شریک ہوئے۔ بڑے پُرجوش اور مخلص مسلمان تھے۔ راہِ حق میں ہر قسم کے مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اولاد کوئی نہ تھی۔

[۱] علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "ارض القرآن" جلد دوم میں لکھا ہے کہ اوس و خزرج کے نزدیک مناۃ کی حیثیت ایک دیبی (دیوی) کی تھی۔ حج میں احرام اتارنے کی رسم اوس و خزرج یہیں ادا کرتے تھے۔ یاقوت نے "معجم" میں بیان کیا ہے کہ

"مناۃ ایک پتھر کی چٹان تھی۔ شاہانِ غسان اس کے نام سے نذرانے بھیجتے تھے اور اَزْد کے رؤسا اس کے پجاری تھے اور اس کا اہتمام و انتظام انہیں کے ہاتھ میں تھا اس کو قربانیاں دی جاتی تھیں۔"

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رہتی تھیں۔ مناۃ کی مُورت لکڑی کی تراشی ہوئی اتنی بڑی یثرب کے ایک گھر میں تھی کہ چند آدمی مل کر اس کو اٹھاتے تھے۔ (ارض القرآن جلد دوم طبع دوم ۱۹۲۴ء ص ۱۸۲)

نے پوچھا کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو؟ حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، مناۃ کو منہدم کرنے کے لیے۔

پجاری نے کہا، تم جانو اور تمہارا کام، نتیجے کی ذمہ داری تمام تر تمہی پر ہوگی۔
حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مناۃ کی مورت کو گرایا تو ایک سیاہ فام برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی اور شور مچاتی باہر نکلی۔ پجاری نے اس کو دیکھ کر کہا: "مَنَاۃُ!

"دُوْنَكِ بَعْضَ غَضَبَاتِكِ"
(اے مناۃ! اپنے غصے کو کچھ روک (قابو میں رکھ)

حضرت سعدؓ نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ پجاری خوفزدہ ہو کر کہیں دبک گیا۔ حضرت سعدؓ نے خزانے کی تلاشی لی مگر وہاں سے کچھ برآمد نہ ہوا۔ اس مہم کو انجام دے کر وہ رمضان کی آخری تاریخوں میں واپس آ گئے۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی کبھی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ شخص نیک ہے تو (زندہ رہنے کی صورت میں) امید ہے کہ اور زیادہ نیکیوں کی توفیق مل جائے اور اگر بُرا ہے تو ممکن ہے توبہ کا موقع میسر آ جائے۔

(صحیح بخاری)

حضرت سعدؓ بن زید زُرقی انصاری

خزرج کے خاندانِ زُریق کے چشم و چراغ تھے۔ بعض روایتوں میں ان کا نام "اسعد" آیا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سعدؓ (اسعدؓ) بن زید بن فاکر بن یزید بن خلدہ بن عامر بن زُریق

ان کی زندگی کا صرف یہی ایک واقعہ معلوم ہے کہ ان کو غزوۂ بدر الکبریٰ میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی ہم رکابی کا شرفِ عظیم حاصل ہُوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا کہ:

"جس شخص نے اللہ کی راہ میں ثواب حاصل کرنے کی نیت سے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے کوئی گھوڑا وقف کیا تو یاد رکھو کہ اس گھوڑے کا گھاس دانے سے سیر ہونا، پانی سے سیراب ہونا اور اس کا لید کرنا اور اس کا پیشاب کرنا سب کچھ اس شخص کے حق میں قیامت کے دن ثواب ہی ثواب لکھا جائے گا"

(صحیح بخاری)

حضرت سعدؓ بن عثمان انصاری

بعض اہلِ سیر نے ان کا نام سعید لکھا ہے۔ خزرج کے خاندان بنی زُریق سے تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:۔ سعدؓ بن عثمان بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق۔
ان کی کنیت ابوعبادہ تھی۔

غزوۂ بدر سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر غزوۂ بدر میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کا لازوال شرف حاصل کیا۔

۳ہجری میں غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں افراتفری مچی تو بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ بعد میں ایسے اصحاب کی معافی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمائی۔ اُحد کے بعد ان کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص تنگ دست ہو تو اس سے درگزر کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے درگزر فرمائے۔

جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔"

(صحیح مسلم)

حضرت سعدؓ بن عمارؓ انصاری

ان کا تعلق خزرج کے خاندان نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
سعدؓ بن عمار بن مالک بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔
غزوۂ اُحد میں ان کی شرکت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ ان کے بھائی حضرت حمزہؓ بن عمار بھی ان کے ساتھ اس غزوے میں شریک تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سعدؓ بن عمار نے سانحۂ بئر معونہ (سنہ ۴ھ) میں شہادت پائی (واللہ اعلم) دوسری روایت یہ ہے کہ غزوۂ احزاب (سنہ ۵ ہجری) میں بھی شریک تھے لیکن اس روایت میں ان کا سالِ وفات نہیں بتایا گیا اور نہ دوسرے حالات ہی بیان کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ آپؐ کے صحابہؓ نے اس کو پکڑنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا، جانے دو، اسے چھوڑ دو کیونکہ جس کو حق لینا ہو اس کو کہنے سننے کا حق ہے۔ پھر فرمایا، اس کو اس کے اونٹ کے بدلے میں ویسا ہی اونٹ دے دو (آپؐ نے اس سے ایک اونٹ لیا تھا)
صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ویسا اونٹ تو اس وقت ملتا نہیں ہاں اس سے بہتر اونٹ موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا، وہی دے دو کیونکہ اچھا آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں بھی احسان کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت سعدؓ بن عمرو بن ثقف انصاری

خزرج کے معزز ترین خاندان بنی نجار کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سعدؓ بن عمرو بن ثقف (کعب) بن مالک بن مبذول بن مالک بن نجار
غزوۂ اُحُد میں اپنے بیٹے حضرت طفیلؓ کے ساتھ شریک تھے۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹے مبلغین اسلام کی اس جماعت میں شامل ہو گئے، جو رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ۴ھ ہجری میں بنو عامر کی طرف بھیجی۔ بنو عامر نے ان مبلغین کے ساتھ غداری کی اور ان کو گھیر کر ایک (حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری) کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ حضرت سعدؓ بن عمرو اور حضرت طفیلؓ بن سعد بھی ان میں شامل تھے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیث نبویؐ

(اُمّ المُومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ دعا مانگتے سُنا کہ ——

"اے اللہ! جو شخص میری اُمت میں سے کسی عہدے پر سرفراز ہو اور پھر وہ اُمت کے لوگوں کو تکلیف اور مصیبت میں ڈالے تو اے اللہ تو بھی اس کو تکلیف اور مشقت میں ڈال اور جو اُن کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کرے تو اے اللہ! تو بھی اس کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کیجیو۔"

(صحیح مسلم)

حضرت سعدؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے خاندان مالک بن نجار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سعدؓ بن عمرو بن عبید بن حارث بن کعب بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار۔

سب سے پہلے غزوہ اُحُد میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی۔ ابنِ اثیرؒ کے قول کے مطابق اُحُد کے بعد کے واقعات میں بھی شریک ہوئے اور جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔[1]

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] ان کے بھائی حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان کے ساتھ اُحُد اور اس کے بعد کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے اور ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ مومن جو اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے۔
میں نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جو کسی پہاڑ کے کونہ میں جاکر اپنے رب کی عبادت کرے، اس سے ڈرے اور لوگوں کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ (صحیح بخاری)

حضرت سعیدؓ بن حارث سہمی

قریش کے خاندان بنی سہم کے اسم بامسمّٰی فرزند سعید تھے۔ شجرۂ نسب یہ ہے:
سعیدؓ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی سہمی۔

والدہ کا نام صفیہ بنت عبد عمرو (بن عروہ بن سعید بن حزیم بن سعد بن سہم) تھا۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ یا سات بھائی اور تھے۔ ان میں سے ایک کو چھوڑ کر باقی سب کو "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سعیدؓ ان میں سے ایک تھے۔

حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سب مومن بھائیوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں طویل مدت تک قیام کیا۔ وہ حبشہ سے کب واپس آئے؟ اس سوال کا جواب کُتُبِ سیر سے نہیں ملتا، البتہ "طبقات ابن سعد" سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شام میں رومیوں کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ہونے والی یرموک کی خونیں جنگ میں بھی شریک تھے۔ اسی جنگ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے

(مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

حضرت سعیدؓ بن حُرَیث مخزومی

خاندانی تعلق قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

سعیدؓ بن حُرَیث بن عمرو بن عثمان بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے چھوٹے بھائی (حضرت) عمرو بن حُرَیث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے ہمراہ بارگاہِ نبویؐ میں لے گئے۔ اس وقت آپؐ لوگوں میں سونا تقسیم فرما رہے تھے۔ (یہ سونا مالِ غنیمت یا خراج میں کہیں سے آیا ہوگا) آپؐ نے سونے کا ایک ٹکڑا عمروؓ بن حُرَیث کو بھی عنایت فرمایا۔ عمروؓ بن حُرَیث کہتے ہیں کہ "میں نے (دل میں) کہا کہ میں یہ سونا جس چیز میں رکھ دوں گا اس میں برکت ہو جائے گی۔" چنانچہ انہوں نے عمر بھر یہ سونے کا ٹکڑا حرزِ جاں بنا کر رکھا اور ایک وقت آیا کہ وہ کوفہ کے امیر ترین آدمی بن گئے۔

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت سعیدؓ اور ان کے بھائی حضرت عمروؓ نے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ خلافتِ فاروقی کے اواخر میں خراسان پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور اہلِ خراسان کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے ایک غلام نے انہیں حیرہ میں شہید کر ڈالا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے کوفہ میں وفات پائی اور ان کی قبر کوفہ میں موجود ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت سعید بن حُرَیث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث مروی ہے:

”میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے عمل میں برکت نہ ہو البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائداد میں لگا دے تو پھر ٹھیک ہے۔“ [1]

(سنن ابن ماجہ، مُسنَدِ دارمی)

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

---

[1] شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کو ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ مکان زمین باغ جیسی غیر منقولہ جائداد کو بغیر کسی خاص ضرورت کے فروخت نہ کیا جائے، اور اگر فروخت کیا جائے تو (اس کی قیمت کو دوسرے امور پر صَرف کرنے کے بجائے) بہتر یہ ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی دوسری غیر منقولہ جائداد خرید لی جائے۔

غیر منقولہ جائداد اس لیے بہتر ہوتی ہے کہ اس کو نہ کوئی چُرا سکتا ہے اور نہ اس پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموالِ منقولہ پر آتے رہتے ہیں۔

(معارف الحدیث)

حضرت سعیدؓ بن سعید بن العاص اُموی

قریش کے خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سعیدؓ بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصَیّ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لؤی القرشی۔

والدہ کا نام صفیہ بنتِ مغیرہ (بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم) تھا۔ وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ابو جہل بن ہشام کی پھوپھی تھیں۔

حضرت سعیدؓ کا والد ابُو اُحیحہ سعید بن العاص بڑے دبدبہ وشکوہ کا رئیس تھا۔ وہ "ذوالتاج" (تاج والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ جس رنگ کا عمامہ باندھتا تھا مکہ میں کوئی دوسرا شخص اس رنگ کا عمامہ نہ باندھ سکتا تھا۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار بھائی حضرت خالد، حضرت عمرو، حضرت عبداللہ اور حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے مگر وہ خود متذبذب رہے۔ بایں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہدایت دی اور وہ بھی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ کے بازار کا نگران مقرر فرمایا۔ اہلِ سیر نے وضاحت نہیں کی کہ حضرت سعیدؓ غزوہ حنین میں شریک تھے یا نہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غزوہ طائف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور اسی غزوے میں جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعیدؓ بن سہیل انصاری

خزرج کے خاندان بنی دینار بن نجار سے تعلق رکھتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

سعیدؓ بن سہیل بن مالک بن کعب بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار بن نجار

اس نسب نامہ میں جس عبدالاشہل کا ذکر آیا ہے وہ اس عبدالاشہل سے جدا ہے جو اوس کے خاندانِ اشہل کا جدِ اعلیٰ تھا۔

سب اہلِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سعید بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ نے ابنِ اسحاق اور ابومعشر کے حوالے سے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک تھے۔

زندگی کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ اس آدمی کو ترو تازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی بات سُنی اور اسی طرح لوگوں تک پہنچا دی۔ یاد رکھو بعض وہ لوگ ہیں جن کو میری باتیں پہنچیں گی وہ انہیں خود سننے والوں سے زیادہ سمجھنے والے ہوں گے۔ (ترمذی)

حضرت سُفیانؓ بن نَسر انصاری

خزرج کے خاندان بنی جشم بن حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کے نام میں سخت اختلاف ہے۔ بعض نے بشر اور بعض نے بشیر لکھا ہے۔ لیکن ابن اثیرؒ کی رائے میں نَسر ہی صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

سفیانؓ بن نَسر بن زید بن حارث۔

ابن ماکولا، ابن کلبی اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے ان کا نام سفیان بن نُسر بن عمرو انصاری بتایا ہے۔ ابن ماکولا نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ انصار کے حلیف تھے۔

اس بات پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ حضرت سفیان بن نَسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد دونوں میں شریک تھے۔ اُحد کے بعد ان کی زندگی کیسے گزری؟ اس کا جواب سیرت اور تاریخ کی کسی کتاب سے نہیں ملتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ میں خصوصیت سے قیامت کے دن ان کو سزا دوں گا۔ ایک وہ جو میرے نام کا واسطہ دے کر کسی سے معاہدہ کرے اور پھر بدعہدی کرے۔ دوسرا وہ جو کسی آزاد کو غلام بنا کر فروخت کرے اور اس کی قیمت لے۔ تیسرے اس کو جو کسی مزدور کو مزدوری پر لگائے پھر کام تو اس سے پورا لے مگر مزدوری نہ دے۔ (صحیح بخاری)

حضرت سُفیانؓ بن وَہب خولانی

اہلِ سِیَر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق بنو خولان سے تھا اور ان کی کنیت ابو ایمن تھی۔ حضرت سفیان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قبیلہ یمن کے قحطانی قبائل میں سے تھا۔ یہ لوگ خولان بن عمرو بن مالک بن حارث بن مرہ بن ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا کی اولاد سے تھے۔ ان کا وطن صنعاء (یمن) کا مشرقی علاقہ تھا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سُفیان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بنو خولان کے ایک وَفد میں شامل ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے۔

علامہ ابنِ سعد کاتب الواقدی نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ بنی خولان کا ایک وَفد جو دس یا پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا، شعبان ۱۰ھ ہجری میں مدینہ منوّرہ پہنچا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ——

"یا رسولَ اللہ! ہم اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار ہیں اور طویل سفر طے کر کے محض آپؐ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔"

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ——

"مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"

(جس نے مدینہ آ کر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا)

بنو خولان "عم انس" نام کے ایک بُت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا، تم نے "عم انس" کا کیا کیا؟

انہوں نے عرض کیا: ——

"یا رسولَ اللہ! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور "عم انس" کی

پرستش ترک کردی ہے، البتہ چند بوڑھے لوگ (حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے اور) ابھی تک اس کی پرستش کرتے ہیں۔"

پھر انہوں نے زمانہ جاہلیت کے چند واقعات سنائے کہ ہم "عم انس" پر کس طرح چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ہر چیز سے اس کا حصہ نکالتے تھے اگرچہ بعض اوقات خود ہمیں بھوکا ننگا رہنا پڑتا تھا۔[1]

ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرائضِ دین سکھائے اور بطورِ خاص یہ نصیحتیں فرمائیں۔

۱۔ عہد کو (ہمیشہ) پورا کرو۔
۲۔ امانت میں (کبھی) خیانت نہ کرو۔
۳۔ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو۔
۴۔ کسی پر ظلم نہ کرو کیونکہ قیامت کا دن ظالم کے لیے اندھیری رات ثابت ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو خولان بارگاہِ رسالت میں حاضری سے پہلے اپنے وطن ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ قیاسِ غالب ہے کہ حضرت سفیان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔

وفد کی وطن کو واپسی کے کوئی تین ماہ بعد حضرت سفیانؓ بن وہب کو معلوم

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا ج (پ۸-ع-۳)

(اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا اور یہ ہمارے معبودوں کا)

ہوا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حج (حَجَّۃُ الوَدَاع) کے لیے مکہ معظمہ تشریف لا رہے ہیں تو وہ بھی اپنے قبیلے کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حَجَّۃُ الوَدَاع کے دن میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سواری کے زیر سایہ تھا۔

حضرت سفیان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بہادر آدمی تھے اور اپنے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کی بڑی تڑپ رکھتے تھے۔ عہدِ رسالت میں تو انہیں کسی غزوے میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا۔ (کم از کم کُتُبِ سِیَر اس بارے میں خاموش ہیں) البتہ عہدِ فاروقی میں مصر پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت سفیانؓ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور مصریوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شمالی افریقیہ (المغرب) کی فتح میں بھرپور حصہ لیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ افریقیہ کی فتح کے بعد حضرت سفیانؓ نے تیونس کے نوآباد شہر قیروان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی[1] ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں غیاث ابن ابی شبیب کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم لوگ قیروان میں تھے اور سفیان بن وہب صحابی

---

[1] حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتح مصر کے فوراً بعد مجاہدین اسلام نے شمالی افریقیہ پر بھی حملے شروع کر دیئے اور امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوجیں شمالی ساحل کے قبیلوں کو مغلوب کرتے ہوئے برقہ تک جا پہنچیں مگر امیر المومنینؓ نے مسلمانوں کو مزید پیش قدمی کی اجازت نہ دی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں طرابلس الغرب مسخر ہوا مگر مسلمان جلد ہی وہاں سے واپس آ گئے۔ شمالی افریقیہ پر باقاعدہ لشکر کشی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ ۴۵ھ ہجری میں معاویہؓ بن خدیج نے شمالی افریقیہ کے کئی وسیع علاقے اور ساحلی مقامات فتح کیے لیکن وہ رومیوں اور بربریوں کی متحدہ قوت کا پوری طرح استیصال نہ کر سکے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس مہم پر حضرت عقبہ بن نافع فہری کو مامور کیا۔ انہوں نے زبردست یلغار کرتے ہوئے تیونس تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے پاس سے گزرا کرتے تھے اس وقت ہم لڑکے تھے۔ سفیانؓ ہم کو سلام کرتے تھے اور وہ عمامہ باندھتے تھے جس کا شملہ پیچھے لٹکاتے تھے۔

حضرت سفیان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالِ وفات کسی نے نہیں لکھا۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے ۵۵ھ ہجری کے بعد کسی وقت قیروان ہی میں وفات پائی۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں، ان میں سے تین یہ ہیں:

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ ایک صدی کے بعد کوئی شخص میرے صحابہ میں سے باقی نہ رہے گا (اسد الغابہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات اللہ کے راستے میں تمام دنیا سے بہتر ہے اور ایک دن اللہ کے راستے میں تمام دنیا سے بہتر ہے۔ (اسد الغابہ)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر مسلمان کی آبرو، مال اور جان حرام ہے جیسا آج (حج) کا دن حرام ہے۔ (اسد الغابہ)

(حضرت سفیانؓ نے آپؐ کا یہ ارشاد حجۃ الوداع کے موقع پر سنا۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۵۰ھ ہجری میں انہوں نے سرکش بربریوں کی روک تھام اور سمندر کی طرف سے رومی حملوں کو روکنے کے لیے ایک عظیم الشان چھاؤنی اور شہر کی تعمیر کا آغاز کیا جس کا نام قیروان رکھا۔ جس جگہ یہ شہر آباد کیا گیا وہاں میلوں تک گھنا جنگل اور دلدلی علاقہ تھا لیکن عقبہؓ اور اُن کے بلند ہمت ساتھیوں نے تین چار سال کے اندر جنگل صاف کر کے اور دلدلیں پاٹ کر وہاں ایک عظیم الشان شہر کھڑا کر دیا۔ یہ شہر آج بھی تیونس (TUNIS) کے اہم مقامات میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت سلکانؓ بن سلامہ انصاری

ان کا نام باختلافِ روایت سعد یا اسعد تھا۔ سلکان لقب تھا اور ابونائلہ کنیت۔ انہوں نے اپنے لقب سلکان یا کنیت ابونائلہ سے شہرت پائی۔ اوس کے خاندان "بنی عبدالاشہل" سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سلکانؓ بن سلامہ بن وقش بن زغبہ بن زعورا بن عبدالاشہل

مشہور صحابی حضرت سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۴۵ھ) ان کے بھائی تھے۔

حضرت سلکانؓ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشہور دشمنِ اسلام شاعر کعب بن اشرف یہودی کے قتل پر مامور فرمایا تو حضرت سلکانؓ کو بھی ان کے ساتھ بھیجا۔ حضرت سلکان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب بن اشرف یہودی کے رضاعی بھائی تھے ان کو تو اللہ تعالیٰ نے شرفِ اسلام سے بہرہ ور کیا لیکن کعب بن اشرف اسلام کا بدترین دشمن بن گیا۔ اس کی معاندانہ سرگرمیوں کی بناء پر ہی اس کے قتل کا فیصلہ ہوا۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور حضرت سلکانؓ نے یہ مہم کامیابی سے سرانجام دی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلکان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام مشاہد میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابو عبید ثقفیؓ کو عراقِ عرب کی مہم پر مامور فرمایا تو حضرت سلکانؓ

بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور معرکہ جسر (جسر ابی عبید) میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ یہ واقعہ ۱۴ھ ہجری کا ہے[1]
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمینؐ (جلد دوم) میں حضرت سلکان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ذکر شہدائے ذی القصہ میں کیا ہے — یہ مہم ربیع الاول ۶ھ ہجری میں پیش آئی تھی۔ ذوالقصہ، مدینہ منورہ سے چوبیس میل دور نجد کے علاقے میں بنو ثعلبہ کا ایک گاؤں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بنو ثعلبہ کے آدمی مدینہ منورہ پر حملے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دس صحابہؓ کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ بنو ثعلبہ نے نرغہ کر کے حضرت محمد بن مسلمہ کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ حضرت محمد بن مسلمہ یہاں سے بچ کر مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو چالیس سوار دے کر ذوالقصہ کی طرف روانہ کیا لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بنو ثعلبہ کے مفسدین بھاگ گئے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ کے بیان کے مطابق بنو ثعلبہ نے جن مجاہدین کو شہید کیا ان میں حضرت سلکانؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے بیان کا ماخذ نہیں لکھا۔ جمہور اہل سیر نے حضرت سلکانؓ کی شہادت معرکہ جسر میں بیان کی ہے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: دھوکا باز، بخیل اور احسان جتلانے والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا۔ (جامع ترمذی)

حضرت سلمہؓ بن ابی سلمہ مخزومی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے پوتے تھے۔
ان کے والد حضرت ابو سلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں [1]
والدہ حضرت اُمّ سلمہ ہند بنتِ ابی امیہ تھیں جن کو بعد میں اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

---

[1] حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ دعوتِ توحید کے اوائل میں اسلام لائے۔ ان کی اہلیہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ دونوں میاں بیوی حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حبشہ سے واپس مکہ واپس آگئے اور پھر وہاں سے مدینہ ہجرت کر گئے ــــ خاندانِ عمرو بن عوف نے انہیں دو ماہ تک قبا میں اپنا مہمان رکھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت ابو سلمہؓ کو مستقل سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا اور انہیں حضرت سعدؓ بن خیثمہ انصاری کا مواخاتی بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے پہلے غزوۂ بدر میں اور پھر غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ موخر الذکر غزوہ میں وہ ایک زہریلے تیر سے زخمی ہو گئے۔ علاج سے وقتی طور پر زخم مندمل ہو گیا اور حضورؐ نے انہیں سریۂ قطن (محرم ۴ھ) کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ مہم کامیابی سے انجام دے کر واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا۔ اسی کی تکلیف سے جمادی الآخر ۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ دورانِ علالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ اتفاق سے عین حالتِ نزع میں بھی حضورؐ تشریف لے آئے۔ اسی وقت انہوں نے جانِ جانِ آفریں
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سلمہؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے:
سلمہؓ بن ابی سلمہ عبداللہؓ بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی مخزومی
والدہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:
اُمِ سلمہ ہندؓ بنتِ ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم[1]
والد اور والدہ دونوں کی کنیت انہی کے نام پر تھی (ابوسلمہؓ اور اُمِ سلمہؓ) دونوں
دعوتِ توحید کے اوائل میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور یوں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ
کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۵ھ بعدِ بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
کے سپرد کر دی۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور خود ہی ان کی
نمازِ جنازہ پڑھائی۔

[1] حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت کی رکن
ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اپنے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ دو بار حبشہ کو ہجرت کی
اور تیسری بار مدینہ کی طرف ہجرت کی، حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد ان کا نکاحِ ثانی
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ یوں ان کو امہات المومنین میں شامل ہونے کا
شرف حاصل ہو گیا۔ ان کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ عبادتِ الٰہی سے بہت شغف تھا ہر
مہینہ میں (رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ) تین روزے بالالتزام رکھتی تھیں امر و
نواہی کی بے حد پابند تھیں۔ ان کا دستِ سخاوت بھی بے حد کشادہ تھا۔ دوسروں کو بھی
سخاوت کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ چلا
جائے۔ انہوں نے ۶۳ھ ہجری میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اعتبار
سے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت بلند مقام پر فائز تھیں۔ ان سے ۳۷۸ احادیث
مروی ہیں۔ وہ دینی مسائل میں فتوے بھی دیا کرتی تھیں۔ علامہ ابنِ قیم کا بیان ہے کہ ان کے فتاویٰ
سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ بالعموم متفق علیہ ہیں۔

کے ایما پر اہلِ حق کے ایک مختصر قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابو سلمہؓ اور اُمِ سلمہؓ بھی اس کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاجرین حبشہ تک افواہ پہنچی کہ مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر قریب قریب سارے اصحاب مکہ واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جو خبر ان تک پہنچی تھی، بالکل غلط تھی تاہم وہ کسی نہ کسی کی پناہ (حمایت) حاصل کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابو سلمہؓ کو پناہ دینے والے جناب ابو طالب تھے۔ مسلمانوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ کفار کے ظلم و ستم میں مزید شدت پیدا ہو گئی ہے۔ ۵ بعد بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم مسلمانوں کو پھر مشورہ دیا کہ وہ حبش چلے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ عازم حبشہ ہو گیا۔ حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ اس قافلے میں بھی شامل تھے۔ دونوں حبش میں چند سال گزارنے کے بعد ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اُن کے قیام حبشہ کے دوران ہی میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی ساتھ تھے۔ گویا حضرت سلمہؓ پیدائشی مسلمان تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا اذن دیا تو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اُمِ سلمہؓ اور ننھے سلمہؓ کو ساتھ لے کر ہجرت مدینہ کا قصد کیا۔ ان کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا اس پر انہوں نے حضرت اُمِ سلمہؓ اور ننھے سلمہؓ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ پا چل پڑے۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ حضرت اُمِ سلمہؓ کے خاندان والوں یعنی بنو مغیرہ کو پتہ چل گیا۔ وہ دوڑے آئے اور اونٹ کو گھیر کر حضرت ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم جا سکتے ہو لیکن ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔
یہ کہہ کر انہوں نے اونٹ کی نکیل حضرت ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی۔ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ خاندان، بنی عبدالاسد بھی آ پہنچے۔ انہوں نے ننھے سلمہؓ پر قبضہ کر لیا اور بنو مغیرہ سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی

کو ابوسلمہ کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے قبیلے (بنو عبدالاسد) کے بچے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے۔[1]

پھر انہوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، تم اکیلے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سینے پر پتھر رکھ کر بیوی بچے کے بغیر ہی مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنو مغیرہ کے پاس، ان کا بچہ بنو عبدالاسد کے پاس اور شوہر تین سو میل دُور مدینہ میں تھے۔ گویا دینِ حق کی خاطر تینوں باپ بیٹا اور بیوی جدائی کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شوہر اور بچے کی جُدائی کا فطری طور پر بہت صدمہ تھا۔ وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور سارا دن مکّہ کے ایک قریبی ٹیلے پر بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی رہتیں۔ پورا ایک سال اسی حال میں گزر گیا — ایک دن بنو مغیرہ کے ایک صاحبِ اثر اور رحم دل آدمی نے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ کیفیت دیکھی تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اپنے قبیلے کو جمع کیا اور لوگوں سے کہا:

"بھائیو! یہ لڑکی ہمارا خون ہے ہم کب تک اس بے چاری کو اپنے شوہر اور بچے سے جُدا رکھیں گے۔ اے بنی مغیرہ ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور بہادر ہے جو ظلم کو دوست نہیں رکھتا۔"

---

[1] خود حضرت اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ بنی عبدالاسد نے میرے بچے کو زبردستی مجھ سے چھین لیا۔ اس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اتر گیا۔ (علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ مرتے دم تک اس بچے کا ہاتھ اترا رہا)۔

اس شخص کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آ گیا۔ انہوں نے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اجازت دے دی کہ وہ مدینہ جا سکتی ہیں (لیکن کسی نے ان کے ساتھ جانے کی ہامی نہ بھری کیونکہ سب مشرک اور اسلام دشمن تھے)

ادھر بنو عبد الاسد تک یہ خبر پہنچی تو ان کے دل میں بھی حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نرم گوشہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے ننھے سلمہؓ کو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا۔

بچے (حضرت سلمہؓ) کو پا کر حضرت اُمِّ سلمہؓ خوش ہو گئیں۔ انہوں نے سلمہؓ کو ساتھ لیا اور ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ راستے میں تنعیم کے مقام پر انہیں، مکہ کے ایک شریف النفس آدمی عثمانؓ بن طلحہ عبدری ملے[1]۔ انہوں نے جب حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک کمسن لڑکے کے ہمراہ سفر کرتے دیکھا

---

[1] حضرت عثمانؓ بن طلحہ کا تعلق قریش کی شاخ بنی عبد الدار سے تھا نسب نامہ یہ ہے: "عثمانؓ بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد العزّیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصیٰ بن کلاب بن مرّہ قرشی العبدری۔"

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ اسلام قبول کیا اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔

فتح مکہ (رمضان ۸ھ) میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔

حرم شریف پہنچ کر حضورؐ نے اُن سے خانۂ کعبہ کی کنجی طلب فرمائی کیونکہ کلید برداری کا منصب خاندانی طور پر انہی کے پاس تھا قبول اسلام سے پہلے وہ یہ کنجی اپنی ماں کے سپرد کر گئے تھے اب جا کر ماں سے کنجی مانگی تو اس نے دینے سے انکار کر دیا لیکن انہوں نے اسے ڈرا دھمکا کر لے لی اور آ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپؐ کعبہ کا دروازہ کھول کر عثمانؓ کے ہمراہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ جب خانۂ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کیا جا چکا تو آپؐ باہر تشریف لائے اور کنجی حضرت عثمانؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ "اے عثمان! یہ شرافت سے بعید ہے کہ قریش کی ایک عورت یوں تنہا سفر کرے اور تو اس کی مدد نہ کرے"۔[ل] انہوں نے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور کشاں کشاں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ جب کہیں پڑاؤ ہوتا وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور چلنے کے وقت اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض یونہی چلتے چلاتے یہ چھوٹا سا قافلہ قبا پہنچ گیا۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے بعد سے وہیں مقیم تھے۔ عثمانؓ بن طلحہ وہاں سے پیدل مکہ واپس چلے گئے اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بچھڑے ہوئے شوہر کے پاس پہنچ گئیں۔ وہ اپنی نیک سیرت بیوی اور بچے کو پا کر اللہ کا شکر بجا لائے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے عثمانؓ بن طلحہ کی نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ ساتھ دینے والا کوئی شریف آدمی نہیں دیکھا۔

۳ھ ہجری میں حضرت ابو سلمہؓ جنگِ اُحد میں دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ ان کا ایک بازو دشمن کی طرف سے آنے والے ایک زہریلے تیر سے زخمی ہو گیا۔ علاج سے بظاہر صحت یاب ہو گئے لیکن چند ماہ بعد زخم پھر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا، "جو اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا"۔ تاہم وہ حضورؐ کے ساتھ واپس مدینے آ گئے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد کلید برداری کے فرائض ادا کرنے کے لیے مکہ آئے اور باقی عمر یہیں گزاری۔ بقول حافظ ابنِ عبدالبرؒ انہوں نے ۴۲ھ میں وفات پائی۔ (الاستیعاب)

[ل] ایک روایت میں ہے کہ عثمانؓ نے حضرت اُمِ سلمہؓ سے پوچھا، اے ابی امیہ کی بیٹی کدھر جا رہی ہو۔ انہوں نے کہا اپنے شوہر کے پاس یثرب جا رہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا، تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟ حضرت اُمِ سلمہؓ نے کہا، اللہ اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔ عثمان نے کہا۔ خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔

ہرا ہو گیا اور اسی تکلیف سے حضرت ابو سلمہؓ فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے اہلیہ حضرت اُمِ سلمہؓ کے علاوہ چار بچے چھوڑے، سلمہؓ، عمرؓ، زینبؓ اور دُرّہؓ۔

حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی کسمپرسی کے خیال سے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور شوال ۴ ہجری میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ (اُسد الغابہ)

پہلے شوہر سے ان کے چاروں بچے بھی اب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔ آپؐ نے سب بچوں کی نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ سرپرستی اور تربیت فرمائی۔

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی اپنی بنتِ عم حضرت اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ سے کر دی۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

لہ حضرت امامہؓ کی والدہ کا نام سلمیٰؓ بنتِ عُمَیس تھا۔ سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ اُحد (۳ھ) میں شہادت پائی تو حضرت اُمامہؓ بہت کمسن تھیں۔ حضرت سلمیٰ بنتِ عیس کا نکاحِ ثانی حضرت شدادؓ بن اسامہ سے ہو گیا اور حضرت اُمامہؓ کو ان کی خالہ حضرت اسماءؓ بنتِ عُمَیس نے لے لیا۔ (یہ فیصلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ورنہ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی ان کو اپنی سرپرستی میں لینے کے خواہشمند تھے) حضرت امامہؓ، خالہ کی آغوشِ تربیت میں پل کر جوان ہوئیں تو حضورؐ نے ان کی شادی حضرت سلمہؓ سے کر دی۔ حضرت اُمامہؓ کے مزید حالات کُتبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔

اصحابؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے ان کی مکافات کر دی۔"

(مطلب یہ کہ کیا میں نے اپنی بنتِ عم کو ان سے بیاہ کر ان کی سرپرستی کا حق ادا کر دیا) (اُسد الغابہ)

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ سے عمر میں بڑے تھے۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں کسی وقت فوت ہوئے۔

ان کے مزید حالاتِ زندگی کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو، بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لیے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت سلمہؓ بن اسلم انصاری

قبیلہ اوس کی شاخ بنی حارثہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
سلمہ بن اسلم بن حریش بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس انصاری اوسی حارثی۔
ان کی کنیت ابو سعد تھی۔

ہجرت نبویؐ سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سلمہؓ نہایت مخلص اور بہادر مسلمان تھے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت سلمہؓ نے غزوۂ بدر الکبریٰ میں دادِ شجاعت دی۔ یوں وہ اصحابِ بدر کی عظیم المرتبت مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس غزوے میں انہوں نے مشرکینِ قریش کے دو بہادروں سائب بن عبید اور نعمان (بروایتِ دیگر عبید) بن عمرو کو گرفتار کیا (یہ دونوں بعد میں بوجہ مفلسی فدیہ کے بغیر رہا کر دیئے گئے)

غزوۂ بدر کے بعد حضرت سلمہ بن اسلم اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت سلمہؓ بن اسلم اُس لشکر میں شامل تھے جو ۱۴ھ ہجری میں حضرت ابو عبید ثقفیؓ کی قیادت میں عراقِ عرب بھیجا گیا۔ انہوں نے معرکۂ جسر (ابی عبید) میں ایرانیوں کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ اس وقت ان کی عمر باختلافِ روایت ۳۸ یا ۶۲ برس کی تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سلمہؓ بن ثابت اشہلی انصاری

قبیلہ اوس کے معزز ترین خاندان بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے نسب نامہ یہ ہے:

سلمہؓ بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعورا بن عبدالاشہل

انصار کے سابقین اولین میں سے ہیں۔ ہجرت نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت سلمہؓ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور یوں اصحاب بدر کی عظیم المرتبت مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔

ان کے والد حضرت ثابتؓ بن وقش اور چچا رفاعہؓ بن وقش کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا غزوۂ اُحد (شوال سہ ۳ ہجری) میں حضرت سلمہؓ، ان کے والد ثابتؓ، چچا رفاعہؓ اور بھائی عمرو الاصیرمؓ چاروں شریک تھے۔ اور چاروں اسی غزوے میں شہادت پاکر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ رفاعہؓ خالد بن ولید کے ہاتھ سے اور سلمہؓ ابوسفیان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

(اس وقت خالدؓ اور ابوسفیانؓ ایمان نہیں لائے تھے)۔

ثابتؓ بن وقش اور عمرو الاصیرمؓ عجیب حالات میں شہید ہوئے۔ حضرت ثابتؓ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت بوڑھے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غزوۂ اُحد کے موقع پر ایک دوسرے ضعیف العمر صحابی حضرت ابوحذیفہ حسیل (حسل) یمانی کے ساتھ ایک بلند ٹیلے پر بٹھا دیا۔ (کیونکہ بظاہر وہ لڑنے کے قابل نہ تھے) جب میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں کی غیرت دینی نے جوش مارا اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ہمارے بھائی تو راہِ حق میں جانیں قربان کر رہے ہیں اور ہم یہاں

بیٹھے ہیں۔ آخر ہم کو کس بات کا انتظار ہے۔ چراغ سحری ہیں آج مرے کہ کل۔ چلو ہم بھی شربت شہادت کا مزہ چکھیں۔ چنانچہ دونوں اللہ کر تلواریں سونت کر میدان کارزار میں پہنچ گئے۔ حضرت ثابتؓ تو مشرکوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اور حضرت حسیل الیمانؓ غلط فہمی کی بناء پر مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ لڑائی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند حضرت ابو حذیفہؓ کو خون بہا دینا چاہا لیکن انھوں نے نہ لیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے جان بوجھ کر شہید نہ کیا تھا۔

حضرت عمرو الاُصَیرِمؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے مسلمان ہو جانے کے باوجود غزوۂ اُحد تک اسلام نہ لائے تھے۔ عین لڑائی کے دن اللہ نے ان کا دل پھیر دیا۔ میدانِ جنگ میں پہنچ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کفر سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر تلوار چلاتے ہوئے کفار کی صفوں میں گھس گئے یہاں تک کہ سخت زخمی ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑے۔ لڑائی کے بعد بنو عبد الاشہل اپنے شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ عمرو الاُصَیرِمؓ بھی مجروح نزار زمین پر پڑے ہیں۔ ابھی کچھ سانس باقی تھے۔ لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ ابھی تک کافر ہیں انھیں دیکھ کر حیران ہوئے اور ان سے پوچھنے لگے، شاید تمہیں قومی حمیت یہاں کھینچ لائی۔ انھوں نے اکھڑی ہوئی آواز میں کہا، نہیں میں اسلام قبول کر کے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوا۔ لوگ انھیں اٹھا کر گھر لے گئے جہاں تھوڑی دیر بعد انھوں نے دم توڑ دیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، وہ یقیناً جنتی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:——

اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا۔"

یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب تھا اس لیے لوگوں نے اسے ہمیشہ یاد رکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے تھے، بھلا وہ کون شخص تھا جس نے ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی اور سیدھا جنت میں داخل ہو گیا۔ جب کوئی جواب نہ ملتا (یعنی شاگردوں کو اس واقعہ کا علم نہ ہوتا) تو فرماتے "الاُصَیرِمؓ (عمرو بن ثابت عبد الاشہلی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت سلمہؓ بن صخر بیاضی انصاری

قبیلہ خزرج کی شاخ بنی بیاضہ سے حلیفانہ تعلق تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

سلمہؓ بن صخر بن سلمان بن صمہ بن حارثہ بن حارث بن زید مناۃ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن عضب بن جشم بن خزرج۔

ان کا سلسلۂ نسب بنو بیاضہ کے سلسلۂ نسب سے عبد حارثہ بن مالک پر جا کر مل جاتا ہے اور بنو بیاضہ سے حلیفانہ تعلق کی بنا پر ان کو بھی بیاضی کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں ان کا اصل نام سلمان بتایا گیا۔ ابن اثیرؒ کی رائے میں یہی صحیح ہے لیکن انہوں نے شہرت سلمہ کے نام سے پائی۔

ارباب حدیث و سیر کا بیان ہے کہ ان پر اعتدال سے کچھ زیادہ شہوت کا غلبہ تھا۔ ان کو اپنی اس کمزوری کا بخوبی احساس تھا چنانچہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو انہوں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں روزے کی حالت میں دن کے وقت خواہش نفسانی سے مغلوب نہ ہو جائیں، رمضان المبارک کے اختتام تک بیوی سے ظہار کر لیا یعنی بیوی سے کہہ دیا کہ (رمضان کے سارے مہینے میں) تو میرے اوپر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ یہ اسلام میں ظہار کا دوسرا واقعہ تھا۔ پہلا واقعہ حضرت اوسؓ بن صامت انصاری کا تھا۔ (اس کی تفصیل ان کے ترجمہ میں آ چکی ہے) ظہار ویسے ہی ایک ناپسندیدہ فعل تھا پھر غضب یہ ہوا کہ نصف رمضان گزرنے کے بعد ایک رات انہوں نے اپنی بیوی سے مقاربت کر لی۔ حضرت سلمہؓ اگر اس معاملے کو پوشیدہ رکھتے تو کوئی انہیں پوچھنے والا نہ تھا مگر اللہ کے یہ پاکباز بندے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی تو جب تک اس کی تلافی نہ کر لیتے، انہیں چین نہ پڑتا تھا۔ حضرت سلمہؓ کو بعد میں اپنی لغزش کا احساس ہوا تو وہ خوف خدا سے کانپ اٹھے اور فوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ

کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کر کے اس پر سخت ندامت کا اظہار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے پاس تو اپنی بیوی کے سوا کوئی نہیں جسے آزاد کردوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو۔

حضرت سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ میں اس کی طاقت کہاں، روزوں ہی میں تو صبر نہ کرنے کی وجہ سے اس ابتلا میں پھنسا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا، پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہم تو اس قدر غریب ہیں کہ رات کو کھانا میسر نہیں تھا اس لیے بغیر کچھ کھائے سونا پڑا۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی زریق کے محصل زکوٰۃ سے ان کو اتنا سامان خوراک دلوا دیا کہ ساٹھ آدمیوں میں بانٹ دیں اور کچھ اپنے اہل دعیال کی ضروریات کے لیے بھی رکھ لیں۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروۃؓ بن عمرو سے فرمایا کہ ان کو ایک عرق دے دو (عرق ایک پیمانہ ہے جس میں ۱۵ اصلاع بقدر ساٹھ مسکینوں کی خوراک کے آتے ہیں)۔

حضرت سلمہؓ بن صخر کی زندگی کے مزید حالات اور سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سلیطؓ بن قیس انصاری

خزرج کے خاندان عدی بن نجار سے تھے۔نسب نامہ یہ ہے:
سلیطؓ بن قیس بن عمرو بن عبید بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری خزرجی نجاری۔

ہجرت نبویؐ کے قریبی زمانے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلام کے سرفروش سپاہی بن گئے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت سلیطؓ بن قیس کی تلوار بدر کے میدان میں چمکی اور دشمنان حق کے سر پر برق خاطف بن کر گری۔ اس کے بعد وہ اُحُد، خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین تبوک وغیرہ تمام غزوات میں بھی رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔
خلافت فاروقی کے اوائل میں حضرت ابو عبید ثقفیؒ عراق عرب کی مہم پر مامور ہوئے تو حضرت سلیط بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور جسر ابی عبید کے معرکے میں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔
اپنے پیچھے ایک بیٹے عبداللہ چھوڑے مگر ان سے نسل نہیں چلی۔ بعض کا قول ہے کہ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

حضرت سلیط بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک انصاری کا ایک احاطہ تھا جس کے ساتھ ایک دوسرے شخص کے کھجور کے درخت تھے، وہ ان کو دیکھنے صبح و شام آتے تھے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان صاحب کو حکم دیا کہ (احاطے) کی دیوار سے جو درخت ملے ہوئے ان کے خرمے وہ احاطے کے مالک کو دیا کریں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت سُلَیمؓ بن قیس انصاری

خزرج کے خاندان مالک بن نجار کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سُلَیمؓ بن قیس بن فہد بن قیس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار[1]
سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے[2]۔ نہایت مخلص مسلمان اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی تھے۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ بدر الکبریٰ میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ اُحُد، خندق، خیبر غرض عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

بقول ابنِ اثیرؒ انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب "اصحابِ بدر" میں لکھا ہے کہ ان کے والد بھی صحابی معدود ہیں۔ ابنِ اثیرؒ نے ایک صحابی قیس بن قہد کا ذکر کیا ہے اور ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:
قیسؓ بن قہد بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار
ان کے بیٹے کا نام بھی سلیم تھا۔ معلوم نہیں یہ یہی سلیم ہیں یا کوئی اور۔

[2] حضرت خولہ بنتِ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزوۂ اُحُد میں شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت نعمانؓ بن عجلان انصاری سے ہو گیا تھا۔ وہ بڑی آسودہ حال تھیں۔ ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ آپؐ ان سے کسی تکلف کے بغیر قرض لے لیا کرتے تھے۔ ان سے حضرت حمزہؓ کے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے تھے جو لاولد فوت ہو گئے۔ حضرت خولہؓ کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

حضرت سُلیمؓ بن مِلحان انصاری

قبیلۂ خزرج کے خاندان عدی بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

سُلیمؓ بن ملحان (مالک) بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

حضرت سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھرانا "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق تھا۔ ان کے بھائی حضرت حرامؓ بن ملحان، دو بہنوں حضرت اُم سُلیمؓ اور حضرت اُم حرامؓ کو اور خود انہیں ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی قبولِ ایمان کی سعادت حاصل ہو گئی تھی۔ ان سب کا شمار انصار کے سابقین اولین اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی کے بھائی (حضرت عبدالمطلب کے ماموں) کی اولاد سے تھے۔ اس نسبت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی تھے۔ جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک خادمِ رسول اللہ، حضرت سُلیمؓ کے حقیقی بھانجے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہلِ خاندان اور دوسرے انصاری بھائیوں کے ساتھ آپؐ کا والہانہ جوش و خروش سے خیر مقدم کیا اور پھر شب و روز فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے لگے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت سُلیمؓ اور ان کے بھائی حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی

کا شرف حاصل کیا، یوں وہ اصحابِ بدر کی عظیم المرتبت مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔

اگلے سال ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو اس میں بھی دونوں بھائیوں نے سر بکف ہو کر دادِ شجاعت دی۔

صفر ۴ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باختلافِ روایت ستر یا چالیس صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت تبلیغِ دین کے لیے نجد کی طرف روانہ فرمائی[1] ان میں زیادہ تعداد انصار اور اصحابِ صُفّہ کی تھی جو قرآنِ کریم کے حافظ تھے اور قُرّاء کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت سُلیمؓ اور حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ بھیجا۔ یہ اصحاب مدینہ منورہ سے چل کر بیرِ معونہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے۔ یہ مقام مکہ اور عُسفان کے درمیان واقع تھا۔ دراصل یہ پانی کا ایک کنواں یا چشمہ تھا جو بنی عامر اور بنی سُلیم کی مشترکہ ملکیت تھا (یا دونوں قبیلے اس سے فائدہ اٹھاتے تھے)۔ بیرِ معونہ سے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جماعت بنو کلاب کے رئیس ابو براء عامر بن مالک کی درخواست پر روانہ کی تھی۔ اس شخص نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ کچھ مسلمانوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میرے قبیلے کو اسلام کی دعوت دیں اور لوگوں کو احکامِ دین کی تعلیم دیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست قبول کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے ابو براء کے بھتیجے عامر بن طفیل رئیس بنی عامر نے آپ کو پیغام بھیجا تھا کہ مجھے اپنا جانشین بنائیں یا اپنی حکومت میں شریک کر لیں ورنہ میں مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا لیکن ابو براء نے بار بار قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ جو مسلمان اس کے ساتھ جائیں گے وہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہو گا۔

آنحضورؐ کا والا نامہ لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے اس بدبخت نے اسے پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے آکر حضرت حرامؓ کو نیزہ مارا جو ان کے جسم کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے خون کا چلو بھر کر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

(ربِ کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا)

ساتھ ہی زمین پر گر پڑے اور جامِ شہادت پی کر اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنو سُلیم، رِعل، ذکوان وغیرہ کے مشرکین کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمان خود موقع پر پہنچ گئے۔ عامر بن طفیل اور اس کے کثیر التعداد ساتھیوں نے مٹھی بھر مسلمانوں کو گھیر لیا اور دو کے سوا باقی سب کو شہید کر ڈالا ان شہیدوں میں حضرت سُلیمؓ بھی شامل تھے۔ گویا دونوں بھائیوں نے بیک وقت راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ بچنے والے دو مسلمانوں میں ایک حضرت کعبؓ بن زید انصاری تھے۔ وہ شدید زخمی حالت میں لاشوں کے ڈھیر میں پڑے تھے۔ مشرکین نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ دوسرے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری تھے، انہیں نجدیوں نے گرفتار کر لیا اور پھر عامر بن طفیل کی ماں نے ایک منت پوری کرنے کے لیے انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ کی اطلاع دی تو آپؐ کو سخت صدمہ پہنچا اور آپ ایک ماہ تک ان کے حق میں بددعا کرتے رہے۔

حضرت سماکؓ بن سعد انصاری

خزرج کی شاخ بنی حارث بن خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سماکؓ بن سعد بن ثعلبہ بن خلاص بن زید بن مالک اغر بن ثعلبہ
بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج الاکبر۔
نامور صحابی حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] حضرت سماک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔
حضرت سماکؓ ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں (غالباً ہجرتِ نبوی سے پہلے) شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت سماک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک ہوئے اور پھر انہی کے ساتھ غزوۂ اُحد میں بھی دادِ شجاعت دی۔ اُحد کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۲ سنہ بعد بعثت میں اسلام لائے اور ۱۳ سنہ بعد بعثت میں مکہ جا کر بیعتِ عقبۂ کبیرہ کا شرف حاصل کیا۔ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلے پر بحث ہوئی تو انہوں نے قریش کی پرجوش حمایت کی اور انصار میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ عہدِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ ایران کی مجوسی سلطنت کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شریک ہو گئے اور عراقِ عرب میں ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ عام روایت کے مطابق انہوں نے معرکۂ عین التمر (۱۲ سنہ ہجری) میں شہادت پائی۔ ان کی اولاد میں حضرت نعمان [illegible] مشہور شخصیت ہیں۔

حضرت سنانؓ بن صیفی انصاری

خزرج کی شاخ بنی سلمہ کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سنانؓ بن صیفی بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

سنہ ۱۲ بعد بعثت میں حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور پھر سنہ ۱۳ بعد بعثت میں مدینہ کے چوہتر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جا کر لیلۃ العقبہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح وہ اصحاب عَقَبہ کی اس عظیم المرتبت جماعت میں شامل ہو گئے جس نے سارے عرب کی دشمنی مول لے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور جس کے ہر رکن نے اپنی جان مال اور اولاد کے ساتھ آپ کی حمایت اور حفاظت کا عہد کیا۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد حضرت سنان بن صیفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور بدری صحابی ہونے کی سعادت کا تاج اپنے سر پر سجایا۔ اگلے سال غزوہ اُحد میں دادِ شجاعت دی اور یوں اُحدی صحابی ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ رجال بالکل خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرص، بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (سنن نسائی)

حضرت سوادؓ بن رُزن انصاری

قبیلۂ خزرج کے خاندان بنی سلمہ میں سے تھے۔ ان کے نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ بروایت محمد بن عمرؒ اور عبد اللہ بن محمد بن عمارہ انصاریؒ اُن کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

سوادؓ بن رُزن بن زید بن ثعلبہ بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ

موسیٰ بن عقبہؒ نے اُن کو سواد بن رُزن بن ثعلبہ لکھا ہے۔ ابن الکلبی اور ابو حاتم نے ان کو سواد بن زید بن ثعلبہ۔ واقدی نے سواد بن رزین بن زید بن ثعلبہ اور ابن اسحاقؒ اور ابو معشرؒ نے سواد بن زُریق بن ثعلبہ بتایا ہے۔ لیکن ابن سعدؒ زُریق کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لکھنے والوں کی تصحیف یعنی لغزشِ تحریر ہے۔

ایک روایت میں ان کے والد کا نام یزید بھی آیا ہے۔

(اُسُد الغابہ۔ اصحاب بدر)

غزوۂ بدر سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں بھی دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ پڑھنے جائے تو اسے چاہیے کہ نہا کر جائے۔" (صحیح بخاری)

حضرت سوادؓ بن غزیہ انصاری

ارباب سیر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنی عدی بن النجار میں سے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بنو بلی میں عمرو بن الحاف بن قضاعہ سے تھے اور بنو عدی بن النجار کے حلیف تھے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) بہرصورت ان کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ بڑے مخلص اور بہادر مسلمان تھے ــــــ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ غزوۂ بدر سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ بدر میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میدان بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کی صفوں کو برابر کر رہے تھے۔ آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی جس سے ہر صف کو برابر فرماتے تھے۔ آپؐ کا گزر حضرت سوادؓ بن غزیہ پر ہوا تو ان کو اپنی صف سے آگے بڑھا ہوا پایا۔ آپؐ نے ان کی پیٹھ پر چھڑی ماری (بروایت دیگر چھڑی کی نوک حضرت سوادؓ کی کمر میں چبھوئی) اور فرمایا، اے سواد! اپنی صف میں برابر ہو جا۔

حضرت سوادؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپ کی چھڑی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس لیے آپ مجھ کو بدلہ لینے کی اجازت دیجئے ــــــ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنے جسم اطہر سے کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا، آؤ بدلہ لے لو۔

حضرت سوادؓ آپؐ سے لپٹ گئے، اور آپؐ کے شکمِ مبارک کو بوسہ دیا۔
حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے پوچھا، اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟
انہوں نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! جو چیز (جنگ) درپیش ہے اس کو آپ جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس میں قتل ہو جاؤں، اس لیے میری خواہش تھی کہ میری آخری ملاقات آپ ہی سے ہو اور میرا بدن آپؐ کے جسمِ اطہر سے مَس ہو جائے۔ یہ سن کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔
لڑائی کا آغاز ہوا تو حضرت سوادؓ بن غزیہ سربکف ہو کر لڑے اور بنو مخزوم کے ایک جنگجو خالد بن ہشام کو قیدی بنا لیا۔ (بعد میں قریشِ مکہ نے اس کو چار ہزار درہم فدیہ دے کر رہا کرایا)۔
غزوۂ بدر کے بعد حضرت سوادؓ بن غزیہ نے اُحُد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے (فتحِ خیبر کے بعد) انہیں خیبر کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے دو صاع ردی خرموں کے عوض ایک صاع عمدہ خرمے خریدے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیے۔
حضرت سوادؓ بن غزیہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تین دعائیں عموماً قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دُعا، مسافر کی دُعا اور بیٹے کے حق میں باپ کی دعا۔
(جامع ترمذی)

حضرت سُوَیبطؓ بن سعد عبدری

قریش کے خاندان بنی عبدالدار کے فرزندِ سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
سُوَیبطؓ بن سعد بن حرملہ بن مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبدالدار بن قصیّ بن کلاب۔

قصیّ پر جا کر ان کا نسب نامہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ بعض نے ان کے والد کا نام حرملہ لکھا ہے لیکن جمہور کے نزدیک حرملہ ان کے دادا کا نام تھا۔

والدہ کا نام ہندہ تھا۔ وہ بنو خزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت سُوَیبط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ وہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی سالوں کے دوران میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور یوں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی مقدس اور مغفور جماعت کے رُکن بن گئے۔ ۶ بعد بعثت میں دوسری ہجرتِ حبشہ ہوئی تو وہ بھی آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایما پر مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔

حبش میں چند سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضرت سُوَیبط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مکہ واپس آ گئے۔ یہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرتِ مدینہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت سُوَیبط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ چلے گئے اس طرح ان کو راہِ حق میں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق مدینہ میں ان کو بنی حارث بن خزرج نے اپنا مہمان بنایا۔

ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت سُوَیبط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے غزوہ

بدر الکبریٰ میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ بدر کے بعد عہدِ رسالت میں جو غزوات پیش آئے، حضرت سویبط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان میں شرکت کے بارے میں اہلِ سیر نے کچھ نہیں لکھا۔ قیاس ہے کہ ان سب میں یا بعض میں ضرور شریک رہے ہوں گے۔

سالِ وفات کے بارے میں بھی کتبِ سیر خاموش ہیں۔ ایک روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ہجری تک حیات تھے۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑے خوش مذاق اور خوش طبع تھے۔

امام ابن جوزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الاذکیا" میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارتی کاروبار کے سلسلے میں عازمِ بُصریٰ (شام) ہوئے۔ ان کے ساتھ حضرت سُوَیبط اور حضرت نعیمانؓ بن عمرو انصاری بھی گئے۔ باورچی خانہ کا انتظام حضرت نعیمانؓ کے سپرد تھا۔ سویبطؓ بہت ظریف الطبع تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے نعیمانؓ سے کہا، کچھ کھلاؤ۔ نعیمانؓ نے کہا، ابوبکرؓ کو آ لینے دو۔

سویبطؓ بولے، اچھا تمہاری خبر لوں گا۔

دورانِ سفر میں ایک قبیلے پر ان کا گزر ہوا۔ سُوَیبطؓ نے ان سے کہا میرے پاس ایک غلام ہے کیا تم خریدتے ہو؟

انہوں نے کہا، ہاں۔

سُوَیبطؓ نے کہا، (یہ بتائے دیتا ہوں کہ) میرے غلام کی یہ عادت ہے کہ اپنے آپ کو آزاد کہتا ہے، تم سے بھی یہی بات کہے گا، اس کی بات مت سننا۔

انہوں نے کہا، کوئی بات نہیں ہم تم سے ضرور یہ غلام خریدیں گے۔ چنانچہ دس اونٹوں پر معاملہ طے ہو گیا۔ اب وہ لوگ آئے اور انہوں نے نعیمانؓ کی گردن میں رسہ ڈال دیا۔ نعیمانؓ نے ان سے کہا کہ یہ تم سے مذاق کر رہا ہے

میں تو آزاد ہوں، غلام نہیں ہوں ـــــ انہوں نے کہا، ہم تیری عادت سے واقف ہو چکے ہیں۔ پھر وہ نعیمانؓ کو کھینچ کر لے گئے۔ جب حضرت ابو بکرؓ وہاں پہنچے اور انہوں نے ماجرا سُنا تو انہوں نے اونٹ واپس کر کے حضرت نعیمانؓ کو چھڑایا۔
جب یہ قافلہ واپس مدینہ آیا اور اہل قافلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اس قصہ کو سال بھر تک جب یاد کرتے تھے ہنسا کرتے تھے۔
ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت نعیمانؓ نے سُوَیبِطؓ کو فروخت کیا تھا۔
(واللہ اعلم بالصواب)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپؐ نے موٹے اور سخت کناروں کی چادر اوڑھ رکھی تھی چلتے چلتے (اثنائے راہ میں) ایک گنوار نے آپؐ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی یہاں تک کہ آپؐ کی گردن (مبارک) میں اس سے نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا، اے محمدؐ! مجھ کو اس مال میں سے جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے، کچھ دے۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑے۔ پھر آپؐ نے اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری)

حضرت سویدؓ بن نعمان انصاری

قبیلہ اوس کی شاخ بنی حارثہ کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

سویدؓ بن نعمان بن مالک بن عامر بن مجدعہ بن جشم بن حارثہ بن اوس اوسی حارثی انصاری۔

قبول اسلام کا زمانہ کسی نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ غزوۂ اُحد سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور سب سے پہلے اسی غزوے میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

سال وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ وہ (سوید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں غزوۂ خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ جب خیبر کے نزدیک مقام صہباء میں پہنچے تو آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی پھر کھانا منگوایا تو ستوؤں کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی آپؐ نے انہیں گھولنے کا حکم دیا۔ وہ گھولے گئے تو آپؐ نے لوگوں کے ہمراہ نوش فرمائے۔ پھر آپؐ نے مغرب کی نماز کے لیے کلی کی۔ ہم لوگوں نے بھی کلی کی پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(اسد الغابہ)

حدیث نبویؐ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا کہ تو بہت شرم نہ کیا کر۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ جانے دو۔ شرم تو ایمان کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت سہلؓ بن بیضاء فہری

قریش کے خاندان بنی فہر کے چشم و چراغ تھے۔ والد کا نام وہب تھا لیکن وہ اپنی والدہ کے لقب یا عرف بیضا کی نسبت سے مشہور ہیں۔

نسب نامہ یہ ہے:

سہلؓ بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہری۔

والدہ کا نام دعد بنت جحدم تھا اور لقب یا عرف بیضاء تھا۔

حافظ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

دعد بنت جحدم بن امیہ بن ضبہ بن حارث بن فہر

لیکن دوسرے اہل سیر نے ان کی موافقت نہیں کی اور انہوں نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

دعد بنت جحدم بن عمرو بن عایش بن ظرب بن حارث بن فہر

ابن اثیرؒ نے اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت سہیلؓ بن بیضاء اور حضرت صفوانؓ بن بیضاء ان کے حقیقی بھائی تھے۔[1]

---

[1] حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوتِ توحید کے اوائل میں اسلام لائے۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے مکہ واپس آگئے اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے۔ آپؐ نے تین بار بلند آواز سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے نرم دل اور منصف مزاج تھے۔ سنہ ۷ بعد بعثت میں مشرکین قریش نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، آپؐ کے اہلِ خاندان اور ہواخواہوں کو شعبِ ابی طالب میں محصور کیا تو اس سلسلے میں ایک تحریری معاہدہ لکھ کر اسے خانۂ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔

سنہ ۱۰ بعدِ بعثت میں قریش کے جن رحم دل لوگوں نے اس معاہدے کے خلاف آواز اٹھائی اور اس کو ختم کرنے میں بھرپور حصہ لیا، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان میں شامل تھے۔ اس معاہدے کے ختم ہونے کے چند دن بعد حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مُشرّف باسلام ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا اور دینی فرائض پوشیدگی سے ادا کرتے رہے۔

رمضان سنہ ۲ ہجری میں مشرکین بدر کی لڑائی کے لیے مکّے سے روانہ ہوئے تو حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ انہیں اپنا ہی آدمی سمجھتے تھے۔ مشرکین کو شکست ہوئی تو حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ خوش قسمتی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کے اسلام سے باخبر تھے اور ان کو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

ان کو پکارا۔ انہوں نے برابر جواب دیا۔ دوسرے صحابہ بھی آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے اللہ کی وحدانیت کی شہادت دی اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا اور جنّت اس کے لیے یقینی ہو جائے گی۔

تبوک سے واپس مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مسجد میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی —— حضرت صفوانؓ بن بیضاء کے حالات اسی کتاب میں الگ دیئے گئے ہیں۔

مکہ میں نماز پڑھتے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے ان کے مسلمان ہونے کی شہادت دی تو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں ـــــ ایک یہ کہ انہوں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے وفات پائی اور آپؐ نے مسجد میں ان کا جنازہ پڑھا۔

دوسری یہ کہ وہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: ـــــ

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس کی خیانت کرے نہ اس کے آگے جھوٹ بولے نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور ہر مسلمان کا خون، عزت اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ لوگو! تقویٰ تو دل کا کام ہے۔ انسان کے لیے یہی بڑی بدی ہے کہ وہ دوسرے بھائی سے حقارت سے پیش آئے۔

(صحیح مسلم)

حضرت سہلؓ بن رافع انصاری

خزرج کے معزز ترین خاندان بنی نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
سہلؓ بن رافع بن ابی عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار[1]
ہجرت نبوی کے قریبی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ اور بعض دوسرے ارباب سیر نے لکھا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی حضرت سہیلؓ اس زمین کے مالک تھے جس پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی[2]۔ ان کے والد رافع بن ابی عمرو ان کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اور انہوں نے حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرپرستی میں پرورش پائی تھی۔ ان کا ایک افتادہ قطعۂ زمین مربد کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ "مربد" اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں یا بقول بعض جہاں اونٹ لوٹ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف

---

[1] حافظ ابونعیمؒ نے ان کو بلوی بتایا ہے لیکن دوسرے ارباب سیر ان کو نجاری خزرجی انصاری بتاتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ خود ابونعیمؒ نے ان کے بھائی سہیلؓ کو نجاری خزرجی انصاری بتایا ہے اس لیے یہ بلوی کیوں کر ہو سکتے ہیں۔

[2] بعض روایتوں میں حضرت سہلؓ اور حضرت سہیلؓ پسران بیضاء کو اس زمین کا مالک بتایا گیا ہے اور بعض میں سہلؓ اور سہیلؓ پسران عمرو کو لیکن کثرت رائے یہی ہے کہ حضرت سہلؓ اور سہیلؓ پسران رافع اس زمین کے مالک تھے۔ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت سہلؓ اور سہیلؓ بچے تھے لیکن قرائن سے یہ بات اسی قدر صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان کی عمریں پندرہ برس سے کم تھیں۔

لانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین پر مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو انصار کو بُلا کر فرمایا:

"میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں تاکہ اس پر مسجد کی تعمیر کر سکوں۔" —— انصار نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اس زمین کے مالکوں کو ہم قیمت ادا کر دیں گے اور ہم اسے اپنی طرف سے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں۔ اس کا اجر ہم اللہ سے لیں گے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جذبۂ خیر سگالی کو سراہا لیکن زمین کی قیمت دینے پر اصرار فرمایا۔ پھر آپؐ نے مالکانِ زمین سہلؓ اور سہیلؓ کو طلب فرمایا۔ ان دونوں نے بھی عرض کیا، یارسول اللہ! ہم یہ زمین اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ کی نذر کرتے ہیں۔ ان کی والدہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی زمین کی قیمت لینے سے انکار کیا مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ میں یہ زمین بلا قیمت نہیں لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے اس زمین کی قیمت دس مثقال (پونے چار تولے) سونا متعین فرمائی۔ یہ قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کس نے ادا کی؟ اس کے متعلق تین روایتیں ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے۔ (مدارج النبوۃ)

(۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ (فتح الباری)

(۳) حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس زمین کے معاوضے میں حضرت سہلؓ اور حضرت سہیلؓ کو بنی بیاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا۔ (زرقانی)

اربابِ سِیَر نے حضرت سہلؓ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حالاتِ زندگی بہت کم بیان کیے ہیں اور صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ غزوۂ اُحُد (شوال ۳ھ ہجری) میں شریک تھے اور حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت فوت ہوئے[1]۔ ان کے بھائی حضرت سہیلؓ بدری صحابی ہیں۔ ان کے حالات اسی کتاب میں الگ بیان

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے راہِ خدا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیے گئے ہیں۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ان کی بیٹی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ وہ اپنی کھجوروں کی زکوٰۃ اور اپنی بیٹی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کھجوروں کو پیش کر کے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں ایک حاجت لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا، کیا حاجت ہے؟ انہوں نے عرض کیا، آپ میری اس لڑکی کے لیے دعا کریں، اس کے سوا میری کوئی اور اولاد نہیں ہے۔

عمیرہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک مجھ پر رکھا (اور میرے لیے دعا کی) میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ گویا آپؐ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک (اب تک) میرے جگر پر ہے۔ (اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

میں مال دینے کے لیے ارشاد فرمایا تو جہاں اور صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں وہاں ایک انصاری صحابی نے صرف دو صاع کھجوریں پیش کیں۔ اس پر منافقین نے ان کا مذاق اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مذاق کو ناپسند کیا اور ایسے غریب صحابہ کے جذبۂ خیر کی تحسین فرمائی۔ ایک روایت میں ان انصاری صحابی کا نام حضرت سہلؓ بن رافع بن ابی عمرو بتایا گیا ہے۔ مگر ایک دوسری روایت میں ان کا نام سہلؓ بن رافع بن خدیج بیان کیا گیا ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت سہیل رضؓ بن رافع انصاری

خاندانی تعلق خزرج کی شاخ مالک بن نجّار سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:
سہیلؓ بن رافع بن ابی عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار
ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ یہ ادران کے بھائی حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس زمین کے مالک تھے جس پر مسجدِ نبویؐ تعمیر ہوئی۔ (اس کی تفصیل اسی کتاب میں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ترجمہ میں آچکی ہے)۔
قبولِ اسلام کے بعد حضرت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی زندگی اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کردی اور عہدِ رسالت کی ہر سعادت حاصل کرنے کے لیے پیش پیش رہے۔ بدر، اُحد، خندق، خیبر، فتح مکّہ، حنین، تبوک وغیرہ عہدِ رسالت کے جملہ مشاہد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔
سالِ وفات تو کسی نے نہیں لکھا البتّہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خلافتِ فاروقی کے دوران میں کسی وقت فوت ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کی جستجو میں پڑو گے تو اُن کو فساد میں مبتلا کردو گے۔" (ابوداؤد)

حضرت شدادؓ بن الہاد لیثی

خاندانی تعلق بنو کنانہ کی شاخ بنی لیث سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

شداد بن اسامہ بن عمرو (المقلب بہ الہادی یا الہاد) بن عبداللہ
بن جابر بن بشر بن عتوارہ بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ

ان کو کنانی بھی کہا جاتا ہے اور عتواری اور لیثی بھی۔ اپنے دادا عمرو کے لقب کی نسبت سے شداد بن الہاد کے نام سے مشہور ہوئے۔ دادا بڑے مہمان نواز اور مخیر آدمی تھے اور رات کو آگ کا الاؤ روشن کر دیتے تھے تاکہ اسے دیکھ کر مہمان ڈیرے پر پہنچ جائیں، اسی لیے وہ الہادی یا الہاد کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت شداد کے والد کو بھی اپنے والد کی نسبت سے اسامۃ الہادی کہا جاتا تھا۔

حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، عم رسولؐ حضرت عباس، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہم زلف تھے اس لیے کہ ان کی اہلیہ حضرت سلمیٰؓ بنت عمیس تھیں جو:-

(ا) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُمّ الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا (اہلیہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اخیافی (مادرزاد) بہن تھیں۔

(ب) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن تھیں ـــــ وہ یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علیؓ کی زوجیت میں رہیں۔

حضرت سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح عم رسولؐ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے ایک بیٹی اُمامہؓ

پیدا ہوئیں۔ غزوۂ اُحُد (۳ ہجری) میں سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت سلمیٰؓ بنتِ عمیس کا نکاح حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے دو بیٹے عبداللہؓ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ ان میں سے حضرت عبداللہؓ کو شرفِ صحابیت حاصل ہے (ان کے حالات اس کتاب میں الگ بیان کئے گئے ہیں)۔

حضرت سلمیٰؓ کی صاحبزادی حضرت اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی خالہ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو ان کا نکاح حضرت سلمہؓ (یا بروایت دیگر حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ) سے ہوا جو اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے فرزند اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔

اربابِ سِیَر نے حضرت شدادؓ بن الہاد کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا اور نہ ان کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ وہ غزوۂ اُحُد (۳ھ) سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ پہلے مدینہ منوّرہ میں رہتے تھے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

حضرت شدادؓ بن الہاد سے مروی کچھ احادیث کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے دو یہ ہیں:

(۱) حضرت شدادؓ بن الہاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر کی دو نمازوں میں سے ہمارے پاس آئے۔ آپؐ اپنے دو نواسوں (حسنؓ اور حسینؓ) میں سے ایک کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپؐ نے آگے بڑھ کر اپنے نواسے کو داہنے پاؤں کے قریب بٹھا کر نماز کی نیت باندھی۔ اثنائے نماز میں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ سجدہ میں پڑے ہیں اور

ایک بچہ آپؐ کی پشت مبارک پر ہے۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا۔ جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپؐ نے ایک سجدہ اس قدر طویل کیا کہ ہم کو گمان ہوا کہ کوئی نئی بات پیدا ہو گئی یا آپؐ پر وحی آنے لگی۔ آپؐ نے فرمایا، ایسی کوئی بات نہ تھی بلکہ میرا لڑکا (نواسہ) مجھ پر سوار ہو گیا تھا، اس وجہ سے میں نے جلدی کرنے کو اچھا نہ سمجھا۔ (اُسدُ الغابہ)

(۲) حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپؐ کے پیچھے ہو لیا اور کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مہاجر بنوں گا۔ آپؐ نے اپنے بعض صحابہ کو اس کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ اس کی ضروریات کا خیال رکھیں۔

جب غزوۂ خیبر میں آپؐ کو مالِ غنیمت ملا اور آپؐ نے اس کو تقسیم فرمایا تو آپؐ نے اس (اعرابی) کا حصہ بھی نکالا اور یہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا کہ اس کو پہنچا دیں (کیونکہ وہ خود اس وقت بارگاہِ نبویؐ میں موجود نہیں تھا) اور وہ اپنے ساتھیوں کے جانور چرایا کرتا تھا۔ پس جب وہ جانور چرا کر واپس آیا اور اس کے ساتھیوں نے اس کا حصہ دیا تو اس نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

ساتھیوں نے کہا کہ یہ مالِ غنیمت میں سے تمہارا حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے۔

اس نے کہا، میں نے اس وجہ سے (یعنی مالِ دنیا کی خاطر) آپ کا اتباع نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے کیا ہے کہ میرے یہاں تیر لگے اور اپنے حلق کی طرف تیر سے اشارہ کرتے ہوئے کہا —— تاکہ میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔

ساتھیوں نے کہا، اگر تو نے سچ کہا ہے تو اللہ تجھے سچا کر دکھلائے گا۔

پھر ان اصحابِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دشمنوں سے جہاد کیا جس میں یہ (اعرابی) بھی شریک تھا۔ اس کو حضورؐ کے پاس لاد کر لایا گیا، اس کے تیر اسی جگہ پیوست ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

آپؐ نے پوچھا، یہ وہی ہے ؟

صحابہؓ نے عرض کیا، جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا، اس نے اللہ کے ساتھ سچّا معاملہ رکھا اور اللہ نے اس کو سچا کر دکھایا۔

پھر آپؐ نے اس کو اپنے جُبّۂ مبارک میں کفن دیا اور آگے بڑھ کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپؐ نے اس کے جنازہ کی نماز میں جو الفاظ ظاہر کر کے (یعنی بآوازِ بلند) ادا فرمائے، وہ یہ تھے :

اے میرے اللہ ! یہ تیرا بندہ ہے، ہجرت کر کے تیرے راستہ میں نکلا ہے شہید ہو کر قتل کیا گیا اور میں اس پر گواہ ہوں۔

(بیہقی، نسائی، البدایہ والنہایہ، مستدرک حاکم)

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :- اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر ہوں۔ پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتشِ دوزخ کے لیے حرام کر دے گا۔

(سنن ابنِ ماجہ)

حضرت شُکَل بن حُمَید عَبسی

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ اور حالاتِ زندگی بیان نہیں کیے، صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا نام شُکَل بن حُمَید تھا اور وہ بنو عَبس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے شرفِ صحبت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے ان کے بیٹے شُتیر نے یہ حدیث روایت کی ہے:-

شُکَل بن حُمَید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا نبیّ اللہ! مجھے کوئی تعوّذ تعلیم فرما دیجیے (یعنی کوئی ایسی دعا بتا دیجیے) جس کے ذریعے میں اللہ کی پناہ اور حفاظت طلب کیا کروں۔ آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں تھام کر فرمایا: کہو

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ۔

(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے قلب کے شر سے اور اپنے مادۂ شہوت کے شر سے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی وسنن نسائی)

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ (ابن ماجہؒ)

حضرت صَبِیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض نے ان کا نام صُبَیح لکھا ہے۔ حسب نسب کسی نے بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ بنو عبدِ شمس کے رئیس ابو اُحیحہ سعید (ذوالتاج) بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبدِ مناف بن قُصَیّ کے غلام تھے۔ اس کے بعد اس کی اولاد کے غلام ہو گئے۔

اہلِ سیَر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے اور آلِ سعید (اُبُو اُحیحہ) نے انہیں آزاد کر دیا تھا (اُبو اُحیحہ کے بیٹے حضرت خالدؓ، سعیدؓ، ابانؓ، عمروؓ اور عبداللہؓ مسلمان ہو گئے تھے) اِذنِ ہجرت ہونے پر صبیحؓ مکہ سے مدینہ چلے گئے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بَدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت صبیح رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے مگر بیمار ہو گئے اور لڑائی میں حصہ نہ لے سکے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اونٹ پر سوار کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت صبیحؓ نے خود اپنے اونٹ پر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کر دیا تھا (کیونکہ وہ خود علالت کی بناء پر غزوے پر نہیں جا سکتے تھے۔) بدر کے بعد وہ تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمراہ رہے۔

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صخرؓ بن عیلہ احمسی

خاندانی تعلق بنو احمس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
صخرؓ بن عیلہ بن عبداللہ بن ربیعہ بن عمرو بن علی بن اسلم بن احمس بن غوث بن انمار احمسی۔

ان کی کنیت ابو حازم تھی۔ اپنے قبیلے کے رئیس تھے۔ قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے لیکن یہ بات ثابت ہے کہ غزوۂ طائف سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے تھے۔

غزوۂ حنین (۸ ہجری) کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو اہلِ طائف نے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ تقریباً تین ہفتے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجوہ محاصرہ اٹھا لیا اور واپس تشریف لے گئے۔ جن ایام میں محاصرہ جاری تھا، حضرت صخر بن عیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محاصرے کی اطلاع ملی تو وہ سواروں کی ایک جماعت ساتھ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے چل پڑے۔ اتفاق سے وہ اس وقت پہنچے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ اٹھا کر واپس تشریف لے جا چکے تھے۔ اب حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور عہد کیا کہ جب تک اہلِ طائف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول نہیں کریں گے وہ ان کا محاصرہ جاری رکھیں گے۔ اہلِ طائف نے جلد ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی اور قلعہ سے نیچے اتر آئے۔ اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف کی فتح اور بنو ثقیف کی اطاعت کی اطلاع خدمتِ نبوی میں بھیجی تو آپ نے مسجدِ نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور بنو احمس کے لیے دس ... اے اللہ بنو احمس کے سواروں اور

پیادوں پر رحمت نازل فرما۔

اس واقعہ کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ صخرؓ نے طائف کی فتح کے بعد میری پھوپھی کو گرفتار کر لیا ہے حالانکہ وہ حلقۂ بگوشِ اسلام ہو چکی ہیں۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صخرؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

"اے صخر جب کوئی قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو وہ اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کر لیتی ہے۔ تم نے مغیرہؓ کی پھوپھی کو گرفتار کیا ہے حالانکہ وہ مسلمان ہو چکی ہے اسے مغیرہؓ کے حوالے کر دو۔"

حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بلا چون و چرا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی۔ پھر انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا کہ بنو سُلیم کو اسلام کی دعوت ملی تو وہ اسے قبول کرنے کے بجائے اپنا پانی کا چشمہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! کیا میں اور میرا قبیلہ اس چشمے پر قبضہ کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔

چنانچہ حضرت صخرؓ نے اس چشمے پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد بنو سُلیم اسلام لے آئے اور حضرت صخرؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ چشمے پر سے اپنا قبضہ اٹھالیں اور ان کا پانی انہیں واپس کر دیں۔ حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ بنو سُلیم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر صورتِ واقعہ بیان کی تو آپؐ نے حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو بلا کر حکم دیا کہ بنو سُلیم مسلمان ہو گئے ہیں اس لیے ان کا پانی واپس کر دو۔ حضرت صخرؓ نے ارشادِ نبوی کے سامنے بلا تامل سرِ تسلیم خم کر دیا اور عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی بہت اچھا۔"

حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بیان ہے کہ میں نے اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو اس کو سرخ پایا۔ یہ حیا کی سرخی تھی کہ میں نے ان سے جاریہ (حضرت مغیرہؓ کی پھوپھی) بھی واپس کرادی اور ان سے پانی بھی واپس کرا دیا۔

(سنن ابی داؤد، مسندِ احمد، البدایہ والنہایہ وغیرہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت صخرؓ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت صفوانؓ بن بیضاء فہری

قریش کے خاندان بنی فہر کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

صفوانؓ بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری قرشی۔

انہوں نے والدہ کے لقب یا عرف کی نسبت سے شہرت پائی۔

والدہ کا نام دعد بنت جحدم تھا لیکن وہ اپنے لقب یا عرف بیضاء سے مشہور تھیں۔ ان کا خاندانی تعلق بھی بنو فہر سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

دعد (بیضاء) بنت جحدم بن عمرو بن عایش بن ظرب بن حارث بن فہر۔

حضرت صفوانؓ کے دو بھائی حضرت سہلؓ اور حضرت سہیل بھی جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں (ان کے حالات اسی کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں۔) یہ تینوں بھائی ابناء بیضاء (بیضاء کے بیٹے) مشہور ہوئے۔

حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور اذنِ ہجرت ہونے پر ارض مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ شروع شروع میں ان کا قیام مدینہ منورہ کی نواحی بستی قباء میں ہوا جہاں حضرت کلثوم بن الہدم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنا مہمان بنایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت صفوانؓ کو حضرت رافعؓ بن معلیٰ انصاری کا مواخاتی بھائی بنایا۔

ہجرت کے بعد حضرت صفوانؓ سب سے پہلے سریۂ عبداللہؓ بن جحش میں شریک ہوئے جو رجب ۲ھ ہجری میں پیش آیا۔ اس کے بعد رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت صفوانؓ نے اسی غزوے میں طعیمہ بن عدی کے ہاتھ سے شہادت پائی مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق وہ بدر میں شہید نہیں ہوئے بلکہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں طاعونِ عمواس میں وفات پائی (۱۸ھ) اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے رمضان ۳۸ھ میں (بعہدِ خلافت حضرت علیؓ) وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک غزوے میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو لڑائی بھڑائی کی کبھی آرزو نہ کرو بلکہ اللہ سے ہمیشہ خیر و عافیت ہی طلب کرتے رہو۔ ہاں جب مجبوراً تم کو لڑنا پڑے تو صبر اور ثابت قدمی سے لڑو اور جان لو کہ جنت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر آپؐ نے دعا کی، اے اللہ، اے قرآنِ مجید کے نازل کرنے والے، اے بادلوں کے چلانے والے، اے فوجوں کو بھگانے والے، ان ہمارے دشمنوں کو بھگا دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

(صحیح بخاری)

حضرت صِلہؓ بن اشیم عَدَوی

خاندانی تعلق عدی بن رباب سے تھا۔ یہ عدنانی مُضری قبیلہ تھا جو طابخہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ نجد اور عراق میں آباد تھے۔ اہلِ سیر نے حضرت صلہؓ کا شجرۂ نسب نہیں لکھا لیکن ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ قبولِ اسلام کے وقت بہت بوڑھے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی۔ بڑے عبادت گزار تھے اور رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری اُمّت میں ایک شخص ہو گا صلہ۔ اس کی شفاعت سے جنّت میں کثیر تعداد میں لوگ داخل ہوں گے۔ (اس شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حشر کے دن حضرت صلہؓ کو ان کے اعمالِ حَسنہ کے بدلے میں اِذن دے گا کہ جو مانگنا ہو مانگو، وہ گنہگاروں کی ایک کثیر تعداد کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں عرض پیرا ہوں گے کہ اے غفور و رحیم ان کے گناہ بخش دے اور ان کو جنّت میں جگہ عطا فرما۔ حق تعالیٰ ان کی التجا قبول فرمائے گا۔)

حضرت صلہؓ سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت تک حیات تھے۔ سنہ ۲۹ہجری میں امیر المومنینؓ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجستان پر لشکر کشی کی تو حضرت صلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبرسنی کے باوجود ثوابِ جہاد کے حصول کے لیے اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور اسی سلسلے کے ایک معرکے میں شہادت پائی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی۔

حضرت صلہ بن اشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اور اس میں دنیا کا کچھ خیال نہ کرے تو وہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرے گا۔" (اُسدُ الغابہ)

حضرت ضحاکؓ بن حارثہ انصاری

خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ضحاکؓ بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی
ہجرت نبوی سے پہلے ایمان لائے اور پھر بیعت عقبہ کبیرہ (سنہ ۱۳ بعد بعثت)
میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔
رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے
روانہ ہوئے تو حضرت ضحاکؓ بن حارثہ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ یوں انہیں بدری
صحابی ہونے کا عظیم بالشان شرف بھی حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے حالات
زندگی پردۂ خفا میں ہیں — رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی
تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اے عورت اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ اس نے کہا، یہاں سے
ہٹ جا تجھے میرے جیسی مصیبت نہیں پہنچی۔ اس عورت نے آپؐ کو پہچانا نہ تھا
کسی نے اسے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ آپؐ کی خدمت میں
(معافی مانگنے) حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے آپؐ کو پہچانا نہ تھا۔ آپؐ نے
فرمایا کہ صبر کا ثواب تو اسی وقت ہوتا ہے جب صدمہ تازہ ہو۔

(صحیح بخاری)

حضرت ضحاکؓ بن خلیفہ انصاری

قبیلہ اوس کے معزز ترین خاندان بنی عبدالاشہل کے فرزند سعید تھے نسب نامہ یہ ہے:۔ ضحاکؓ بن خلیفہ بن ثعلبہ بن عدی بن کعب بن عبدالاشہل۔

قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے البتہ یہ بات یقینی ہے کہ غزوۂ اُحُد سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے کیونکہ سب اہلِ سِیَران کے غزوۂ اُحُد میں شریک ہونے پر متفق ہیں۔ اس کے بعد وفات تک ان کے حالاتِ زندگی کسی نے بیان نہیں کیے۔

ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخر میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: ـــــــ

"کسی مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے کی وجہ سے خبردار کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر بہت ہی تنگ ہو تو یوں کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے وفات دے جبکہ وفات میرے لیے بہتر ہو۔"

(صحیح بخاری)

حضرت عاصمؓ بن عدی بلوی

قبیلہ قضاعہ کے خاندان بَلی سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ مُنوّرہ میں اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے اس لیے بلوی بھی اور انصاری بھی کہلاتے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

عاصمؓ بن عدی بن الجد بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جعل بن عمرو بن ودم بن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن بلی۔

کنیت ان کی ابو عمرو تھی۔

ان کے بھائی حضرت معن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو بلی کی شاخ بنی عجلان کے سردار تھے۔ اُن کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے[1]

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ نبوی ؐ کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اس وقت تقریباً ستر برس کے پیٹے میں تھے۔

رمضان المبارک ۲ سنہ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عاصمؓ بن عدی بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے لیکن آپؐ نے

---

[1] حضرت معنؓ بن عدی ہجرتِ نبویؐ سے پہلے عقبہ ثانیہ میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت معنؓ بن عدی کو حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت معنؓ بدر سے لے کر تبوک تک، عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہیں راستے ہی سے قباء اور عوالی کا امیر بنا کر واپس کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ منافقین کسی شرارت کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے آپؐ نے بغرضِ احتیاط حضرت عاصمؓ کو واپس فرمایا تھا۔ تاہم آپؐ نے غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں حضرت عاصمؓ کا حصہ بھی لگایا۔ (یعنی انہیں شرکائے بدر میں شمار فرمایا)۔ اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔

شعبان ۹ھ ہجری میں انصار کی شاخ بنی عجلان کے ایک صحابی حضرت عویمر عجلانیؓ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کا جو واقعہ پیش آیا ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عاصمؓ بن عدی کا ذکر بھی کیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ایک دن حضرت عویمر عجلانیؓ، حضرت عاصمؓ بن عدی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا، اے عاصم! بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے اور اس کو قتل کر دے تو کیا تم لوگ (اس کے قصاص میں) اس کو قتل کر دو گے یا یہ بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں کیا کیا جائے۔ (حضرت عویمرؓ نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں جمع ہوئے اور اپنے میں سے خلیفہ منتخب کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معن بن عدیؓ نے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو انصار کے ارادے سے آگاہ کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ (مہاجرین) اپنی جگہ پر رہ کر فیصلہ کریں۔ اللہ نے کرم کیا کہ اس معاملے نے طول نہ کھینچا اور سب لوگ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

حضرت معنؓ بن عدی نے جنگِ یمامہ میں مُسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ

اپنی بیوی کو ایک شخص کے ساتھ متّہم کیا تھا)۔ اے عاصم! تم یہ معاملہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پیش کر دو اور مجھے بتاؤ کہ آپؐ نے کیا حکم دیا چنانچہ حضرت عاصمؓ نے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس کی بابت پوچھا۔ آپؐ نے اس سوال سے کراہت کا اظہار فرمایا۔ حضرت عاصمؓ واپس گھر آئے تو حضرت عویمرؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا، اے عاصم! رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تمہیں کیا جواب دیا؟

حضرت عاصمؓ نے کہا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سوال کو بہت معیوب جانا اور کوئی حکم نہیں دیا۔ اب حضرت عویمرؓ خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی دونوں کو مسجدِ نبویؐ میں بلا کر ان کے درمیان ملاعنت کرائی۔ (سورۂ نور کی آیات ۶ تا ۹ کے مطابق) اس کے بعد حضرت عویمرؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ ان طلاقوں کو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نافذ فرما دیا اور ان کے درمیان تفریق کرا دی۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، مسندِ احمد، نسائی، ابنِ ماجہ)

حضرت عاصمؓ بن عدی نے ۴۵ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ) وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۱۱۵ یا ۱۲۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹے ابو البداح اور ایک بیٹی سہلہ کے نام ملتے ہیں۔ سہلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہٗ سے منسوب تھیں۔

حضرت عاصمؓ بن عدی سے ۶ حدیثیں مروی ہیں۔ رُواۃِ حدیث میں حضرت سہلؓ بن سعد انصاری، شعبیؒ اور فرزند ابو البداحؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عامرؓ رامی خَضری

بعض روایتوں میں ان کا نام عامر الرام آیا ہے۔

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ محارب بن خصفہ بن قیس عیلان کی ایک شاخ خضر سے تھا۔ یہ لوگ مالک بن طریف بن خلف بن محارب کی اولاد سے تھے۔ لوگ مالک اور اس کی اولاد کو خضر (یا خضری) کہتے تھے کیونکہ وہ گندمی رنگ کے تھے۔ یہ لوگ نجد اور عراق میں آباد تھے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عامر رامی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عرب کے سب سے بڑے تیرانداز تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی تو ارباب سِیَر نے بیان نہیں کیے البتہ ان کے صحابی ہونے پر سب نے اتفاق کیا ہے۔ حضرت عامرؓ سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) "ہم لوگ اپنے وطن میں تھے کہ (ایک دن) یکایک ہمیں کچھ جھنڈے دکھائی دیے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ جھنڈے کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ (اس وقت) ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور آپؐ کے اصحاب نے آپؐ کے گرد حلقہ ڈال رکھا .... آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب مردِ مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت وعافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لیے نصیحت اور تنبیہ کا کام کرتی ہے اور منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا اور پھر کھول دیا لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔" (سُنن ابی داؤد)

(۲) "ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا جو کملی اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اس نے کمبل لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ!

میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرا جہاں سے میں نے پرندوں کے بچوں کی آوازیں سنیں۔ میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا۔ پھر ان کی ماں آئی اور میرے سر پر گھومنے لگی۔ میں نے اس کے سامنے ان بچوں کو کھول دیا اور وہ ان پر آ پڑی (ان سے چمٹنے لگی) میں نے ان سب کو پکڑ کر اپنی کملی میں ڈال لیا اور اب وہ میرے پاس ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، ان کو رکھ دے (زمین پر) چنانچہ اس نے سب کو (زمین پر) رکھ دیا۔ بچوں کی ماں نے اور کسی طرف توجہ نہ کی اور بچوں سے چمٹنے (لپٹنے) لگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ ماں اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔ (اچھا اب) تم ان بچوں کو لے جاؤ اور جہاں سے لائے ہو ان کی ماں کے سامنے ان کو وہیں رکھ دو۔ چنانچہ وہ شخص ان کو لے گیا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ سنن ابی داؤد)

(اہل سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عامر رامی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اسی موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے یا وہ اس سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے)۔

حضرت عامر رامی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سالِ وفات کا کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عائذ بن ماعص انصاری رضؓ

بعض نے ان کے والد کا نام (ماعص کے بجائے) ماعض لکھا ہے۔ خزرج کے خاندان بنی زُریق کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:——

عائذ بن ماعص بن قیس بن خَلدہ بن مُخلّد بن عامر بن زُریق۔

بعض روایتوں میں ان کے دادا کا نام میسرہ بھی آیا ہے۔ شاید قیس کا دوسرا نام میسرہ ہو —— حضرت عائذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ ہجرتِ نبوی کے بعد آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت عائذؓ کو حضرت سویبط بن حرملہ عبدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا مواخاتی بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے وہ اپنے بھائی حضرت معاذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور یوں بدری صحابی ہونے کا اہتم بالشان شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں نے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔

حضرت عائذؓ کے زمانۂ شہادت کے بارے میں اہلِ سیر میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ سانحۂ بئر معونہ (سنہ ۴ھ) میں شہید ہوئے اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب

اگر ان کی شہادت جنگِ یمامہ میں تسلیم کی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ غزوۂ اُحد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عبادؓ بن حارث انصاری

قبیلہ اَوس کی شاخ بنی جحجباء کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبادؓ بن حارث بن عدی بن اسود بن احرم بن جحجباہ بن کلفتہ بن عوف۔

ہجرت نبویؐ کے قریبی زمانے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ اپنے قبیلے کے نامی شہسوار تھے۔ ان کے پاس ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا تھا جس کا نام "ذی حرق" تھا۔ اسی کے نام کی نسبت سے وہ "سوارِ ذی حرق" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

سب سے پہلے غزوۂ اُحُد (شوال ۳ھ ہجری) میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔ تمام غزوات میں وہ اپنے گھوڑے ذی حرق پر سوار ہو کر لڑے۔

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد (الرِّدۃ) کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی سرکردگی میں جو لشکر مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی کے لیے گیا، یہ بھی اس میں شامل تھے۔ اسی سلسلے میں جنگِ یمامہ پیش آئی۔ حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس میں سربکف ہو کر لڑے اور اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی۔ ان کے ساتھ بہت سے دوسرے مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا مگر بالآخر فتح اہلِ حق ہی کو نصیب ہوئی۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی اُمیہ مخزُومی

خاندانی تعلق قریش کے خاندان بنی مخزوم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن ابی امیہ (حذیفہ) ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

والدہ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب (بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی) تھا — جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اس نسبت سے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی حقیقی بہن تھیں۔

ان کے والد ابو امیہ (حذیفہ) بنو مخزوم کے مقتدر رئیس تھے۔ وہ نہایت دریا دل اور سخی آدمی تھے۔ جب کسی سفر پر جاتے تو اپنے تمام ساتھیوں کی خوراک اور دوسری ضروریات کا بوجھ خود اٹھاتے اس لیے زاد الراکب (توشہ مسافر) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال دعوتِ توحید کے پھیلنے سے پہلے ہی ہو گیا البتہ ان کی سعید الفطرت بیٹی ہند (اُمِ سلمہؓ) نے دعوتِ حق کے اوائل ہی میں اسلام قبول کر لیا لیکن بدقسمتی سے عبداللہ نے اپنے قبیلے کے رئیس ابوجہل کی پیروی اختیار کی اور اہلِ حق کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ صحیح بخاری (باب الجنائز) میں ہے کہ یہ عبداللہؓ بن ابی اُمیہ ہی تھے جنہوں نے جناب ابی طالب کو آخری وقت پر یہ کہہ کر ایمان لانے سے روکا تھا کہ کیا عبدالمطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے؟

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور استہزاء کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لا سکتا جب تک تمہارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے یا تمہارے لیے کوئی سونے کا محل نہ تیار ہو جائے۔ تفسیر ابن جریر طبری میں ہے کہ قرآنِ پاک کی یہ آیتیں عبداللہؓ بن ابی امیہ ہی کے

بارے میں نازل ہوئی تھیں:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا۔ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ (بنی اسرائیل آیہ ۹۰-۹۱)

(ترجمہ) اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ تم ہمارے لیے زمین سے پانی کا چشمہ جاری کر دو یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔

مشرکین مکہ کا یہی رویہ تھا کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکے سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد بھی کئی سال گزر گئے ـــــــ آخر فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) سے چند دن پہلے یکایک حضرت عبداللہ بن ابی امیہ کی طبیعت میں انقلاب آگیا اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ وہ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا زاد بھائی ابوسفیان مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ قبولِ اسلام کی غرض سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے (ابوسفیان مغیرہ بھی رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے لیکن اب اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے) مکہ اور مدینہ کے درمیان ثنیۃ العقاب کے مقام پر پہنچے تو وہاں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خیمہ زن پایا۔ دونوں نے عفوِ تقصیر کے لیے بارگاہِ رسالت میں باریابی کی اجازت چاہی لیکن آپؐ نے ان کو ملنے سے انکار کر دیا۔ آخر اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ نبوی میں سفارش کی کہ یا رسول اللہ! یہ جیسے بھی ہیں پھر بھی ایک آپ کا چچا زاد بھائی ہے اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی نیز برادرِ نسبتی بھی۔ ان کو مایوس نہ کیجیے۔ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، مجھے ایسے بھائیوں کی ضرورت نہیں، انھوں نے مکہ میں میرے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ ایک نے میری ہجو کی اور

دوسرے نے جو کچھ کہا کہا ـــــــــــ

دونوں کو آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جواب کی خبر ہوئی تو انہوں نے عالمِ یاس میں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آخر رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جذبۂ رحم و کرم جوش میں آگیا اور آپؐ نے دونوں کو معاف کر کے شرفِ باریابی بخشا۔ اسی موقع پر دونوں صدقِ دل سے مُشرف بہ اسلام ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہؓ بن امیہ نے فتح مکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوہ حُنین میں دادِ شجاعت دی۔ پھر غزوۂ طائف میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ محاصرۂ طائف کے دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک دن آپؐ نے ایک مخنث صحابی کو (جن کا نام باختلافِ روایت ماتع یا ہیت تھا) حضرت عبداللہؓ بن امیہ سے یہ کہتے سنا کہ طائف فتح ہو جائے تو بادیہ بنتِ غیلان کو تم لے لینا وہ (اتنی حسین اور گداز بدن ہے کہ) چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے (یعنی سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور پیٹھ پھیرتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں)۔ یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا خیال تھا کہ یہ شخص (بوجہ مخنث ہونے کے) ان معاملات کو نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ کو حکم دیا کہ وہ ہیجڑوں کو اپنے گھروں کے اندر نہ آنے دیا کریں۔

محاصرۂ طائف کے دوران ہی میں ایک دن حضرت عبداللہ بن امیہ کو دشمن کا ایک تیر لگا۔ یہ تیر تیرِ قضا ثابت ہوا اور وہ اسی دن جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ

حضرت عبداللہؓ بن اَبی الحَمْسَاء

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اُن کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔ بعض لوگوں نے ان کو بصری صحابہ میں شمار کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مکہ میں رہتے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں تطابق اس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے مکہ میں رہتے ہوں گے۔ پھر جب حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو وہ بصرہ منتقل ہو گئے ہوں گے۔

ان کی زندگی کے حالات کسی نے بیان نہیں کیے البتہ ایک واقعہ کی بنا پر ان کو تاریخ میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ یہ واقعہ انہوں نے خود اس طرح بیان کیا ہے:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپؐ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے دہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا تو میں نے آپؐ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت) لے کر پہنچا تو دیکھا کہ آپؐ اسی جگہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا اور بڑی زحمت دی میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔" (سنن ابی داؤد)

بعض ارباب سِیَر نے کہا ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نام عبداللہ بن ابی جدعا تھا لیکن بعض نے عبداللہؓ بن ابی جدعا کو الگ شخصیت قرار دیا ہے۔

عبداللہؓ بن ابی جدعا کو بعض تمیمی کہتے ہیں اور بعض عبدی۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت کے ایک آدمی کی شفاعت سے اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو قبیلہ تمیم کے لوگوں سے زیادہ ہوں گے ـــــ میں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! کیا وہ شخص آپؐ کے سوا کوئی دوسرا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا، (ہاں) میرے سوا کوئی دوسرا ہوگا۔" (اسد الغابہ)

حضرت عبداللہؓ بن ثابت انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان ظفر بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس سے تھے۔
ان کی کنیت ابو ربیع تھی۔

اہلِ سِیَر نے ان کے قبول اسلام کا زمانہ بیان نہیں کیا۔ قیاس یہ ہے کہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ ان کو اپنے اخلاص فی الدین کی بدولت بارگاہِ رسالتؐ میں درجۂ تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ کسی غزوے میں شریک ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ سخت بیمار ہو گئے۔ (ارباب سِیَر نے اس غزوے کا نام نہیں لکھا۔) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ بے ہوش پڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلند آواز سے پکارا مگر انہوں نے (بے ہوشی کی وجہ سے) کوئی جواب نہ دیا۔ آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا:

"اے ابوالربیع! تم ہم سے جدا کر لیے گئے۔"

بروایتِ دیگر

"اے ابوالربیع اب ہم تمہارے بارے میں بے اختیار ہیں۔"

اس پر گھر کی عورتیں چیخیں مار کر رونے لگیں۔ حضرت جابر بن عتیک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے عورتوں کو اس طرح رونے سے منع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انہیں چھوڑ دو۔ جب تک عبداللہ زندہ ہیں یہ رو لیں۔ ہاں جب یہ گزر جائیں تو پھر کوئی رونے والی واویلا نہ کرے"

لوگوں نے عرض کیا:۔
"یارسول اللہ! گر جانے کا کیا مطلب ہے؟"
آپؐ نے فرمایا:۔ "جب فوت ہو جائیں۔"
حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیٹی نے عرض کیا:۔
"یارسول اللہ! خدا کی قسم مجھے امید تھی کہ یہ شہید ہوں گے (نہ یہ کہ اپنے بستر پر فوت ہوں گے) کیونکہ انہوں نے اپنے جہاد کا سامان بالکل ٹھیک کر لیا تھا۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اللہ تعالیٰ نے اُن کی نیت کے مطابق ان کو ثواب دے دیا اور تم لوگ شہادت کس کو کہتے ہیں؟"
لوگوں نے عرض کیا:۔
"اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے کو۔"
آپؐ نے فرمایا:۔ قتل فی سبیل اللہ کے علاوہ (اور طریقوں سے بھی) شہید ہوتے ہیں۔ جو طاعون میں مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو پیٹ کے مرض میں مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو جل کر مر جائے وہ بھی شہید ہے جو کسی چیز کے نیچے دب کر مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ عورت جو وضع حمل کے وقت مر جائے وہ بھی شہید ہے۔"

حضرت عبداللہ بن ثابت نے اسی بیماری میں وفات پائی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے کرتے میں کفنایا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عبداللہؓ بن جدّ انصاری

ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی سلمہ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن جدّ بن قیس بن صخر بن خنسا بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

ان کے والد جدّ بن قیس ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت منافق ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ بنو سلمہ کے سردار تھے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بخل کی وجہ سے ان کی جگہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو سلمہ کا سردار بنا دیا تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جدّ نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور ان کی توبہ اچھی رہی تھی۔

حضرت عبداللہ بن جدّ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہایت مخلص اور صادق الایمان صحابی تھے۔ سب اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔ مزید حالاتِ زندگی کسی نے بیان نہیں کیے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ مبارک

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ جا کر عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت عطا کی اور فرمایا کہ بھائی ہمیں کو دعا کے وقت بھول نہ جانا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جاتی تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہؓ بن حارث زبیدی

نسبی تعلق یمن کے قبیلہ بنی زبید سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن حارث بن جزء بن عبداللہ بن معدی کرب بن عمرو بن عسیم بن عویج بن عمرو بن زبید۔ وہ مکہ میں بنو سہم کے حلیف تھے۔

ان کے حالات زندگی کے بارے میں ارباب سیر کے بیانات میں سخت الجھاؤ ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں ان کا نسب نامہ اسی طرح لکھا ہے اور ساتھ ہی بیان کیا ہے کہ وہ حضرت محمیہؓ بن جزء کے بھتیجے تھے جو غزوۂ بدر کے دن تقسیم غنیمت پر مامور تھے۔ لیکن حضرت محمیہؓ بن جزء کا سلسلۂ نسب دوسرے ارباب سیر نے اس طرح بیان کیا ہے:

محمیہؓ بن جزء بن عبد یغوث بن عویج بن عمرو بن زبید الاصغر

اس طرح حضرت عبداللہؓ بن حارث کو دور کے رشتے سے ان کا ابن عم کہا جا سکتا ہے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ محمیہؓ سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے غزوۂ بنی مصطلق میں شریک ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس کا عامل بنایا تھا اور اس غزوے میں بھی یہ خدمت ان کے سپرد تھی۔ حضرت محمیہؓ کا بدری صحابی ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح ابن مندہؒ نے حضرت عبداللہ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

عبداللہ بن ابو مالک بن حارث بن عبید بن مالک۔

ساتھ ہی انہوں نے لکھا ہے کہ وہ "غزوۂ بدر" میں شریک تھے، اور ۸۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے ابن مندہؒ کے بیان کو مشکوک ٹھہرایا ہے۔ ان کا شک درست ہے کیونکہ کسی اور روایت سے حضرت عبداللہؓ کے نہ غزوۂ بدر میں شریک

ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور نہ جنگِ یمامہ میں شہید ہونے کا۔

حضرت عبداللہؓ بن حارث بن جزء کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر فتح ہوا تو حضرت عبداللہؓ مصر چلے گئے اور طویل عمر پا کر وہیں باختلافِ روایت ۸۵ھ، ۸۶ھ یا ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ بن حارث بن جزء سے کئی احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ کسی شخص نے آپؐ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا۔ آپؐ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ کھایا۔ پھر آپؐ اور آپؐ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سُنن ابن ماجہ)

(۲) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (اُسُد الغابہ)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں سانپ ہیں جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ڈسے گا تو چالیس سال تک وہ اس کے زہر کا اثر پائے گا اور تڑپے گا اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں جو پالان بندھے خچروں کی مانند ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا تو چالیس سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پائے گا۔ (مُسندِ احمد)

حضرت عبداللہؓ بن حارث سہمی

قریش کی شاخ بنی سہم میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :۔
عبداللہؓ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی سہمی
قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ اوائلِ بعثت میں لوائے توحید تھامنے والی سعادت مند ہستیوں کو جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

۵ھ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عبداللہؓ بن حارث رضی اللہ عنہٗ بھی اپنے بھائیوں اور بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ حبشہ سے کب واپس آئے۔

ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ طائف (۸ھ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور اسی غزوے میں انہوں نے شہادت پائی۔ لیکن ابنِ سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں یمامہ کی جنگ میں شہادت پائی۔ واللہ اعلم بالصواب
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عبداللہؓ بن حنظلہؓ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبداللہؓ بن حنظلہؓ بن ابی عامر عمرو بن صیفی بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ بن زید بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔
والدہ کا نام جمیلہؓ بنت عبداللہ بن اُبَی بن سلول تھا۔
دادا ابی عامر کو اسلام دشمنی کی بناء پر بارگاہِ رسالت سے فاسق کا لقب[1] ملا اور نانا عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا لیکن والد حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2] اور ماموں حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن اُبَی کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔

---

[1] ابی عامر قبیلہ اوس کے شریف اور با اثر لوگوں میں سے تھا۔ وہ بعثت نبوی کا قائل تھا اور دنیا ترک کر کے راہب بن گیا تھا مگر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ آپؐ پر ایمان نہ لایا اور مدینہ سے مکہ چلا گیا۔ غزوۂ اُحد میں کفار کے لشکر کے ساتھ تھا۔ اُحد کے بعد پھر مکہ واپس چلا گیا۔ ۸ھ ہجری میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا تو وہ مکہ سے بھاگ کر روم چلا گیا اور وہیں ۹ھ یا ۱۰ھ میں مر گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے فاسق کا لقب تجویز کیا تھا۔

[2] حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر غسیل الملائکہ اور تقی کے القاب سے مشہور ہیں۔ باپ کی اسلام دشمنی کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کیا اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو باپ کا سر اتار لاؤں لیکن آپؐ نے اجازت نہ دی۔ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ اُحد کے لیے اعلانِ جہاد ہوا تو بیوی کے ساتھ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ ایک روایت میں ابوبکر بھی بیان کی گئی ہے۔
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات برس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

خلوت میں تھے۔ اُسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور میدانِ رزم میں پہنچ کر مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے اسی لیے وہ غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

؎ عبداللہ بن اُبَی کے فرزند کا نام بھی عبداللہ تھا۔ عبداللہ بن اُبَی کی قسمت میں رئیس المنافقین بننا لکھا تھا لیکن فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مخلص صحابی تھے۔ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بدر، اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ بنی مصطلق میں عبداللہ بن اُبَی کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے لوگ ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ حضرت عبداللہؓ کو باپ کے ان الفاظ کا علم ہوا تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خدا کی قسم میرا باپ خود ذلیل ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کا سر اڑا دوں لیکن آپؐ نے اجازت نہ دی۔

جب لشکرِ اسلام نے مراجعت کی تو وہ باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے کہ جب تک اپنے ذلیل ہونے کا اقرار نہ کرو مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو جب تک یہ ہم میں موجود ہیں ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے۔

حضرت عبداللہؓ نے جنگِ یمامہ (سنہ ۱۲ھ) میں شہادت پائی۔ ان کا شمار فضلائے صحابہؓ میں ہوتا ہے کبھی کبھی وحی لکھنے کا شرف بھی حاصل کیا۔

تھی اس لیے ان کا شمار صغائرِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ تاہم وہ بڑے ذہین اور سمجھ دار تھے۔ اگر کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشادِ مبارک سننے کا اتفاق ہوتا تو اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت کے اواخر میں پورے جوان ہو چکے تھے لیکن یزید بن معاویہؓ کے دورِ حکومت سے پہلے اُن کی کسی سیاسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا، البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے عمائد واشراف میں شمار ہوتے تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان پر خشیتِ الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ایک دفعہ کسی کو یہ آیت پڑھتے سُنا:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الاعراف آیۃ ۴۱)

(ایسے لوگوں کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتشِ) جہنم کا ہوگا اور اوڑھنا بھی (اسی کا) اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں)

تو بے اختیار رونے لگے اور اس قدر روئے کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ ان کی جان نکل جائے گی۔ پھر کھڑے ہوئے، لوگوں نے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن بیٹھ جائیے انہوں نے جواب دیا، دوزخ کے ڈر نے میرے لیے بیٹھنا محال ہوگیا۔ شاید میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی "شب زندہ داری" کا یہ عالم تھا کہ سونے کے لیے کوئی بستر نہ بنایا تھا۔ نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتے اور اپنی چادر اور ہاتھ کو تکیہ بنا کر کچھ دیر سو لیتے۔

ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاضل، صالح، عظیم الشان مرتبے والے، عالی خاندان شریف النسب تھے۔

ذی الحجہ ۶۳ھ ہجری میں اہلِ مدینہ کو ایک ہولناک ابتلا کا سامنا کرنا

پڑا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اہلِ مدینہ کا ایک وَفد دمشق (دارالخلافہ) گیا۔ اس وفد میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔ یہ وَفد واپس مدینہ آیا تو اس نے یزید کے بارے میں کسی اچھی رائے کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔ اس پر یزید نے مسلم بن عقبہ مُرّی کو ایک مضبوط فوج دے کر مدینہ پر اُموی حکومت کا اقتدار بحال کرنے کے لیے بھیجا۔ مدینہ کے انصار نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اور مہاجرین نے حضرت عبداللہ بن مُطیع عَدَوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا امیر بنا کر شامی فوج کا سخت مقابلہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کے آٹھ بیٹے تھے انہوں نے ایک ایک کر کے سارے بیٹوں کو آگے بڑھایا اور وہ سب مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے اپنی تلوار کا میان توڑ ڈالا اور تلوار چلاتے ہوئے شامیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ دیر تک لڑتے رہے اور آخر شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مُطیع رضی اللہ عنہما کے سات بیٹے بھی لڑائی میں شہید ہو گئے، مگر وہ خود بچ کر نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس مکہ پہنچ گئے۔ اہلِ شام نے اپنی عسکری برتری کی بناء پر غلبہ حاصل کر کے مدینہ مُنوّرہ پر قبضہ کر لیا۔

ابن اثیرؒ نے عبداللہ بن ابی سفیان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن حنظلہؓ کو ان کی شہادت کے بعد خواب میں نہایت اچھی حالت میں دیکھا۔ میں نے پوچھا، کیا آپ شہید نہیں ہوئے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں اور میں اپنے رَبّ سے ملا۔ اس نے مجھے جنّت میں داخل کیا اور میں جنّت کے میووں میں سے جو چاہتا ہوں کھاتا ہوں۔

میں نے پوچھا، آپ کے ساتھیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ انہوں نے جواب دیا، وہ میرے ساتھ میرے جھنڈے کے گرد ہیں اس کی گرہ قیامت تک نہ کھُلے گی۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عبداللہ رضؓ بن زبیر بن عبد المطّلب ہاشمی

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچازاد بھائی تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن زبیر بن عبد المطّلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قُصَیّ

ان کے والد زبیر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے والد جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔

والدہ کا نام عاتکہ بنت وہب (بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم) تھا۔

قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں ہے۔ اربابِ سِیَر نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ان سے بہت محبت تھی اور آپؐ ان کو ابنِ عمّی و حِبّی (میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا) فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ ان کو "میری ماں کے بیٹے" بھی فرمایا کرتے تھے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔

خلیفۃ الرّسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سلطنتِ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ بھی مجاہدین میں شریک ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ بڑے نڈر اور بہادر آدمی تھے۔ اَجنادَین کی لڑائی میں رومیوں کا ایک نامی بہادر نشان لگائے ہوئے اپنی صفوں سے باہر آیا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر اس کے مقابل ہوئے اور آناً فاناً اس کو ہلاک کر ڈالا۔ پھر ایک اور رومی بطریق سامنے آیا، عبداللہؓ اس کی طرف بھی بڑھے۔ پہلے دونوں میں

نیزہ بازی ہوئی پھر دونوں نے تلواریں نیاموں سے نکالیں اور ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ آخر حضرت عبداللہؓ نے اس پر ایک ایسا کاری وار کیا کہ ان کی تلوار اس کی زرہ کو کاٹتی ہوئی اس کے مونڈھوں تک پہنچ گئی اس وقت انہوں نے نعرہ لگایا ——— "یہ لے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

رومی میں اب لڑنے کا حوصلہ نہ رہا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ حضرت عمروؓ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہؓ کو قسم دے کر کہا کہ اب نہ لڑو۔ انہوں نے جواب دیا، خدا کی قسم میں صبر نہیں کر سکتا (یعنی لڑائی سے ہاتھ نہیں روک سکتا)۔ چنانچہ تلوار چلاتے ہوئے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ لڑائی کے بعد مسلمان اپنے شہداء کی تلاش میں نکلے تو حضرت عبداللہؓ کی لاش ایک ٹیلے پر ملی۔ ان کے گرد دس رومی کٹے پڑے تھے۔ گویا وہ دس رومیوں کو مار کر شہید ہوئے تھے۔

انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چاہے گا اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رُخ اور توجہ اس کی طرف کرے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن سراقہ انصاری

قریش کے خاندان "بنو عدی" کے فرزندِ سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔
عبداللہؓ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اداہ بن رزاح بن عدی
بن کعب بن لوئیؒ۔ (سیر الصحابہ)
حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں ان کا شجرۂ نسب یوں
بیان کیا ہے:
عبداللہؓ بن سراقہ بن انس بن اداہ بن رباح بن قرط بن رزاح
بن عدی بن کعب بن لوئیؒ۔
ان کی والدہ کا نام آمنہ بنتِ عبداللہ (بن عمیر بن اہیب بن حذافہ
بن جمحؒ) تھا۔

غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور مکہ سے ہجرت کر کے
مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر انصاری نے اپنا مہمان
بنایا ——— ابنِ اسحاقؒ، زبیر بن بکارؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ
حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے
لیکن موسیٰ بن عقبہؒ اور ابو معشرؒ نے لکھا ہے کہ وہ بدر میں شریک نہیں
ہوئے البتہ اُحد اور مابعد کے تمام مشاہد میں شریک تھے۔ فی الحقیقت جمہور
اربابِ سیر نے ان کے شریکِ بدر ہونے والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ بہرصورت
اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں ان کے شریک ہونے سے
کسی کو اختلاف نہیں۔

ان کے حقیقی بڑے بھائی حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار

بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے وہ سابقین اور مہاجرین اولین میں شامل ہیں۔ بدر، اُحد، احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کی نسل نہیں چلی۔

(تہذیب الکمال علامہ یوسف بن زکی المزی)

حافظ ابن مندہؒ نے ایک طریقے سے حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں پچھلے کو (یعنی سحری کے وقت) ناشتہ ضرور کرو۔ کچھ نہ ہو تو پانی ہی سہی۔"

دوسرے طریقے سے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں (برہنہ) نہاتے دیکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا، بے شک اللہ حیادار ہے۔ پردہ پوش ہے اور حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے اس لیے جب تم میں سے کوئی (میدان میں) نہائے تو اسے پردہ کرلینا چاہیے۔

(ابوداؤد و نسائی)

حضرت عبداللہ بن سرجس مُزنی رض

ارباب سیر نے صرف ان کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے، نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ خاندانی تعلق مشہور قبیلہ بنو مزینہ سے تھا اور ایک روایت کے مطابق قریش کی شاخ بنو مخزوم کے حلیف تھے۔

ان کے قبول اسلام کے زمانے کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور نہ عہد رسالت کے کسی غزوے میں ان کی شرکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ بقول حافظ ابن عبدالبرؒ ان کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرے منتقل ہو گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ ان کا شمار بصری صحابہ میں ہوتا ہے

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گوشت اور روٹی کھانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے چند احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھی سیرت، اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی، نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے وقت پناہ مانگتے سفر کی کلفت اور محنت سے اور بری حالت میں واپسی سے اور حالت کے بدل جانے سے اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل و عیال کو بری حالت میں دیکھنے سے۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح عامری

خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی عامر بن لؤیّ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حُبَیّب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤیّ بن غالب بن فہر۔

اس خاندان کا شمار قریش انطواہر میں ہوتا تھا۔ یہ لوگ مکہ کے بیرونی منطقہ میں مضافاتی اور اس کے قریبی علاقوں میں آباد تھے۔ عامر بن لؤیّ کے بھائی کعب بن لؤیّ کی اولاد قریش البطاح کہلاتی تھی۔ یہ لوگ مکہ کے اندرونی علاقے (بطحاءِ مکہ) میں آباد تھے۔ (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ قصیّ بن کلاب، کعب بن لؤیّ کے پرپوتے تھے)

حضرت عبداللہؓ بن سعد کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور وہ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ (یعنی دونوں نے بچپن میں ایک ہی خاتون یعنی حضرت عبداللہؓ کی والدہ کا دودھ پیا تھا۔) مشہور صحابی حضرت وہبؓ بن سعد بن ابی سرح ان کے حقیقی بھائی تھے[1] حضرت وہبؓ ہجرت نبویؐ سے پہلے مکہ میں مشرف بہ اسلام

---

[1] سیدنا حضرت وہبؓ بن سعد بن ابی سرح مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے قباء میں حضرت کلثوم بن الہدم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو اپنا مہمان بنایا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کرایا تو حضرت وہبؓ کو حضرت سوید بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہوئے لیکن حضرت عبداللہؓ بن سعد نے فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آ گئے۔ وہ قریش کے اُن دانا اور ذہین لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کاتبانِ وحی میں شامل ہو گئے (یعنی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعض دوسرے پڑھے لکھے صحابہ کی طرح ان سے بھی وقتاً فوقتاً کتابتِ وحی کی خدمت لینی شروع کر دی) قیامِ مدینہ کے دوران میں حضرت عبداللہؓ سے ایک ایسی شدید لغزش سرزد ہو گئی جو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سخت ناراضی کا باعث ہوئی۔ عام روایات کے مطابق یہ لغزش ان سے کتابتِ وحی کے سلسلے میں سرزد ہوئی۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا مواخاتی بھائی بنایا۔ حضرت وہبؓ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اس کے بعد اُحد، احزاب اور خیبر وغیرہ کے معرکوں میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ بیعتِ رضوان کا شرف بھی حاصل کیا۔ انہوں نے ۸ ہجری میں غزوۂ موتہ میں شہادت پائی۔ اس وقت انہوں نے عمر کی صرف چالیس منزلیں طے کی تھیں۔

ان کے مواخاتی بھائی حضرت سوید بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی غزوے میں شہید ہوئے۔

[1] اس سلسلے میں اربابِ سِیَر نے مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ وحی کی کتابت کرتے ہوئے سمیعاً بصیراً کی جگہ علیماً حکیماً لکھ دیا اور ایک مرتبہ علیماً حکیماً کی جگہ غفوراً رحیماً لکھ دیا۔ ایسی بات حاملِ وحی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نہ مخفی رہ سکتی تھی اور نہ رہی۔ وحی میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم تھا۔ حضرت عبداللہؓ بھی اس بات کو جان گئے تھے اور انہوں نے راہِ فرار اختیار کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ وحی کی کتابت کر رہے تھے کہ یہ آیت نازل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہؓ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اپنی طرف سے مکدر دیکھ کر مدینہ منورہ سے مکہ بھاگ گئے اور وہاں مشرکین کے ساتھ گھل مل کر رہنے لگے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واجب القتل قرار دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہوئی، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ جب وہ یہ آیت لکھ چکے تو اتفاق سے ان کے منہ سے نکل گیا فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو لکھو، یہی آیت نازل ہوئی ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ ان پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ اس خیالِ فاسد کے اظہار پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سخت ناراض ہوگئے۔ اس قسم کی کچھ اور روایات بھی ہیں لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سچ کتنا ہے اور مبالغہ کتنا۔ اس سلسلے میں "اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ" جلد ۱۲ میں حضرت عبداللہؓ بن سعد کے ترجمے میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے:

"بعض کتابوں میں ان کے خلاف کچھ قصے کچھ باتیں درج ہیں جن کا مقصد ان کی شہرت کو داغدار کرنا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ سے ان کی غیر معمولی جانبدارانہ وفاداری اور ایک وجہ خاص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ناراضگی کا ذکر بھی آتا ہے۔ لیکن تنقید و تحقیق کی روشنی میں اس قسم کی کہانیوں کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔"

اگرچہ "دائرہ معارفِ اسلامیہ" کے فاضل مقالہ نگار نے حضرت عبداللہؓ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے متعلق روایات کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کو یکسر رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قریب قریب سبھی اربابِ سیر نے اس قسم کی روایات بیان کی ہیں۔ یہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ بعض روایات میں مبالغہ کا عنصر شامل ہوگیا ہوگا لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عبداللہؓ کو مباح الدم قرار دیا جانا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کی وجہ یقیناً ان کی کوئی شدید لغزش ہی ہو سکتی ہے۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں رسولِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکّہ پر پرچمِ توحید بلند کیا تو حضرت عبداللہؓ بن سعد کو موت اپنے سر پر کھڑی نظر آئی[1] انہیں اب اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] حضرت عبداللہؓ کے علاوہ جو دوسرے لوگ مباح الدم قرار پائے تھے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن خطل

(۲) مقیس بن صُبابہ

(۳) حویرث بن نُقید

(۴) قریبہ (کنیز)

(۵) فرتنیٰ (کنیز)

(۶) سارہ (کنیز)

(۷) ہبار بن اسود

(۸) عکرمہ بن ابی جہل

(۹) صفوان بن امیّہ

عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نُقید اور قریبہ چاروں اپنے بھیانک جرائم کی بنا پر قتل کیے گئے لیکن باقی سب کو تائب ہونے پر آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے معاف فرما دیا۔ ان کے علاوہ باقی سب مشرکین قریش کے لیے بھی رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عفوِ عام کا اعلان فرما دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے صحابہؓ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، یہاں تک کہ ان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا تھا لیکن فتح مکّہ کے دن جب وہ سب آپؐ کے رحم و کرم پر تھے اور آپؐ کا ایک اشارہ ان سب کے خاک و خون میں لوٹا سکتا تھا، آپؐ کی شانِ رحیمی نے ان سے بدلہ لینا گوارا نہ کیا اور آپؐ نے سب کو معاف فرما دیا۔

کے دامن میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہ آیا۔ چنانچہ وہ چھپ چھپا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے، اور ان سے درخواست کی کہ وہ بارگاہِ نبوی میں ان کی جاں بخشی کی سفارش کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ساتھ لے کر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! اس کی ماں کا حق میرے ذمہ ہے اس لیے میری التجا ہے کہ اس کو امان دے دیں۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی بات سن کر اپنا روئے مبارک پھیر لیا اور کچھ نہ فرمایا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی درخواست بار بار دہرائی اور بالآخر آبدیدہ ہو کر آپ کا سرِ اقدس اپنی بغل میں لے کر عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے عبداللہ کو امان دے دی —— اس پر آپ نے بیعت کے لیے دست مبارک بڑھا دیا جو عبداللہ کی جاں بخشی کی سند تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ کو واپس لے گئے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اصحاب (حاضرینِ مجلس) سے فرمایا: ——

"جب میں نے منہ پھیرا اور خاموش رہا تو کونسا امر مانع ہوا کہ تم لوگوں میں سے کوئی اٹھ کر عبداللہ کی گردن اڑا دیتا۔"

حضرت عباد بن بشر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ آپ گوشۂ چشم سے اشارہ فرما دیتے تو مجرم زندہ نہ رہ سکتا تھا۔

ارشاد ہوا، گوشۂ چشم سے (خفیہ) اشارہ کرنا نبی کے شایاں نہیں۔

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ امان ملنے کے بعد بھی اپنی لغزش پر ہمیشہ نادم رہے۔ وہ شرم کی وجہ سے اکیلے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے نہیں جاتے تھے اور دوسرے صحابہ میں شامل ہو کر آپ کو سلام کر لیا کرتے تھے۔ بہرصورت امان ملنے اور دوبارہ رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد وہ نہایت مخلص مسلمان بن گئے۔ ان کا شمار اُن صحابہ میں ہوتا ہے جو کسی لغزش کی بناء پر مستحقِ تعزیر ٹھہرائے گئے لیکن بعد میں تائب ہو کر

بڑے راسخ العقیدہ مسلمان ثابت ہوئے اور اسلام کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً اشعثؓ بن قیس، عمرو بن معدی کرب زبیدی، طلیحہ بن خویلد اسدی وغیرہ

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی مجاہدانہ اور سیاسی سرگرمیوں اور ان کے مہتم بالشان کارناموں کا زیادہ تر تعلق امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت سے ہے۔ البتہ ان کا آغاز امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت سے ہو گیا تھا۔ مؤرخین نے اختصار کے ساتھ لکھا ہے کہ عہدِ فاروقی میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے مصر پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان کے لشکر میں شامل تھے اور مصر میں جو بڑے بڑے معرکے ہوئے ان سب میں شریک تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ اسلامی لشکر کے میمنہ کے افسر تھے۔ مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو سارے مصر کا والی مقرر کیا۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ (اردو) میں ہے کہ عبداللہؓ بن سعد نے عمروؓ بن العاص کی ماتحتی سے آزاد ہو کر براہِ راست حضرت عمرؓ کے ماتحت بالائی مصر (صعید مصر) پر بھی حکومت کی ہے۔

یہ واقعہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے آخر عہدِ خلافت کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے خود حضرت عبداللہؓ بن سعد کو صعید مصر کا والی بنایا تھا۔ حضرت عبداللہؓ خود حضرت عمروؓ بن العاص کی ماتحتی سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن سعد کو مصر کا افسرِ خراج مقرر کیا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کو حضرت عمروؓ بن العاص کی جگہ سارے مصر کا مستقل والی (گورنر)

مقرر کر دیا۔ اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد محسوس کیا کہ مصر کی شادابی اور زرخیزی کی نسبت سے خراج کی رقم کم وصول ہوتی ہے۔ یہ بات انھوں نے مصر کے گورنر حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ :

"گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔"

یہ جواب ملنے پر امیر المؤمنینؓ نے تحصیلِ خراج کے فرائض ان سے لے کر حضرت عبداللہؓ بن سعد کے سپرد کر دیئے۔ انھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور پہلے سے کہیں زیادہ رقم بارگاہِ خلافت میں بھیجی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد امیر المؤمنین نے انہیں پورے مصر کا والی مقرر کر دیا[1]۔ اکثر مؤرخین نے اسے ۲۵ھ ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔ ایک روایت میں ۲۶ھ ہجری بھی آیا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص امارتِ مصر سے سبکدوش ہونے کے بعد مدینہ واپس آئے تو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ اور ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی :

حضرت عثمانؓ : "تم نے عبداللہ بن سعد کو کس حال میں چھوڑا ؟"

حضرت عمروؓ بن العاص : "جیسا آپ کا منشاد تھا۔"

حضرت عثمانؓ : "وہ کیا ؟"

حضرت عمروؓ بن العاص : "اپنی ذات کے لیے طاقتور اور خدا کے لیے کمزور۔"

حضرت عثمانؓ : "میں نے تو اس کو تمہارا طرزِ عمل اپنانے کی ہدایت کی تھی۔"

حضرت عمروؓ بن العاص : "آپ نے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔"

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ" میں ہے کہ "یہ معلوم کرنا کہ عبداللہؓ بن سعد کو پہلے مصر کا والی کب مقرر کیا گیا تھا، ناممکن ہے۔ تغری بردی اسے بہت شروع میں یعنی ۲۵ھ ہجری میں لہٰذا اس بغاوت سے پہلے بتاتا ہے جو اسکندریہ میں مینل (Manuel) کی زیرِ قیادت ہوئی تھی (جلد ۲، ص ۸۵)" دوسرے مؤرخین کے بیانات بھی تغری بردی کی تصدیق کرتے ہیں اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ ولایتِ مصر پر حضرت عبداللہ کے تقرر کا زمانہ معلوم کرنا ناممکن ہے۔

حضرت عثمانؓ: "دیکھو گائے نے زیادہ دودھ دیا" (یعنی عبداللہؓ بن سعد نے زیادہ خراج بھیجا ہے)

حضرت عمروؓ بن العاص: "ہاں لیکن بچے بھوکے جائیں گے"

اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ امارتِ مصر سے اپنی علیحدگی کو بلا جواز سمجھتے تھے۔ لیکن طبری کا بیان ہے کہ "سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے کسی عامل کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے۔" مختلف روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی معزولی کا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کی طرف سے خراج کی رقم کم وصول ہوتی تھی (یعنی یہ خراج ملک کی شادابی کے تناسب سے کم ہوتا تھا۔) اس سلسلے میں حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بھی ان کو ایک نہایت سخت خط لکھا تھا۔ یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے۔ (مقریزی جلد اوّل صفحہ ۱۲۵)۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد بھی یہ شکایت برابر قائم رہی، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے تحصیلِ خراج کی ذمہ داری حضرت عبداللہؓ بن سعد کے سپرد کر دی۔ اس بنا پر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت عبداللہؓ کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت عبداللہؓ نے دربارِ خلافت میں شکایت بھیجی کہ عمروؓ بن العاص خراج کی وصولی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، اور حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ شکایت بھیجی کہ عبداللہؓ عسکری اُمور میں حارج ہوتے ہیں۔ آخر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس دو عملی کو ختم کرنے کے لیے حضرت عبداللہؓ بن سعد کو حضرت عمروؓ بن العاصؓ کی جگہ سارے مصر کا والی مقرر کر دیا۔

مصر سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی واپسی کے بعد اہلِ اسکندریہ نے قیصر روم کی شہ پا کر اسلامی حکومت کے خلاف

بغاوت کردی[1] اس کا سرغنہ (مینل) نامی ایک رومی تھا۔ باغیوں کی مدد کے لیے قیصرِ روم نے ایک عظیم الشان لشکر قسطنطنیہ سے روانہ کیا لیکن قبطی آبادی نے اس بغاوت میں کوئی حصہ نہ لیا اور مقوقس جو مسلمانوں سے صلح کر چکا تھا، اپنی صلح پر قائم رہا۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے تازہ تازہ امارتِ مصر کا عہدہ سنبھالا تھا اور ان کو اسکندریہ کے حالات سے واقفیت نہیں تھی چنانچہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا کیونکہ وہ مصر کے چپے چپے سے واقف تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پہنچ کر قیصر کے لشکر کو، جو اہلِ اسکندریہ کی مدد کے لیے آیا تھا، شکست دی۔ شکست خوردہ رومی شہر کے اندر داخل ہو گئے لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور شہر کے اندر گھس کر سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان میں باغیوں کا سپہ سالار (مینل) بھی شامل تھا۔ باقی رومی شہر سے نکل کر بھاگے۔ چونکہ قبطیوں نے رومیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لیے رومیوں نے پسپا ہوتے ہوئے قبطیوں کی آبادیوں کو لوٹ لیا۔ باغیوں کے استیصال کے بعد قبطیوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس فریاد کی کہ بغاوت میں شریک نہ ہونے کی بنا پر رومیوں نے ہماری بستیوں کو لوٹ لیا ہے ہمارا مال و اسباب

---

[1] یہ کتاب الولاۃ (از ابو عمر محمد بن یوسف الکندی) اور حسن المحاضرہ (از امام جلال الدین سیوطیؒ) کی روایت ہے۔ اس کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص کی معزولی ہی سے اہلِ اسکندریہ میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا لیکن ابنِ جریر طبریؒ اور علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اسکندریہ کی بغاوت حضرت عمروؓ بن العاص کی معزولی سے پہلے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آغازِ خلافت میں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔
بہر صورت یہ بغاوت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے فرو کی۔

واپس دلایا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے شناخت کرا کر جن جن لوگوں کا مال تھا انہیں واپس کرنے کا اہتمام کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی خواہش تھی کہ حضرت عمروؓ بن العاص مصر کے فوجی حاکم بن جائیں اور حضرت عبداللہؓ بن سعد ناظم مالیات کا عہدہ سنبھال لیں لیکن جب انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو امارت جنگ کی پیش کش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ

"مجھ کو یہ پسند نہیں کہ گائے کا سینگ میں پکڑوں اور دودھ کوئی دوسرا دوہے۔"

(یعنی عبداللہ بن سعد تو مصر کے والی ہوں اور میں جنگ و جدال میں مصروف رہوں)۔

چنانچہ وہ مدینہ منورہ واپس چلے گئے اور حضرت عبداللہؓ بن سعد نے امارت مصر کے تمام شعبوں کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔ اب ان کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں وہ نامور مسلم فاتحین کی صف میں نظر آتے ہیں۔ ایک طرف تو انہوں نے مصر کے خراج میں زبردست اضافہ کیا[1] اور دوسری طرف عسکری محاذ پر ایسے شاندار کارنامے سرانجام دیے جو اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب بن گئے۔

ابن اثیرؒ اور ابن خلدونؒ کا بیان ہے کہ ۲۶ھ ہجری میں امیر مصر حضرت عبداللہؓ بن سعد نے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افریقیہ (طرابلس الغرب، الجزائر، تونس، مراکش) کی طرف جہاد پر جانے کا

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص کے عہد امارت میں مصر کا خراج بیس لاکھ تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوشش کر کے اسے چالیس لاکھ کر دیا۔

اذن طلب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس معاملے میں حضرات صحابۂ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے جہاد پر جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ کو اجازت دے دی۔ اب حضرت عبداللہؓ بن سعد نے دس ہزار (بروایتِ دیگر چالیس ہزار) مجاہدین کے ساتھ طرابلس الغرب کا رخ کیا[1]۔ ادھر امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ میں جہاد کے لیے ایک لشکر مرتب کیا جس میں صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت شامل ہوئی۔ ان صحابہ میں

---

[1] طَرَابُلُس (TRIPOLI) دو ہیں ایک لیبیا میں، یہ طَرَابُلُس الغرب کہلاتا ہے۔ دوسرا لبنان میں ہے جو طَرَابُلُس الشرق کہلاتا ہے۔

علامہ بلاذریؒ اور ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ طَرَابُلُس الغرب کو پہلے حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسخر کیا۔ ان کا یہ حملہ اچانک تھا جس کے لیے طرابلس والے تیار نہ تھے۔ چنانچہ یہ آسانی سے زیر ہوگیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے امیرالمومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی اطلاع دیتے ہوئے اجازت طلب کی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں طرابلس سے آگے پیش قدمی کروں۔

امیرالمومنینؓ نے جواب میں لکھا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں اور اپنے حکمرانوں کے خلاف آئے دن بغاوت کرتے رہتے ہیں اس لیے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔

تعجب ہے کہ عہدِ فاروقی میں طَرَابُلُس الغرب کی تسخیر کا بیشتر دوسرے مورخین نے مطلق ذکر نہیں کیا اور ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ طرابلس الغرب کو پہلی بار حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا گیا اور اس مہم کے قائد حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ ان روایات میں تطابق یوں ہوسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ طرابلس الغرب عہدِ فاروقی میں حضرت عمروؓ بن العاص کے ہاتھ پر فتح ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد مسلمان وہاں سے واپس آگئے اور رومیوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کرلیا۔ دوسری مرتبہ یہ عہدِ عثمانی میں حضرت عبداللہؓ بن سعد کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت حسن بن علی رضؓ، حضرت حسین بن علی رضؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لشکر کو عبداللہ رضؓ بن سعد کے پاس پہنچنے کی ہدایت کی۔

اس زمانے میں طرابلس کا حاکم جرجیر (گریگوری) نامی ایک عیسائی بطریق تھا۔ وہ ایک آزمودہ کار جرنیل تھا۔ حضرت عبداللہ بن سعد منزلوں پر منزلیں مارتے طرابلس پہنچے تو انہوں نے جرجیر کو ایک لاکھ بیس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار پایا۔ عرصہ تک دونوں فوجوں میں زبردست معرکے ہوتے رہے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس اثناء میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجا ہوا امدادی لشکر بھی حضرت عبداللہ رضؓ بن سعد کے پاس طرابلس پہنچ گیا۔ اس کی آمد سے مسلمانوں کے حوصلے دو چند ہو گئے اور انہوں نے چند ہی دن کے اندر عیسائیوں کو شکستِ فاش دی۔ جرجیر اپنے ہزاروں سمیت لڑائی میں مارا گیا[1]

---

[1] اس سلسلے میں ایک دلچسپ کہانی بیان کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ میدانِ جنگ میں ایک دن جرجیر نے اعلان کر دیا کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا اسے وہ ایک لاکھ اشرفی نقد انعام دے گا اور اپنی (حسین و جمیل) بیٹی بھی اس سے بیاہ دے گا۔ اس اعلان سے عیسائی فوج میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا اور اکثر عیسائی فوجی حضرت عبداللہ بن سعد کی تاک میں منڈلاتے رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے بھی محتاط روش اختیار کر لیا تھا اور وہ میدانِ رزم میں بہت کم آتے تھے۔ مدینہ منورہ سے کمکی فوج پہنچی (جس کی قیادت ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کر رہے تھے) اور اس کو یہاں کے حالات کا علم ہوا تو حضرت ابن زبیر رضؓ نے حضرت عبداللہ بن سعد کو مشورہ دیا کہ آپ بھی جوابی اعلان کر دیں کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ اشرفی کا انعام دیا جائے گا اور جرجیر کی لڑکی بھی اس سے بیاہ دی جائے گی۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے ایسا ہی کیا جس سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طرابلس شہر کی فتح کے بعد حضرت عبداللہؓ بن سعد نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک میں پھیلا دیئے۔ طرابلس کے امراء نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن سعد کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر صلح کر لی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ طرابلس کی فتح کے بعد اس قدر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ ہر سوار کے حصے میں تین ہزار دینار اور ہر پیادے کے حصے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جرجیر پریشان تو ہوا لیکن مقابلے پر ڈٹا رہا۔ اس طرح کئی دن اور گزر گئے اور لڑائی کا فیصلہ ہونے میں نہ آیا۔ ایک دن حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عبداللہؓ بن سعد سے کہا کہ ہم اپنے مرکز سے دور ہیں اور جرجیر اپنے ملک کے اندر ہے اس کے پاس تازہ دم فوجوں اور خوراک کی کمی نہیں بہتر یہ ہے کہ لڑائی جیتنے کے لیے کوئی چال چلی جائے۔ وہ یہ کہ کل ہماری نصف فوج دشمن سے نبرد آزما ہو اور نصف فوج اپنی قیام گاہ پر رہے۔ جب عیسائی فوج تھک کر لوٹنے لگے تو ہماری محفوظ اور تازہ دم فوج اس پر حملہ کر دے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے ابن زبیرؓ کی تجویز سے اتفاق کیا اور دوسرے دن اسی کے مطابق عمل کیا۔ مسلمانوں کی تازہ دم محفوظ فوج کا حملہ اتنا شدید اور ناگہانی تھا کہ جرجیر اور اس کی بیٹی کی ہزار کوششوں کے باوجود عیسائی نہ سنبھل سکے اور سخت افراتفری کے عالم میں میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ جرجیر لڑتا ہوا مارا گیا اور اس کی بیٹی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جرجیر حضرت ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے اس کی لڑکی سے شادی کر لی یا اسے آزاد کر دیا۔ (ابنِ اثیر۔ تاریخ الکامل ج ۳ ص ۶۸)

مشہور عیسائی مؤرخ ایڈورڈ گبن نے جنگِ طرابلس کا ہیرو حضرت زبیرؓ بن العوام کو قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، اس جنگ کے ہیرو ان کے فرزند حضرت عبداللہؓ (ابن زبیرؓ) تھے۔

ایک ہزار دینار آئے۔

ابن اثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ طرابلس میں شکست کھانے کے بعد عیسائی شہر سبیطلہ میں جمع ہو گئے اور وہاں کے قلعے کو مستحکم کر کے مسلمانوں سے لڑنے مرنے پر تل گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد کو عیسائیوں کے عزائم کی خبر ہوئی تو وہ بھی پوری تیاری کے ساتھ سبیطلہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے جلد ہی حوصلہ ہار دیا اور ہتھیار پھینک کر اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد مسلمانوں نے افریقیہ کے تمام دوسرے مشہور شہر اور علاقے بھی یکے بعد دیگرے فتح کر لیے[۱]۔ عام مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ فتوحات ۲۶ھ ہجری میں ہوئیں لیکن خلیفہ بن خیاط نے ان کا ذکر ۲۷ھ کے واقعات میں کیا ہے۔

---

[۱] بعض مؤرخین نے اس سلسلے میں کارتھیج (CARTHAGE) کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ عربی میں اس کو قرطاجنہ یا قرطاجہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک عظیم الشان شہر کا نام تھا۔ شمالی افریقیہ کے ملک تیونس کے دارالحکومت تیونس سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر اس کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔ قرطاجنہ کو ۸۳۰ قبل مسیح میں فنیقیوں نے اپنا مرکزِ اقتدار بنایا تھا۔ فنیقی بحیرۂ روم اور جبلِ لبنان کے درمیانی میلوں سے خطے کے رہنے والے تھے۔ وہ بڑے جنگجو اور ذہین لوگ تھے اور ان کا شمار دنیا کی عظیم الشان قوموں میں ہوتا ہے۔ ان کی تاریخ کا آغاز ۱۶۰۰ ق م میں ہوتا ہے۔ پہلے ان کا مرکزِ حکومت شہر صیدا (SIDON) تھا۔ ۱۲۰۰ ق م میں صیدا کی جگہ صور (TYRE) اور ۸۳۰ ق م میں صور کی جگہ قرطاجنہ نے لے لی۔ فنیقیوں نے صنعت و حرفت، تجارت، تمدن اور علوم قدیمہ میں اتنی ترقی کی کہ دنیا کی تمام قوموں پر بازی لے گئے۔ سلطنتِ قرطاجنہ چھ سو سال تک پورے عروج پر رہی، پھر رومیوں نے انہیں شکست دے کر قرطاجنہ پر قبضہ کر لیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں ونڈال قوم نے رومیوں کو نکال باہر کیا مگر چھٹی صدی میں رومیوں نے ونڈالوں کو شکست دے کر قرطاجنہ پر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہؓ بن سعد سے وعدہ کیا تھا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں ان کو مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بطور انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے اس وعدے کے مطابق مالِ غنیمت سے اپنا حصہ لے لیا۔ یہ خبر عام مسلمانوں میں پھیلی تو انہوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن سعد سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن عامۃ المسلمین اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے مجبوری ہے۔

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے اپنی تالیف "خلفاء راشدین" میں لکھا ہے کہ:

"ایک اور روایت میں ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا۔ ابنِ اثیرؒ نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقیہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقیہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔"

افریقیہ کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عبداللہؓ بن سعد نے نوبہ (سوڈان) کی طرف توجہ کی اور بقول ابنِ اثیرؒ وہاں کے حبشی باشندوں سے جنگ کر کے اُن کو اتنا پست کر دیا کہ اس کا اثر صدیوں تک باقی رہا۔ (اُسد الغابہ)

"اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں ہے کہ "عبداللہؓ بن سعد نے مسلمانوں اور باشندگانِ نوبہ کے تعلقات کو استوار کیا۔" اس عبارت کا مطلب یہ معلوم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پھر اپنا اقتدار بحال کر لیا۔ مسلمانوں کے حملے کے وقت قرطاجنہ کا قدیم شہر برباد ہو چکا تھا لیکن جدید شہر بھی بڑا مضبوط تھا اور تیونس میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

ہوتا ہے کہ اہلِ نوبہ نے مسلمانوں کے مقابلے کی تاب نہ لاکر صلح کرلی ہوگی اور حضرت عبداللہؓ بن سعد نے ان سے اطاعت کا عہد لے کر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا ہوگا۔

کچھ عرصہ بعد (۲۸ھ میں) شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزیرہ قبرص (CYPRUS) پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہؓ بن سعد نے فوج، بحری جنگی جہازوں، اور سامان کے ذریعے ان کی بھرپور مدد کی۔ یہ مہم کامیاب رہی اور اہلِ قبرص نے سات ہزار دینار سالانہ خراج دینے کا وعدہ کر کے مسلمانوں سے صلح کرلی۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے چھٹے ساتویں سال ان کے خلاف سازشوں کا آغاز ہو گیا۔ ان ریشہ دوانیوں کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے حالات کو قابو میں رکھنے کی امکانی حد تک کوشش کی لیکن سازشوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ اسی پُرآشوب دَور میں قیصرِ روم پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل کی طرف بڑھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت مسلمانوں کے پاس بھی ایک مضبوط جنگی بیڑا موجود تھا۔ یہ بیڑا حضرت امیر معاویہؓ (امیرِ شام) کے توجہ دلانے پر امیر المؤمنینؓ کے حکم پر تیار کیا گیا تھا۔ اس بیڑے کا ایک حصہ حکومتِ شام کے پاس تھا اور دوسرا حصہ حکومتِ مصر کے پاس۔ اس بیڑے کی تیاری میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے بھی برابر کا حصہ لیا تھا۔ مشہور امریکی مؤرخ فلپ کے ہِٹی لکھتا ہے کہ:

"عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا سب سے بڑا کام اوّلیں اسلامی بحری بیڑے کے قیام میں ان کا حصہ تھا۔ اس اعزاز میں وہ شام کے گورنر معاویہؓ کے شریک رہے۔ معاویہؓ اور عبداللہؓ کی صورت میں اسلام نے اپنے پہلے دو امیر البحر پیدا کیے۔" (عربوں کی تاریخ۔ صفحہ ۱۶۷)

ایک اور مغربی مؤرخ برنارڈ لیوس (BERNARD LEWIS) لکھتا ہے:

"اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد ڈالنے کا سہرا دو آدمیوں یعنی امیر معاویہؓ اور مصر کے گورنر عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کے سر ہے۔"

(دی عربس ان ہسٹری ص ۱۱۵)

چند سال پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبرص پر فوج کشی کی تھی تو حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصری بحری بیڑے ہی کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچے تھے۔ اب قیصر روم کے بحری بیڑے کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ایک طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامی بحری بیڑا (بُسر بن ابی ارطاۃ کی قیادت میں) رومی بیڑے کے مقابلے کے لیے روانہ کیا، اور دوسری طرف سے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصری بحری بیڑے کے ساتھ خود رومیوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ رومی بیڑے کی قوت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ رومی شہنشاہ کانسٹینس دوم بہ نفسِ نفیس اس کی کمان کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد ساحلِ مصر سے روانہ ہوئے تو ان کو شامی بحری بیڑے تک پہنچنے میں بہت مشکلات پیش آئیں [1] تاہم وہ ان مشکلات کو خاطر

---

[1] ان مشکلات کا حال پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ کریم النفس امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ ملّت کے اجتماعی مفاد کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ جو امیر المؤمنین کی مخالف جماعت کے سرگرم رکن تھے انہوں نے اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو ہر طرح دق کیا۔ وہ نمازیں بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے۔ عبداللہؓ بن سعد کی علانیہ مذمت کرتے اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیوں سے جہاد کرنے جاتے ہو حالانکہ اس وقت مدینہ میں تمہاری ضرورت ہے۔ مجاہدین حیران ہو کر پوچھتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لے کر کہتے کہ اس وقت ان کو منصبِ خلافت سے ہٹانا اسلام

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نہ لائے اور بہت جلد شامی بیڑے کے ساتھ جا ملے۔ اناطولیہ یا لیسیا (جرمز LYC) کے ساحل کے قریب فونکس (PHOENIX) کے مقام پر اسلامی بیڑے اور رومی بیڑے کے درمیان خونریز بحری جنگ ہوئی۔ اس جنگ سے متعلق اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ اسلامی بیڑے کے امیر البحر اور سپہ سالار حضرت عبداللہ بن سعد تھے جب کہ رومی بیڑے کی قیادت خود قیصر روم کر رہا تھا۔ مجاہدین اسلام نے رومی بیڑے کو تباہ کن شکست دی اور رومی شہنشاہ بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگا۔ یہ جنگ اہمیت کے اعتبار سے یرموک کی خونیں جنگ کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ انہوں نے سنتِ شیخین کو چھوڑ دیا ہے اور کبار صحابہ کی جگہ اپنے رشتہ داروں کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے۔ اللہ نے کرم کیا کہ مجاہدین ان کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور حضرت عبداللہ بن سعد کی قیادت میں جہازوں پر سوار ہو کر رومیوں کے مقابلے کے لیے چل پڑے۔ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے ایک کشتی پر سوار ہو کر مصری بیڑے کا تعاقب کیا۔ راستے میں جہاں جہاں یہ بیڑا لنگر انداز ہوتا، وہ اپنی کشتی قریب لے جا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے۔ لیکن مجاہدین میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ جب یہ بیڑا رومیوں کو شکست دے کر واپس آیا تو بعض لوگوں نے محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر کو ملامت کی کہ وہ خود بھی جہاد پر نہیں گئے اور دوسروں کو بھی اس میں شریک ہونے سے روکا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس میں کیسے شریک ہو سکتے تھے جس کا اہتمام عثمان کے حکم پر ہوا اور جس کا امیر عبداللہ بن سعد تھا۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف طویل تقریر شروع کر دی۔

حضرت عبداللہ بن سعد ان لوگوں کو ان کی سرگرمیوں سے باز رکھنے کے لیے سختی کرنا چاہتے تھے لیکن کریم النفس امیر المومنین ان کو ایسا کرنے سے روکتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ان دونوں سے برملا کہا کہ خدا کی قسم! اگر امیر المومنین کا خیال نہ ہوتا تو میں تم کو اس فتنہ پردازی کا مزہ چکھا دیتا۔

اور تاریخ میں "ذات الصَّوَاری" (مستولوں والی جنگ) کے نام سے مشہور ہے۔
فلپ کے ہٹی نے اس جنگ کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

"شامی بیڑے نے بسر بن ابی ارطاۃ کی قیادت میں مصری بحری بیڑے کے تعاون سے جو عبداللہ (بن سعد) بن ابی سرح کی کمان میں تھا، لائسیا کے ساحل پر فونکس (موجودہ نام فنکی (FINIKE)) کے مقام پر رومی بیڑے سے جس کی قیادت ہرقل کا بیٹا شہنشاہ کانس ٹینس دوم (CONSTANS II) کر رہا تھا، ٹکر لی اور اسلام کی پہلی عظیم بحری فتح حاصل کی۔ یہ بحری لڑائی عربی تاریخوں میں "ذو یا ذات الصَّوَاری (مستولوں والی) کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ عربوں نے ہر عرب جہاز کو ایک بزنطینی جہاز سے باندھ کر بحری جنگ کو دست بدست لڑائی میں تبدیل کر دیا۔ یہ جنگ دوسری (جنگِ) یرموک ثابت ہوئی۔ بزنطینی بیڑا مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ طَبَری کا بیان ہے کہ سمندر کا پانی خون کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا تاہم عربوں نے (حضرت) عثمانؓ کی شہادت کے سبب جو اسی زمانے میں واقع ہوئی اور اس سے پیدا ہونے والے دوسرے ملکی جھگڑوں کے باعث فتح کا فائدہ نہیں اٹھایا اور قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی نہیں کی۔"

(عربوں کی تاریخ ص۲۰۰) [۱]

برنارڈ لیوس نے اس جنگ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

"پہلی بڑی بحری لڑائی ۶۵۵ء میں واقع ہوئی جبکہ دو سو جہازوں کے ایک اسلامی بحری بیڑے نے اناطولیہ کے ساحل پر ایک بہت بڑے بزنطینی بیڑے کو تباہ کن شکست دی۔" (دی عربس ان ہسٹری ص۱۱۹) [۲]

۱؎ HISTORY OF THE ARABS

۲؎ THE ARABS IN HISTORY

برطانوی مؤرخ سرجان گلب (SIR JOHN GLUBB) نے اس جنگ کا ذکر یوں کیا ہے:

"۶۵۵ء میں ایک اور فیصلہ کن بحری جنگ لائسیا کے ساحل پر فونکس کے مقام پر لڑی گئی۔ اس میں بزنطینی شہنشاہ خود موجود تھا۔ عرب اس لڑائی کو مستولوں کی جنگ (BATTLE OF MASTS) کہتے ہیں۔ سخت لڑائی کے بعد بزنطینی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔"

(عربوں کی عظیم فتوحات صفحہ (۲۸۹-۹۰)) [1]

جرمن مؤرخ کارل بروکلمین (CARL BROCKELMANN) لکھتا ہے:

"عربوں نے شہنشاہ کانسٹینس دوم کو تباہ کن شکست دی۔"

(ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز ص۲۷) [2]

عرب مؤرخین کے مطابق اس جنگ میں بیس ہزار رومی ہلاک ہوئے اور رومی بیڑے کی برتری اور اس کی ہیبت تقریباً ختم ہو گئی۔

"اردو دائرۂ معارف اسلامیہ" میں حضرت عبداللہ بن سعد اور اس لڑائی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کا سب سے زیادہ شاندار فوجی کارنامہ ذات الصواری کی وہ بحری جنگ تھی جس میں رومیوں کا جنگی بیڑا مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ یہ جنگ اہمیت کے اعتبار سے جنگ یرموک کے ہم پلہ تھی اگرچہ بعض مآخذ میں اس بحری جنگ کی تاریخیں مختلف دی گئی ہیں لیکن صحیح تاریخ ۳۴ھ ہجری مطابق ۶۵۵ء عیسوی ہے۔"

(جلد ۱۲ ص۸۹۶)

---

[1] THE GREAT ARAB CONQUESTS

[2] HISTORY OF THE ISLAMIC PEOPLES

گویا یہ جنگ عہدِ عثمانی کے اواخر میں ہوئی اور یہی حضرت عبداللہؓ بن سعد کی زندگی کا آخری کارنامہ تھا۔

"ذات الصّواری" کی جنگ میں اہتم بالشان فتح کے باوجود سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت میں کوئی کمی نہ آئی اور مخالف جماعت نے اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیں۔ امیر المومنینؓ اصلاحِ احوال کے لیے پہلے بھی مقدور بھر کوششیں کر چکے تھے۔ اب انہوں نے اس سلسلے میں آخری کوشش یہ کی کہ تمام عمّال (گورنروں) کو مدینہ منورہ طلب کر کے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ اس کے شرکاء میں حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عامر، حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح اور حضرت سعیدؓ بن العاص کے علاوہ مصر کے سابق گورنر حضرت عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے۔ ان سب نے اپنے اپنے خیال کے مطابق رائیں دیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

امیر معاویہؓ نے رائے دی کہ ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن وامان قائم کرنے کا پوری طرح ذمہ دار ہو۔ صوبہ شام میں امن قائم رکھنے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔

حضرت عبداللہؓ بن عامر نے کہا، اس وقت ہمیں کسی ملک پر چڑھائی کر دینی چاہیے، لوگ فتنہ وفساد سے کنارہ کش ہو کر جہاد میں مشغول ہو جائیں گے۔ حضرت سعیدؓ بن العاص نے رائے دی کہ مفسدین کے سرغنوں کو قتل کر دیا جائے تو خود بخود امن قائم ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہؓ بن سعد نے کہا کہ شورش پسند گروہ حرص وآز سے مغلوب ہو گیا ہے ان کا منہ مال وزر سے بند کیا جا سکتا ہے۔

غرض ہر بزرگ کی رائے دوسرے کی رائے سے مختلف تھی۔ اس طرح کسی مؤثر لائحہ عمل پر اتفاق نہ ہو سکا اور امیر المومنینؓ نے سب عمّال کو واپس بھیج دیا۔ ان کی واپسی کے بعد امیر المومنینؓ نے اصلاحِ احوال کے لیے

کئی اقدامات کیے لیکن مفسدین نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ بزورِ شمشیر اپنے مطالبات منوائیں گے۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی جماعت ۳۵ھ ہجری کے موسمِ حج میں مدینہ منورہ پہنچ گئی۔ پہلے تو ان لوگوں نے امیر المومنینؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں لیکن جب جواب انکار کی صورت میں ملا تو انہوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ اُدھر حضرت عبداللہؓ بن سعد کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ سائب (دائرۂ معارف اسلامیہ کے مطابق الصائب) بن ہشام بن عمرو عامری کو اپنا نائب بنا کر امیر المومنینؓ کی مدد کے لیے مصر سے روانہ ہوئے لیکن ابھی وہ سرحد ہی پر تھے کہ انہیں امیر المومنینؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس اثناء میں باغیوں نے محمد بن ابی حذیفہ کی قیادت میں سائب بن ہشام پر یلغار کر کے ان کو مصر سے نکال دیا اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے سرحد سے اندرونِ مصر آنا چاہا تو محمد بن ابی حذیفہؓ نے انہیں ملک میں داخل نہ ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ مجبور ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے اور پھر جلد ہی وہاں سے عسقلان (مصر) آ گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَاتِمَتَهٗ عَلَى الصَّلٰوةِ

(الٰہی! میرا خاتمہ نماز پر کر یعنی نماز کی حالت میں کر۔ بالفاظِ دیگر میرا آخری عمل نماز ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ ایک دن انہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور دوسری رکعت تمام کر کے بائیں طرف سلام پھیر رہے تھے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا۔ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور والعادیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ پڑھی۔ داہنی طرف سلام پھیرنے کے بعد بائیں طرف سلام پھیر رہے تھے کہ انتقال کر گئے۔ ——— ان کی وفات کے بارے میں کچھ اور روائتیں

بھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ رملہ میں فوت ہوئے، جہاں انہوں نے فتنوں سے بچنے کے لیے سکونت اختیار کرلی تھی یا یہ کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے تک زندہ رہے اور ۵۹ھ ہجری میں انتقال کیا لیکن جمہور ارباب سیر کے نزدیک یہی قول اصح ہے کہ انہوں نے ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں عسقلان میں وفات پائی۔

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن سعد جنگ صفین میں شریک تھے لیکن بیشتر اہل سیر نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔

بقول ابن اثیرؒ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے نہ حضرت علیؓ کی بیعت کی اور نہ امیر معاویہؓ کی۔ امیرالمؤمنین حضرت عثمانؓ کی حیات میں وہ ان کے زبردست حامی تھے لیکن ان کی شہادت اور مصر سے اپنے اخراج کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور عسقلان میں عزلت گزینی کی زندگی اختیار کرلی۔ اسی حالت میں ایک سال کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بڑھا دیتا ہے اور جو میانہ روی اختیار کرے اسے غنی کر دیتا ہے اور جو اللہ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے الفت رکھتا ہے۔" (کنز العمال)

حضرت عبداللہؓ بن سعد انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان سالم یا عوف بن خزرج کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے :-

عبداللہؓ بن سعد بن سفیان بن خالد بن عبید شاعر بن سالم بن مالک بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

ان کی کنیت ابو سعد تھی۔

غزوۂ اُحُد سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر اُحُد سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی میں دادِ شجاعت دی۔

غزوۂ تبوک (۹ھ ہجری) سے واپس آتے ہوئے (یا مدینہ مُنوّرہ پہنچ کر) انہوں نے قضائے الٰہی سے وفات پائی۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ان کو اپنی قمیص مبارک کا کفن دیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر۔ آپؐ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن سعید اُموی

(۱)

قریش کی معزز شاخ بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبداللہ (حَکَم) بن سعید بن عاص بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیؔ۔
والدہ کا نام صفیہ بنت عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھا۔
مشہور صحابہ حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت عمروؓ بن سعید اور حضرت اَبانؓ بن سعید، حضرت عبداللہؓ کے بھائی تھے۔
حضرت عبداللہؓ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ بہت اچھے کاتب تھے۔

(۲)

اربابِ سیَر نے حضرت عبداللہؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مدنی دورِ رسالت کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور پھر وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے دو بھائی حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت عمروؓ بن سعید سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ تیسرے بھائی اَبانؓ بن سعید نے ان دونوں بھائیوں کے قبولِ اسلام پر طنزیہ شعر کہے اور ان کو ملامت کی۔ بعد میں (غزوۂ خیبر سے پہلے) خود بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ چونکہ انہوں نے اپنے اشعار میں چوتھے بھائی عبداللہؓ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا اس لیے قیاسِ غالب یہی ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے تینوں بھائیوں کے بعد اسلام قبول کیا۔
ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ کا اصل نام حَکَم تھا۔ جب وہ ہجرت

کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا، حکم۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں (آج سے) تمہارا نام عبداللہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا، میں عبداللہ تو ہوں ہی ــــ اس کے بعد ان کا نام عبداللہ مشہور ہو گیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ اہلِ مدینہ کو لکھنا سکھا دیں۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور مدینہ میں مقیم صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھاتے رہے۔

(۳)

ارباب سیر کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن سعید رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے مگر انہوں نے کس غزوے میں جامِ شہادت پیا، اس کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے مگر جمہور اہلِ سیر نے غزوۂ بدر کے شہداء میں ان کا نام نہیں لیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ موتہ (جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری) میں شہادت پائی۔ (زبیرؒ بن بکار)

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ ابومعشرؒ کا قول ہے اور ابن اثیرؒ کی رائے میں یہی زیادہ مشہور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عبداللہؓ بن سعید نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہؓ بن سُفیان مخزومی

مکہ کے رہنے والے تھے اور قریش کی شاخ بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہؓ بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو (عمر) بن مخزوم جلیل القدر صحابی حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد ان کے چچا تھے۔

حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا۔ وہ دعوت توحید کے اوائل میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور یوں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی مقدس اور مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔

سلسہ بعد بعثت میں حبشہ کی ہجرت ثانیہ ہوئی تو حضرت عبداللہؓ بن سفیان بھی مہاجرین کے قافلے میں شامل ہو کر حبش چلے گئے۔ وہاں سے کوئی تیرہ برس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبش سے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر (محرم سنہ ہجری) کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان سب اصحاب نے خیبر پہنچ کر بارگاہ رسالت میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے واپس آنے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ ہر ایک سے گلے ملے اور ان کو خیبر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حبش سے واپس آنے کے بعد حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کن کن غزوات میں شریک ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد کے غزوات (فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک سب میں یا بعض میں وہ ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں شام کے میدان جہاد میں پہنچ گئے اور یرموک کی خونیں جنگ میں رومیوں کے خلاف داد شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت حاصل کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ رضؓ بن سہل انصاری

ان کا تعلق اوس کے خاندان بنی عمرو بن جشم بن حارث سے تھا۔ عمرو بن جشم، عبدالاشہل کے بھائی تھے اس لیے ان کو اشہلی بھی کہا جاتا ہے۔ (بقول ابن اثیرؒ انصار میں بعض اوقات ایک بھائی کی اولاد کو دوسرے نامور بھائی کی طرف منسوب کر دیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ اصلاً بنو غسان سے تھے اور مدینہ میں بنو عبدالاشہل کے حلیف تھے۔ اس لیے اشہلی اوسی انصاری کہلائے۔ بعض نے ان کو بنی زعوراء بن عبدالاشہل کا فرد بتایا ہے لیکن قول مشہور کے مطابق ان کا شجرۂ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن سہل بن زید (بروایتِ دیگر یزید) بن عامر بن عمرو بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

بعض نے ان کا نام عبداللہ بن سہل بن رافع بھی بتایا ہے لیکن پورا نسب نہیں لکھا اور صرف اشہلی لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مخلص اور بہادر صحابی تھے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اصحابِ بدر کی مغفور جماعت کے رکن بنے۔ اگلے سال اپنے بھائی حضرت رافع بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ لڑائی ختم ہوئی تو دونوں بھائی مشرکینِ قریش کے تعاقب میں پا پیادہ حمراء الاسد کی طرف گئے اور زخمی ہو گئے۔

اس کے بعد دونوں بھائی غزوۂ احزاب میں شریک ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ اسی غزوے میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت رافعؓ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عبداللہؓ بن شخّیر عامری

خاندانی تعلق بنو عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ بنی حریش سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن شخّیر بن عوف بن کعب بن وقدان بن حریش

(معاویہ) بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامری کعبی۔

بنو عامر بن صعصعہ قبیلہ ہوازن کا ایک بطن تھے اور یہ ہوازن قیس عیلان میں سے تھے۔ یہ لوگ نجد میں آباد تھے۔ پھر طائف کے ایک حصے تک پہنچ گئے۔ سردیاں نجد میں اور گرمیاں طائف میں گزارتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن شخّیر کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بنی عامر کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، سردار صرف اللہ تعالیٰ ہے جو برکت والا اور بلند وبالا ہے۔ پھر ہم نے عرض کیا، آپ فضیلت اور مرتبت کے لحاظ سے سب سے افضل اور قوت وسخاوت کے اعتبار سے سب سے عظیم ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں، یہ، یا اسی طرح کی اور مناسب باتیں کہو لیکن محتاط رہنا کہیں شیطان تم کو اپنے چنگل میں نہ پھانس لے۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہؓ بن شخّیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپؐ سورۂ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" پڑھ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال

میرا مال حالانکہ تیرا مال وہی ہے جو تو خیرات کر جائے یا کھا کر ختم کر دے یا پہن کر ختم کر دے۔ (اُسُدُ الغابہ)

ارباب سِیَر نے حضرت عبداللہ بن شِخّیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات بیان نہیں کیے، صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

یہ احادیث بھی حضرت عبداللہ بن شِخّیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں:

(۱) میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپؐ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

(شمائلِ ترمذی)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم برابر مغموم رہتے تھے۔ کسی وقت آپؐ کو چین نہ تھا (یعنی اُمّت اور آخرت کی فکر آپؐ کو ہمیشہ رہتی تھی) اور دن میں ستّر یا سَو بار استغفار فرماتے تھے۔

(اسوۂ رسولِ اکرمؐ۔ نشر الطیب)

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:۔ جو شخص اپنے آپ کو اس طرف منسوب کرے جس کا وہ بیٹا نہیں اور عمداً ایسا کرے تو جنّت اس پر حرام ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن شدادؓ لیثی

بنو کنانہ کی شاخ بنی لیث سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن شداد بن اسامہ بن عمرو (الہاد یا الہادی) بن عبداللہ بن جابر بن بشر بن عتوارہ بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ

آباؤ اجداد کے ناموں کی نسبت سے ان کو عتواری بھی کہا جاتا ہے، لیثی بھی اور کنانی بھی۔

ان کے والد حضرت شدادؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ وہ اپنے دادا کے لقب ہاد (الہاد یا الہادی) کی نسبت سے شداد بن الہاد کہلاتے تھے۔ عمرو کا لقب ہاد اس لیے پڑا تھا کہ وہ رات کے وقت مہمانوں کا راستہ دکھلانے کی غرض سے آگ جلا دیا کرتے تھے (حضرت شدادؓ کے حالات اس کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن شدادؓ رضی اللہ عنہما عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے۔ ان کے شرفِ صحابیت پر اربابِ سیر کا اتفاق ہے مگر کسی نے ان کے حالاتِ زندگی اور سالِ وفات کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، البتہ ان سے مروی چند احادیث کتابوں میں موجود ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن شدادؓ سے مروی ایک طویل حدیث ہم یہاں بطور تبرک درج کرتے ہیں:

"عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی عُذرہ کے تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں رہنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے (صحابہ کرامؓ) سے فرمایا، ان نومسلم مسافروں کی خبرگیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ (حضرت) طلحہؓ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ تینوں ان کے پاس رہنے لگے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لیے روانہ فرمایا تو ان تین صاحبوں میں سے ایک اس لشکر میں شامل ہو کر چلے گئے اور وہاں شہید

ہو گئے۔ پھر آپؐ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو باقی دو میں سے ایک اس لشکر میں شامل ہو کر چلے گئے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر (چند دن کے بعد) ان میں سے تیسرے صاحب جو باقی بچے، وہ (گھر میں) بستر ہی پر فوت ہو گئے (حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ (حضرت) طلحہؓ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں ان تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے وہ سب سے آگے ہیں اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے لشکر میں جا کر شہید ہوئے تھے اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو سب سے پہلے شہید ہوئے تھے۔ اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کہ بستر پر طبعی موت مرنے والے کا درجہ اپنے دو شہید ساتھیوں سے کیسے بلند ہو گیا) پس میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اپنے خواب اور خلجان کا ذکر کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے۔ (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہیے۔ ان کا تیسرا ساتھی جو بستر پر فوت ہوا وہ نمازیں پڑھتا رہا اور اللہ کا ذکر کرتا رہا اسی کو سب سے اونچے درجے پر ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں جس کو اسلام کے ساتھ طویل عمر ملے جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر) کرے۔"

(مُسنَدِ احمد)

حدیث نبویؐ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ شخص کی ہے۔

(صحیح بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن عبس انصاری

قبیلہ خزرج کی شاخ بنی عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج میں سے تھے۔
بعض نے ان کے والد کا نام عبیس لکھا ہے لیکن پورا شجرۂ نسب کسی نے نہیں لکھا۔
حضرت عبداللہؓ بن عبس غزوۂ بدر سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے
اور حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔
سب سے پہلے انہوں نے اصحابِ بدر کی مقدس جماعت کا رُکن بننے کا
مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب اہلِ سیر کا
اتفاق ہے۔ بدر کے بعد انہوں نے اُحد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے
مشاہد میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔
اربابِ سیر نے ان کا سالِ وفات تحریر نہیں کیا، صرف اتنا لکھا ہے کہ
انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔
بعض اہلِ سیر نے عبداللہ بن عبس (عبیس) انصاری نام کے ایک اور
صحابی کا ذکر بھی کیا ہے جو بدر میں شریک تھے مگر ان کے بارے میں انہوں نے
یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بنو حارث بن خزرج کے حلیف تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ
کی رائے میں یہ کوئی الگ شخص نہیں ہیں اور جن لوگوں نے ان کو بنو حارث بن
خزرج کا حلیف بتایا ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت
ابوالہیثمؓ بن تیہان سے فرمایا جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس
کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو عامری سعدیؓ

خاندانی تعلق قریش کی شاخ عامر بن لوی سے تھا۔ والد کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے وقدان، بعض نے قدامہ اور بعض نے عمرو لکھا ہے۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحیح "عمرو" ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن عمرو بن وقدان بن عبد شمس بن عبدودّ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

ان کے والد عمرو بن وقدان نے قبیلہ سعد بن بکر میں دودھ پیا تھا اس لیے ان کو سعدی کہا جاتا تھا (اگرچہ اصلاً وہ عامری تھے)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان سے روایت ہے کہ میں اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے ارادے سے روانہ ہوا۔ میں اپنے ساتھیوں میں سب سے کم عمر تھا۔ وہ خود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں اکیلا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہجرت منقطع ہو گئی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، جب تک کفار سے لڑائی ہوتی رہے گی ہجرت منقطع نہ ہو گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۷ھ ہجری میں (بعہد خلافت امیر معاویہؓ) وفات پائی۔

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں البتہ تقویٰ کی بناء پر تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔" (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عُمیر اشجعیؓ

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو اشجع سے تھا۔ یہ قبیلہ بنو غطفان کا عظیم بطن تھا۔ یہ لوگ نجد میں وادی القریٰ اور جبالِ طے کے قریب آباد تھے۔

حضرت عبداللہ بن عُمیرؓ کے شرفِ صحابیت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنے وطن سے آکر مدینہ منوّرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ محدثین کے نزدیک ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہے۔ اہلِ سِیَر نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کی شرکت کا ذکر نہیں کیا البتہ عہدِ فاروقی کے اواخر میں ان کی شاندار فوجی خدمات کا سب نے ذکر کیا ہے۔

۲۳ھ ہجری میں امیر المومنین حضرت عمرِ فاروقؓ نے چند خاص علاقوں کی طرف منظم عسکری مہمات روانہ کیں تو حضرت عبداللہؓ بن عمیر نے حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ مل کر سجستان فتح کیا اور پھر یلغار کرتے ہوئے سندھ کے اندرونی علاقے تک پہنچ گئے۔ گویا وہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جنہوں نے سرزمینِ پاکستان پر پہلے پہل اپنے نقوشِ قدم ثبت کیے۔ طبریؒ نے اپنی تاریخ میں بعض مقامات پر ان کا نام عبداللہؓ بن عمرو لکھا ہے لیکن صحیح عبداللہ بن عُمیر ہے۔

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث مروی ہے:

"میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم کسی ایک شخص (کی امارت) پر متفق ہو جاؤ اس کے بعد کوئی دعویدار نکل کر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرتا ہے اور ان کی طاقت کو توڑنا چاہتا ہے تو تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر دو۔ (ابنِ ابی حاتم ۔ طبرانی)

بعض روایات میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے:

"حضرت عبداللہ بن عمیر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس سے کسی شخص کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے نہیں سنا۔ (اُسد الغابہ)

حضرت عبداللہ بن عُمیر خَطمی انصاری رضی اللہ عنہ

خاندانی تعلق قبیلہ اوس کے خاندان بنی خَطمہ بن جشم بن مالک بن اوس سے تھا۔ پورا شجرۂ نسب کسی نے بیان نہیں کیا۔

ایک روایت میں ان کا نام عبداللہ بن عُمیر بن قتادہ لیثی بیان کیا گیا ہے لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کو لیثی کہنا غلطی ہے۔ وہ انصاری تھے اور ان کا شمار مدنی صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عُمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نابینا تھے مگر اس کے باوجود وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے تھے۔ اربابِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہوں نے کِن کِن غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

بنو خَطمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد تعمیر کی تھی، حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس مسجد میں اپنے اہلِ محلہ کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ خود ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بنی خطمہ کا امام تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔ (مُسندِ بزّار۔ معجم کبیر للطبرانی)

حضرت عبداللہؓ بن غنّامؓ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی بیاضہ میں سے تھے۔ اس لیے بیاضی کہلاتے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :-

عبداللہؓ بن غنّام بن اوس بن مالک بن بیاضہ۔

کتب سیر میں ان کے بارے میں صرف یہی بیان کیا گیا ہے کہ اسلام لائے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت حاصل کیا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرے —— اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔
لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ [1]
تو اس نے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی طرح عرض کیا تو اس نے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔ (سننِ ابی داؤد)

---

[1] (ترجمہ) اے میرے اللہ اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، تیرے ہی لیے ساری حمد و ثنا اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مُطیعؓ عدوی

قریش کی شاخ "بنو عدی" کے چشم و چراغ تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن مُطیعؓ بن اسود بن حارثہ بن نضلہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب قرشی عدوی۔

ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔ والد حضرت مُطیعؓ بن اسود کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو حضرت مُطیع بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو گود میں اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے آپؐ نے ان کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ پھر اپنے دہن مبارک میں ایک کھجور چبا کر اپنے لعاب دہن کے ساتھ ان کے منہ میں ڈالی، اور ان کو دعائے خیر و برکت سے نوازا۔

عہد رسالت میں کمسن تھے اس لیے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ جوان ہوئے تو قریش کے بہادروں میں شمار ہوئے۔ بقول ابن اثیرؒ وہ قریش کے بڑے بہادر اور مضبوط لوگوں میں سے تھے۔ ان کی مستقل سکونت مدینہ منورہ میں تھی، اور وہ شہر کے اشراف اور سربر آوردہ اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

ابوحنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یزید مسندِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کو حکم بھیجا کہ قریش کی جن اہم شخصیتوں نے ابھی تک اس کی بیعت نہیں کی تھی وہ ان سے بیعت لے۔ ان میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔ جب ولید نے ان سے یزید کی بیعت کے لیے کہا تو انہوں نے غور کرنے

کے لیے مہلت مانگی اور پھر موقع پا کر خاموشی سے مکّہ معظمہ چلے گئے۔ جس وقت سیّدنا حضرت حسینؓ مکّے جا رہے تھے، راستے میں ان کو حضرت عبداللہ بن مطیعؓ ملے جو مکّے سے مدینے کی طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت حسینؓ سے پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟

انہوں نے فرمایا، فی الحال تو مکّے جا رہا ہوں۔

حضرت عبداللہؓ نے کہا، اللہ آپ کے لیے بہتری ہی کا سامان کرے تم سے میں آپ کو ایک صلاح دینا چاہتا ہوں۔

حضرت حسینؓ نے پوچھا، وہ کیا ہے؟

حضرت عبداللہؓ بولے، جب مکّہ میں پہنچیں اور پھر وہاں سے کسی اور شہر کی طرف نکل جانا چاہیں تو کوفے کا رُخ ہرگز نہ کیجیے گا۔ وہ منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے والد کو شہید کر دیا گیا اور وہاں آپ کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ان پر نیزے کا حملہ بھی ہوا۔ بہتر ہو کہ حرم ہی کے ہو رہیں اس لیے کہ اہلِ حجاز کسی کو آپ کا ہمسر نہیں جانتے۔ جہاں جہاں آپ کے حامی موجود ہوں انہیں بُلوا بھیجیے وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا۔
—— اس کے بعد انہوں نے اپنی سواری بڑھا دی اور مکّے جا پہنچے۔

دوسری مرتبہ ان کی ملاقات حضرت حسینؓ سے اس وقت ہوئی جب وہ مکّے سے کوفے کی طرف جا رہے تھے اور حضرت عبداللہؓ عراق سے لوٹ رہے تھے، انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

”اے ابنِ رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو اللہ کے اور اپنے نانا کے حرم سے کیا چیز نکال لائی ہے۔“

حضرت حسینؓ نے جواب دیا، مجھے اہلِ کوفہ نے لکھا ہے اور التجا کی ہے کہ میں ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ ان لوگوں کی خواہش ہے کہ آثارِ حق کا احیاء اور بدعتوں

کا قلع قمع ہو۔

اس پر حضرت عبداللہؓ نے کہا "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کوفے ہرگز نہ جائیں۔ خدا کی قسم اگر آپ وہاں گئے تو آپ کی جان لے لی جائے گی"۔

سیدنا حسینؓ نے فرمایا "جو کچھ اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے وہی کچھ پیش آئے گا۔"

یہ فرما کر انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رخصت کر دیا اور آگے روانہ ہو گئے۔

محرم ۶۱ھ ہجری میں کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حجاز اور عراق کے اکثر لوگوں نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

۶۳ھ ہجری میں اہلِ مدینہ نے بوجوہ یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔ اس پر یزید نے ایک لشکر مسلم بن عقبہ مُرّی کی قیادت میں اہلِ مدینہ کو مطیع و منقاد بنانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو انصارِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا امیر بنایا اور قریش نے حضرت عبداللہ بن مُطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا قائد بنایا۔ پھر انہوں نے مل کر یزیدی لشکر کا مقابلہ کیا۔ لڑائی میں حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ اپنے آٹھ بیٹوں سمیت شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کے سات بیٹے بھی لڑائی میں شہید ہو گئے لیکن وہ خود بچ کر مدینے سے نکل گئے اور مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یزیدی لشکر نے اہلِ مدینہ کو مغلوب کر کے ان پر بڑی زیادتیاں کیں۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۶۳ھ ہجری میں پیش آیا اور یہ تاریخ میں "واقعہ حرّہ" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس زمانے میں کوفہ میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے قصاصِ حسینؓ (یعنی خونِ حسینؓ کا انتقام) کا نعرہ بلند کر کے

حکومت کے خلاف ایک زبردست تحریک چلا رکھی تھی۔ یہ تحریک صرف بنو امیہ کی حکومت کے خلاف نہیں تھی بلکہ ابن زبیرؓ کی خلافت کے بھی خلاف تھی۔ مختار پہلے کوفہ اور پھر سارے عراق پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خوش قسمتی سے کوفے کے ایک نہایت شجاع اور باثر رئیس ابراہیم بن مالک اشتر بھی اس کے زبردست حامی بن گئے۔

مختار نے ابراہیم کے مشورے سے ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ ہجری کا دن حکومت کے خلاف باقاعدہ خروج کے لیے مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے پولیس افسر ایاس بن مضارب کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کے تمام محلوں کی ناکہ بندی کر دے۔ لیکن مختار اور ابراہیم نے اس ناکہ بندی کی کچھ پروا نہ کی۔ انہوں نے پولیس اور فوج کا گھیرا توڑ ڈالا اور ایاس بن مضارب کو قتل کر کے دارالامارۃ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبداللہؓ کے پاس بہت کم آدمی تھے اس لیے تین دن کے بعد وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ مختار، عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ اس نے انہیں ایک لاکھ درہم دیئے اور کہا کہ تین دن کے اندر اندر اپنا مال اسباب لے کر کوفہ سے نکل جائیں۔ عبداللہؓ ندامت کی وجہ سے ابن زبیرؓ کے پاس جانے کے بجائے بصرہ چلے گئے لیکن بعد میں ابن زبیرؓ نے انہیں پھر اپنے پاس مکہ بلا لیا۔ اس کے بعد وہ آخری دم تک ہر مشکل اور مصیبت میں ابن زبیرؓ کے ساتھ رہے۔ ۷۳ھ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا تو اس وقت بھی حضرت عبداللہ بن مطیعؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے۔ محاصرے کی سختیوں سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بہت سے حامی ان کا ساتھ چھوڑ گئے مگر حضرت عبداللہ بن مطیعؓ بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں ثابت قدم رہے اور انہی کے ساتھ اموی لشکر کے خلاف نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہؓ بن مظعون جمحی

قریش کی شاخ بنی جُمح کے گلِ سرسبد تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبداللہؓ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جُمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لُوی بن غالب

دعوت توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اپنے دو بھائیوں حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت قدامہؓ بن مظعون اور بھتیجے حضرت سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یوں ان چاروں نفوسِ قدسی کو "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوگیا۔

حضرت عبداللہؓ بن مظعون کی کنیت ابو محمد تھی۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر صرف سترہ یا اٹھارہ برس کی تھی۔ ۵ بعد بعثت میں وہ اپنے دونوں بھائیوں اور بھتیجے حضرت سائبؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کرکے حبش چلے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنے بھائیوں اور بھتیجے کے ساتھ حبش سے مکہ واپس آگئے اور پھر انہی کے ساتھ ہجرت مدینہ کا اذن ہونے پر مستقلاً ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان حضراتؓ نے مکہ کو اس طرح خالی کیا کہ ان کے خاندان کا ایک فرد بھی وہاں نہ رہا اور مکانوں پر تالے ڈال دیئے گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہؓ بن سلمہ عجلانی نے ان سب کو اپنا مہمان بنایا۔ بعد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مظعون اور ان کے بھائیوں کو وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ بن مظعون نے غزوۂ بدر الکبریٰ میں دادِ شجاعت دی اور یوں بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ کن کن غزوات میں شریک ہوئے اور ان کی زندگی کے کیا مشاغل رہے۔ کتبِ سیر سے اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ واقدی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ۳۰ھ ہجری میں (بعہد خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ ان سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہؓ بن نحّام

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ صرف ان کا نام عبداللہ بن نُحّام یا ابن نحماء تحریر کیا ہے، البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے:

"ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے اور سفید ہو کر گھاس کی طرح (کمزور) ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابنِ نحام اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے آدمی سے آسانی کے ساتھ حساب لے گا۔ اس کے بعد اس کا اعمال نامہ رضوان (داروغہ جنت) کو دے گا اور اس سے فرمائے گا کہ میرا بندہ جب جنت میں پہنچ جائے اور ہول قیامت کو بھول جائے تو یہ اعمال نامہ اس کو دینا، جب اسے پڑھ کر اس کا رنگ متغیر ہونے لگے تو اس سے کہنا کہ رنجیدہ نہ ہو، تیرا بزرگ و برتر پروردگار فرماتا ہے کہ مجھے تیرے بڑھاپے سے شرم آتی ہے کہ اس اعمال نامہ کے ساتھ تجھ سے ملاقات کروں۔ چنانچہ میں نے (اعمال نامہ میں درج) تیری سب خطائیں معاف کر دیں۔ پس جب کوئی بوڑھا آدمی جنت میں جاتا ہے تو رضوان اس کا اعمال نامہ لے کر اس کے پاس جاتا ہے۔ جب وہ بوڑھا اس اعمال نامہ کو پڑھتا ہے اور اس کا رنگ متغیر اور قلب بے چین ہونے لگتا ہے تو رضوان اس سے کہتا ہے کہ تیرا پروردگار بزرگ تجھ سے فرماتا ہے کہ مجھے تیرے بڑھاپے سے شرم آتی ہے کہ تیرے اس اعمال نامہ کے ساتھ تجھ سے ملوں لہٰذا میں نے تیرے گناہ بخش دیئے —— اے ابنِ نحام اللہ عزوجل مسلمان کے بڑھاپے سے شرم کرتا ہے۔"

(یہ حدیث ربیع بن صبیحؒ نے حسن بصریؒ سے انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن نحام سے روایت کی ہے)

اس حدیث کی روایت کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن نحام کی زندگی کے دوسرے حالات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ (اُسد الغابہ)

حضرت عبداللہؓ بن وائل

علامہ ابنِ اثیرؒ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے :— عبداللہؓ بن وائل بن عامر بن مالک بن لوذان

ابنِ اثیرؒ نے ان کے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ غالباً انصار کے کسی خاندان سے تعلق تھا۔ غزوۂ اُحد سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

ان کے ایک بھائی عبدالرحمٰنؓ تھے۔ وہ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق وہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراقِ عرب کی تسخیر پر مامور فرمایا تو حضرت عبدالرحمٰن بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور قادسیہ کی مشہور لڑائی میں ایرانیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے نیک ترین وہ شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن وہب اسلمی رض

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا اور صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا نسبی تعلق بنو اسلم سے تھا۔ یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک بطن تھا۔ ان کی جائے سکونت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ مرالظہران کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب آباد تھے اور بعض کے نزدیک ان کی سکونت مدینہ منورہ کے نواح میں تھی۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بنو خزاعہ کی بہت سی شاخیں تھیں جو مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ اسی طرح بنو اسلم کا نام بھی مختلف قبائل پر بولا جاتا تھا جو مختلف مقامات پر آباد تھے۔

حضرت عبداللہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ سے پہلے کسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد کچھ عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہے پھر عمان چلے گئے۔ سنہ ۱۱ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو وہ عمان ہی میں تھے۔ اس سانحۂ جانگداز کی خبر سن کر وہ عمان میں مقیم ایک دوسرے صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کا ارادہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانے کا تھا جنہیں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور فرمایا تھا۔ بہرصورت راستے میں ان دونوں کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا۔ مسیلمہ نے حضرت حبیب رض سے پوچھا:۔۔۔۔

"محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

مُسَیلمہ بولا : ــــــ "نہیں یہ کہو مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے ۔"
حضرت حبیبؓ نے اس کی بات نہایت حقارت سے مسترد کر دی مُسَیلمہ نے اپنی نبوّت منوانے کے لیے ان پر بڑا زور ڈالا لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی ۔ آخر اس ظالم نے حضرت حبیبؓ کا بند بند کاٹ کر انہیں شہید کر ڈالا ۔[1]

---

[1] حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق خزرج کے معزز ترین خاندان بنی نجار سے تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے :

جبیبؓ بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن مازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج ۔

ان کی والدہ مشہور صحابیہ حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں ۔ وہ اپنی والدہ اور بھائی عبداللہؓ کے ساتھ جنگِ اُحد میں شریک تھے ۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے بعض دوسرے غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا ۔ مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں اپنے فرزند کی خبر سُن کر حضرت اُمِّ عمارہؓ نے بڑے حوصلے اور صبر سے کام لیا ۔ تاہم انہوں نے دل میں عہد کر لیا کہ وہ مسیلمہ سے اس کے ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گی ۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا تو وہ بھی اپنے دوسرے فرزند حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ان کے لشکر میں شامل ہو گئیں ۔ یمامہ کے میدان میں حضرت خالدؓ اور مسیلمہ کذاب کے درمیان خونریز جنگ ہوئی ۔ دورانِ جنگ مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش میں حضرت اُمِّ عمارہؓ کو گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا تاہم وہ مسیلمہ کے قریب پہنچ گئیں اور نیزے سے اس پر وار کیا ہی چاہتی تھیں کہ اس پر دو ہتھیار ایک ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا ۔ یہ ہتھیار ان کے فرزند عبداللہؓ اور حضرت وحشیؓ بن حرب نے پھینکے تھے ۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی ہلاکت پر سجدۂ شکر بجا لائیں ۔ حضرت خالدؓ نے بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا اور جلد ہی ان کے زخم مندمل ہو گئے ۔

حضرت عبداللہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن وہ مطلق ہراساں نہ ہوئے اور استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔ مسیلمہ کے دل میں معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ اس نے ان کو شہید نہ کیا اور صرف قید میں ڈال دینے پر اکتفا کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابھی قید ہی میں تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے یمامہ آپہنچے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موقع پا کر مسیلمہ کی قید سے فرار ہو اسلامی لشکر میں پہنچ گئے اور پھر جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کے خلاف سرکف ہو کر دادِ شجاعت دی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ ان کا سالِ وفات بھی کسی نے بیان نہیں کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

"جس کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔"

ایک شخص نے عرض کیا— "ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے عمدہ ہوں۔"

آپ نے فرمایا: "خدا خود صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور تو دراصل یہ ہے کہ آدمی حق سے روگردانی کرے اور دوسروں کو ذلیل و خوار سمجھے۔"

(مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن ہشام تیمی

قریش کی شاخ بنی تیم میں سے تھے ۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے اس لیے صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

عبداللہؓ بن ہشام بن عثمان بن عمرو قرشی تیمی

لیکن حافظ ابو نعیمؒ نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے:

عبداللہؓ بن ہشام بن زہرہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ والدہ کا نام زینبؓ تھا وہ حمید بن زہیر بن حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ کی بیٹی تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا) کہ انہیں ان کی ماں زینب بنت حمید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی تھیں۔ تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس (عبداللہؓ) کی بیعت لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو چھوٹا (ابھی بچہ) ہے۔ پھر آپؐ نے ان کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ (ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر حضرت زینب بنت حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے جمیع اہلِ خانہ کی طرف سے ایک قربانی کر دو)۔ (عبداللہ بن ہشام کے پوتے) زہرہ بن معبد سے روایت ہے کہ انہیں ان کے دادا عبداللہ بن ہشام بازار کی طرف لے جاتے اور اناج خریدتے۔ پھر (حضرت عبداللہ) ابن عمرؓ اور (حضرت عبداللہؓ) ابن زبیرؓ ان سے ملتے تو ان سے کہتے کہ ہمیں بھی سودے میں شریک کرو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے برکت کی دعا کی ہے (چنانچہ) وہ دونوں کو شریک کر لیتے۔ پس کبھی پورا اونٹ نفع ہوتا اور اسے گھر بھیج دیتے۔ (کتاب فی الشرکۃ)

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت عبداللہ بن یاسر رضؓ عنسی

حضرت عبداللہ بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شمار اُن بلاکشانِ اسلام میں ہوتا ہے جنہوں نے ہر قسم کے مصائب خندہ پیشانی سے جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی دے دی لیکن راہِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ ان کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو ؏ ایں خانہ ہمہ آفتاب است ــــ کا مصداق تھا۔ ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور والدہ حضرت سُمَیَّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے راہِ حق میں شہادت پائی اور بھائی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی راہِ حق میں بے پناہ مصائب جھیلے، عہدِ رسالت کی بیشتر سعادتیں حاصل کیں، بارگاہِ نبوی میں درجۂ تقرب حاصل کیا اور بالآخر جنگِ صفین میں شہادت پائی ــــ حضرت عبداللہ بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خاندانی تعلق یمن کے قحطانی قبیلے بنی عنس سے تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن یاسرؓ بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر اکبر بن یام بن عنس بن مالک بن ادد بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

بعثتِ نبوی سے کوئی چالیس پینتالیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ایک بھائی گھر سے کہیں باہر گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنے اس بھائی سے بہت محبت تھی انہوں نے اس کی تلاش میں اپنے وطن (یمن) کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر وہ اپنے دو بھائیوں مالک اور حارث کو ساتھ لے

کر مکہ پہنچے مگر وہاں بھی گم شدہ بھائی نہ ملا۔ مالک اور حارث تو واپس چلے گئے لیکن حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بنو مخزوم کے رئیس ابو حذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے مستقل طور پر مکہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ نے اپنی ایک نیک بخت لونڈی سُمیّہؓ بنت خیاط سے حضرت یاسرؓ کا نکاح کر دیا۔ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دو فرزند عطا کیے۔ عمارؓ اور عبداللہ۔ جب تک ابو حذیفہ حیات رہا وہ حضرت یاسرؓ اور ان کے اہلِ خاندان سے اچھا سلوک کرتا رہا۔ اس کی وفات کے بعد آفتابِ رسالت کوہِ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ حضرت یاسرؓ، ان کی اہلیہ اور دونوں بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ چاروں دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

دعوتِ توحید کا مکی دور اہلِ حق کے لیے سخت پُر آشوب تھا جو سعید الفطرت لوگ دعوتِ توحید پر لبیک کہتے، مشرکینِ قریش ان پر بے پناہ مظالم ڈھاتے اور اُن کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔

مشرکین کی جبرہ دستیوں سے اسلام قبول کرنے والے وہ اصحاب بھی محفوظ نہیں تھے جو مکہ کے متمول اور ذی اثر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ان کے اہلِ خاندان تو بے چارے غریب الوطن تھے۔ بنو مخزوم کے رئیس ابو جہل اور دوسرے مشرکین نے اس خاندان کے چاروں افراد پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ کبھی وہ ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے۔ کبھی لاتوں گھونسوں اور ڈنڈوں سے زد و کوب کرتے تھے اور کبھی گہرے پانی میں غوطے دیتے تھے لیکن آفرین ہے ان نفوسِ قدسی پر کہ ان کے دل میں جادۂ حق سے ہٹنے کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ طبرانیؒ نے حضرت عثمانؓ

کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک دن مشرکین جب ان چاروں پر مشق ستم کر رہے تھے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپؐ کو ان مظلوموں کی حالت دیکھ کر سخت دُکھ ہوا اور آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"صبر کرو اے اہلِ یاسر! تمہارے لیے جنّت کا وعدہ ہے۔"

مُسندِ احمد بن حنبل میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معیت میں اس مقام سے گزرا جہاں حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ان کے اہلِ خاندان کو اذیت دی جا رہی تھی۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا: ——— "صبر کرو۔ الٰہی آلِ یاسر کو بخش دے اور تو نے ان کو بخش ہی دیا۔"

حضرت سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابھی بنو مخزوم نے آزاد نہیں کیا تھا اور وہ رئیسِ مخزوم ابوجہل کی چاکری کرتی تھیں۔ ابوجہل ان کو قبولِ حق کے جرم میں سخت اذیتیں پہنچاتا رہتا تھا۔ ایک دن اس ظالم نے حالتِ غضب میں ان کو برچھا کھینچ مارا جس سے وہ جاں بحق ہو گئیں۔ اس طرح ان کو اسلام کی پہلی شہید بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ پھر ایک دن ظالم ابوجہل نے حضرت عبداللہ بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد بوڑھے اور ناتواں یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اذیتیں سہتے سہتے وفات پا گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفّار نے انہیں بھی برچھی مار کر شہید کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سمیّہؓ اور حضرت عبداللہؓ کو حضرت یاسرؓ کی وفات (یا شہادت) کے بعد شہید کیا گیا۔ بہرصورت ان تینوں مظلوموں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت عبدالجبارؓ بن حارث مناری

ان کا تعلق قبیلہ "بنی مناد" کی ایک شاخ بنی حدس (بروایت دیگر حرش) سے تھا کتُب سِیَر میں ان کا نسب نامہ صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے :—
عبدالجبار بن حارث بن مالک ۔

وہ اپنی قوم کے بہادروں میں شمار ہوتے تھے اور ان کی سکونت "جبل السراۃ" کی کسی شمالی وادی میں تھی۔ (جزیرہ نمائے عرب کے مغربی رُخ پر شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلہ کو جَبَل السراۃ یا جبالُ السراۃ کہتے ہیں۔ شمال میں اس سلسلۂ کوہ کا رشتہ شام و فلسطین کے پہاڑوں سے مل جاتا ہے۔ جنوب کے حصے یمن تک پہنچتے ہیں، اور ان کو جبال العسیر یا جبال الیمن کہا جاتا ہے۔)

اربابِ سِیَر نے حضرت عبدالجبارؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ بیان نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۹ھ ہجری میں یا اس کے کچھ بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام جبار تھا۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے بدل کر عبدالجبار کر دیا۔

حضرت عبدالجبار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بارگاہِ نبوی میں اپنی حاضری اور قبولِ اسلام وغیرہ کا واقعہ خود اس طرح بیان کیا ہے :

"میں وفد بن کر ملک سراۃ (متصل سرحدِ شام) سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرب کے دستور کے مطابق آپؐ کو "اَنْعِمْ صَبَاحًا" (یعنی صبح بخیر) کہہ کر سلام کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی اُمّت کو دوسرے سلام کا حکم دیا ہے —— یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ — وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا کریں۔ پس میں نے اسی کے

مطابق اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یارسول اللہ! عرض کیا، تو آپؐ نے جواب دیا، وَعَلَیْکَ السَّلَامُ۔

اس کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا، تمہارا نام کیا ہے؟
میں نے عرض کیا:۔ "جبّار"

آپؐ نے فرمایا، (یہ نہیں) بلکہ تمہارا نام عبدالجبّار ہے۔
اس کے بعد میں نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بیعت کر لی۔ جب میں بیعت کر چکا تو ایک شخص نے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے میرے متعلق عرض کیا، یارسول اللہ! یہ منارؔی اپنی قوم کے شہسواروں میں سے ایک شہسوار ہے (یعنی اس کا شمار اپنی قوم کے شہسواروں میں ہوتا ہے) اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے ایک گھوڑا عنایت فرمایا۔ پس میں مدینہ منوّرہ میں مقیم ہو گیا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ہم رکابی میں دشمنوں سے جہاد کرنے لگا۔ (یعنی غزوات میں شریک ہونے لگا)۔ ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے میرے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز نہ سنی تو فرمایا، کیا وجہ ہے کہ میں عبدالجبار حدسی (بروایتِ دیگر حرشی) کے گھوڑے کی آواز نہیں سُن رہا؟

میں نے عرض کیا، مجھے خبر ملی ہے کہ آپؐ کو اس آواز سے تکلیف پہنچتی ہے، چنانچہ میں نے اس کو خصی کر دیا ——— اس پر نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے گھوڑوں کو خصی کرنے کی ممانعت فرمائی۔
——— اس کے بعد (ایک دن) لوگوں نے مجھ سے کہا کہ کاش تم بھی اپنے لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ایک تحریر لکھوا لیتے جیسی کہ تمہارے چچازاد بھائی

تمیم داری رضؓ نے لکھوائی تھی[1] (جو تمہارے لیے بہت بہتر ہوتا) میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اس نے جلد آنے والی دنیا (بالفعل) کے لیے لکھوائی تھی یا دیر میں آنے والی (آخرت) کے لیے۔۔۔ انہوں

---

[1] حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابورقیہ تھی۔ داری نسبت ہے۔ نسبی تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ شام کے رہنے والے تھے، اور قبولِ اسلام سے پہلے عیسائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

تمیمؓ بن اوس بن حارجہ بن سود بن خزیمہ بن ذراع بن عدی بن الدار بن ہانی بن حبیب بن تمارہ بن لخم بن عدی بن عمر بن سبار

۹ھ ہجری میں اپنے بھائی نعیمؓ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے کفاف کے لیے ایک دستاویز لکھ دی جس میں ان کو قریہ عینون کا ایک حصہ عطا فرمایا لیکن انہوں نے مدینہ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت (۳۵ھ ہجری) کے بعد جب مسلمانوں کی باہمی آویزش نے زور پکڑا تو وہ بادلِ ناخواستہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے، اور وہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آخر عمر تک درویشانہ اور زاہدانہ زندگی گزاری۔ بقول حافظ ابن حجرؒ انہوں نے ۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت تمیم داریؓ جب شام سے مدینہ منورہ آئے تو اپنے ساتھ قندیلیں اور تیل بھی لائے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر انہیں مسجدِ نبوی میں لٹکا دیا اور شام کو انہیں روشن کر دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجد میں تشریف لائے تو اس کو روشن دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ روشنی کا اہتمام کس نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے جواب دیا کہ اس نے بالفعل ہی کے لیے دستاویز لکھوائی تھی۔ میں نے کہا، میں نے تو جلد آنے والی دنیا سے اعراض کیا ہے۔ ہاں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ (قیامت کے دن) اللہ عزوجل کے سامنے میری شفاعت کریں۔"

حضرت عبدالجبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کا سالِ وفات بھی وثوق کے ساتھ کسی نے بیان نہیں کیا۔ ایک غریب روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں شہادت پائی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(ابن مندہ، ابن عساکر، ابن اثیر، کذافی المنتخب ج ۵ ص ۲۱۵)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) کیا ہے۔ لوگوں نے حضرت تمیمؓ کا نام لیا تو آپؐ نے ان کو بہت دعائیں دیں اور فرمایا اگر اس وقت میری کوئی (ناکتخدا) لڑکی ہوتی تو میں تمیم سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت نوفلؓ بن حارث موجود تھے انہوں نے اپنی بیوہ صاحبزادی ام المغیرہ کا نکاح (اسی مجلس میں) حضرت تمیمؓ سے کر دیا۔ ان سے ان کی صرف ایک لڑکی رقیہ ہوئیں انہی کی نسبت سے ان کی کنیت ابورقیہ تھی۔ نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔

حضرت تمیم داریؓ سے بارہ حدیثیں مروی ہیں۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان کا شمار علمائے نصاریٰ میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد قرآنِ کریم سے بے پناہ شغف پیدا ہو گیا۔ نہایت عابد و زاہد تھے اور اتباعِ سنت اور مواظبتِ عمل کا خاص اہتمام تھا۔ حصولِ ثواب کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ نمود و نمائش اور ریا سے سخت اجتناب تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بہت مداح تھے اور ان کو خیر المدینہ (مدینہ کے نہایت اچھے اور نیک بزرگ) فرمایا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد۔ اُسدُ الغابہ۔ الاصابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبدِ ربؓ بن حق انصاری

بعض نے ان کا نام عبد ربہ لکھا ہے۔ خزرج کے خاندان بنی ساعدہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبدِ رب بن حق بن اوس بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج ساعدی۔

ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن حق تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اربابِ سِیَر نے ان کی زندگی کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے۔ ان کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ بدری صحابی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت اَنس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گھر تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ گھر والوں نے کہا، یارسول اللہ (اُمّ المؤمنین) بی بی زینبؓ جب عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو اس رسی سے سہارا لیتی ہیں آپؐ نے فرمایا، اسے کھول ڈالو۔ چاہیے کہ تم (نفلی) نماز پڑھو جب تک کہ طبیعت میں نشاط اور خوشی محسوس ہو۔ جب تھک جاؤ تو سو جاؤ۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبدالرحمنؓ بن ابی قراد سُلمی

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا، صرف اتنا بیان کیا ہے کہ وہ بنو سُلَیم سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا شمار اہلِ حجاز میں ہوتا ہے۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے مگر زندگی کے حالات کے بارے میں تمام کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

ان سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) ایک دن) میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ رفع حاجت کے لیے نکلا اور آپؐ جب (رفع) حاجت کا ارادہ کرتے تھے تو (شہر یا آبادی سے) دُور تشریف لے جاتے تھے۔ (اُسُدُ الغابہ)

(۲) ایک دن نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وضو فرمایا تو آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کے وضو کا استعمالی پانی لے لے کر اپنے (چہروں یا دوسرے) اعضاء پر ملنے لگے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا، تمہارے اس کام کا کیا باعث اور محرّک ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ بس اللہ اور رسول کی محبّت۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ اور رسول کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے اللہ اور رسول کو محبت ہو تو اسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے (یعنی بحفاظت مالک کے حوالے کرے) اور وہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ مخزومی

(۱)

قریش کی معزز شاخ بنی مخزوم کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم
ان کی کنیت ابو محمدؒ تھی۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ تھا۔
وہ حضرت خالدؓ (سیف اللہ) بن ولید کی بہن تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے والد حضرت حارثؓ بن ہشام، دشمنانِ اسلام کے سرغنہ ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔ ابوجہل کو تو مرتے دم تک ایمان لانا نصیب نہ ہوا مگر حضرت حارثؓ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر اپنے حسنِ عمل سے گذشتہ زندگی کی تلافی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے قبولِ اسلام کے وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ تقریباً سات برس کے تھے۔ والد کے اسلام کے ساتھ وہ خود بخود ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حضرت حارثؓ نے یرموک کی جنگ (۱۵ھ ہجری) میں شہادت پائی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ تقریباً چودہ برس کے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کی والدہ فاطمہؓ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔

(۲)

حضرت عبدالرحمٰنؓ اگرچہ عہدِ رسالت میں کمسن تھے (سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت وہ صرف دس برس کے تھے) مگر علم اور دینداری کے لحاظ سے ان کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ان پر بہت شفیق تھیں اور ان کے حسنِ کردار کی مداح تھیں۔ سیدنا حضرت عمرِ فاروقؓ

کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے ان کا پایۂ علمی بہت بلند ہو گیا تھا، ویسے بھی وہ ایک صالح نوجوان تھے۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ پہلے ان کا (اصل) نام ابراہیم تھا سیدنا حضرت عُمر فاروقؓ نے اسے بدل کر عبدالرّحمٰن کر دیا۔ جن دوسرے اصحاب کے نام انبیاءؑ کے ناموں پر تھے، حضرت عمرؓ نے انہیں بھی بدل دیا۔

سیدنا حضرت عثمان ذوالنُّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اوصافِ حمیدہ کو دیکھا تو اپنی صاحبزادی مریمؒ کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس طرح وہ خویشِ رسولؐ کے خویش بن گئے۔

امیرالمؤمنین حضرت عثمانؓ نے مصحفِ قرآنی کی از سرِ نو کتابت کرانے کا ارادہ فرمایا تو اس انتہائی ذمہ دارانہ کام کو جن چار اصحاب کے سپرد کیا ان میں سے ایک حضرت عبدالرّحمٰنؓ تھے، دوسرے تین حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت سعیدؓ بن عاص اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ انہوں نے یہ کام نہایت حسن و خوبی سے سر انجام دیا۔

(۳)

جس زمانے میں مفسدہ پردازوں نے امیرالمؤمنین حضرت عثمان ذوالنُّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سخت شورش برپا کی۔ یہاں تک کہ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا، حضرت عبدالرّحمٰنؓ کاشانۂ خلافت میں امیرالمؤمنین کے ساتھ تھے۔ انہوں نے سر بکف ہو کر باغیوں کا مقابلہ کیا مگر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے لڑائی میں شدید زخمی ہو گئے۔ لوگ انہیں اٹھا کر گھر لائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ختم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ گھر کی خواتین نے سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا مگر ابھی ان کی زندگی کے دن باقی تھے جلد ہی ہوش میں آ گئے اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں ان کے زخم بھی مندمل ہو گئے۔

سنہ ۳۶ ھ میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی تو حضرت عبدالرّحمٰنؓ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑے۔

ابوحنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فوج کے میسرد کے کماندار (قائد) تھے۔ جنگِ جمل کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ کی کسی سیاسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جنگِ جمل کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کاش میں اس معاملے میں گھر سے باہر نہ نکلتی اور یہ بات مجھے اس سے زیادہ عزیز ہوتی کہ میرے بطن سے عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ بن ہشام اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے دس سے زائد بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوتے (اُسد الغابہ)

اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُمّ المؤمنین کے نزدیک حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ کی کیا قدر و منزلت تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ:

"جو شخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اس کو قوت پہنچائے گا درآنحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ آدمی ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ عنہ

جلیل القدر بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے فرزند ہیں۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا خاندانی تعلق عام طور پر بنو لخم بن عدی سے بتایا جاتا ہے ان کے والد حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ مکہ میں بنو اسد بن عبد العزّیٰ کے حلیف تھے۔ ابن ماکولا نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن حاطبؓ بن ابی بلتعہ بن عمرو (بروایت دیگر ابی بلتعہ عمرو) بن عمیر بن سلمہ بن صعب بن سہل بن عتیک بن سعاد بن راشدہ بن جزیلہ بن لخم (یا لخم) بن عدی —— ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ ان سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ عید کی نماز ادا کرنے کے لیے ایک راہ سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے تھے۔

(۲) (ایک مرتبہ) لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشاء کی نماز کا وقت پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ (عشاء کی نماز کا وقت اس وقت آتا ہے) جب ہر طرف شب کی تاریکی پھیل جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ۶۸ ہجری میں وفات پائی۔ (اُسد الغابہ)

حدیث نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تا دیر رہیں تو وہ (اہلِ قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ باہلی

مشہور عرب قبیلہ باہلہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ بن یزید بن سہم بن عمرو بن ثعلبہ بن غنم بن قتیبہ بن معن باہلی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ذی النور کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا مگر انہوں نے آپؐ سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عالم فاضل آدمی تھے۔ سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے قادسیہ (عراقِ عرب) کی لڑائی میں فتح پائی تو امیرالمومنینؓ کی ہدایت کے مطابق مالِ غنیمت کی وصولی اور تقسیم حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سپرد کی گئی۔ اس کے علاوہ ان کو قضا کا عہدہ بھی سپرد کیا گیا۔ (یعنی وہاں کے قاضی بنائے گئے) چند سال بعد حضرت عمرِ فاروق نے انہیں ایک لشکر کا امیر مقرر کرکے آرمینیا (بلادِ ارمن) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ وہ یلغار کرتے ہوئے باب کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں کے مجوسی حاکم شہر براز نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ مملکتِ خزر کے پایۂ تخت بلنجر کی طرف بڑھے۔ شہر براز نے تعجب سے کہا کہ یہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ تو اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ ارمنی ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے، جو جوشِ جہاد سے سرشار تھے، فرمایا، لیکن میں تو جب تک ارمنی مملکت کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا چنانچہ

انہوں نے شہر بیضا کو مسخر کر لیا، لیکن اس اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی کی شہادت کی وجہ سے عہدِ فاروقی ختم ہو گیا، اور مسلمانوں کی پیش قدمی وقتی طور پر رک گئی۔ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنی خلافت کے آٹھویں سال (۳۱ھ ہجری) میں آرمینیا کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت حبیب بن مسلمہ فہری کو اس کی تسخیر پر مامور کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی بھی اس لشکر کے ساتھ تھے۔ وہ بلنجر کے مقام پر آرمینیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ تاہم حضرت حبیب رضی نے آرمینیا فتح کر کے اسے مملکتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ (عرصہ تک ناراض) رہے۔ جو شخص تین دن سے زیادہ عرصہ تک ناراض رہے اور اس (عرصہ میں) مر جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔"

(مسندِ احمد۔ سننِ ابی داؤد)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زیدؓ عدوی

ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔ خاندانی تعلق قریش کے خاندان بنی عدی سے تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے اور داماد تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن زیدؓ بن خطاب بن نُفَیل بن عبدالعزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لُوّی قرشی عَدَوی۔

والدہ کا نام لبابہؓ تھا جو مشہور صحابی حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ نانا حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو گود میں لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا، اے ابولبابہ! یہ بچہ تمہارا کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ میرا نواسہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سے چھوٹا بچہ میں نے نہیں دیکھا۔

پھر آپؐ نے چھوہارا چبا کر بچے کے منہ میں ڈالا، ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ اس دعا کا یہ اثر تھا کہ بچپن میں عام بچوں کے قد وقامت سے چھوٹے تھے لیکن بڑے ہوئے تو ہر مجمع میں بلند قامت معلوم ہوتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

رحلت کے وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس طرح اپنے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ اسی طرح وہ اپنے بھتیجے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بہت محبت کرتے تھے انہوں نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کی شادی ان سے کر دی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکل وصورت میں اپنے والدِ گرامی سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت ان کو دیکھتے تو یہ شعر پڑھتے تھے :-

اخوکم غیر اشیب قد اتاکم

بحمد اللہ عادلہ الشباب

تمہارا بھائی تمہارے پاس آیا ہے ابھی وہ بوڑھا نہیں ہوا

خدا کا شکر ہے کہ اس کا شباب ابھی کامل و مکمل ہے

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر بھروسا رکھو جیسا کہ بھروسا رکھنے کا حق ہے تو وہ اس طرح تم کو روزی پہنچائے گا جیسے پرندوں کو پہنچاتا ہے کہ ہر صبح بھوکے جاتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (ترمذی۔ ابنِ ماجہ)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عائذؓ

ارباب سیر نے نہ ان کا پورا نسب نامہ لکھا ہے اور نہ یہ صراحت کی ہے کہ ان کا تعلق کس قبیلے سے تھا۔ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ صرف اتنا ہی لکھا ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن عائذؓ بن معاذ بن انس۔

بقول ابن اثیرؒ ان کے والد عائذؓ بن معاذ کو شرف صحابیت حاصل تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحُد سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس کے بعد سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی پھر عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں عراقِ عرب کی (دوسری) مہم، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں روانہ کی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے قادسیہ کی مشہور جنگ (۱۵ھ ہجری) میں ایرانیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

جامع ترمذی اور کچھ دوسری کتبِ حدیث و رجال میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عائذؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (کسی طرف) لشکر بھیجتے تھے تو اہلِ لشکر کو یہ نصیحت اور ہدایت کر دیتے تھے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا اور جب تک اچھی طرح دعوت و تبلیغ نہ کر لو ان پر لوٹ ہرگز نہ ڈالنا۔ مجھ کو یہ نسبت اس کے کہ تم کافروں کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر میرے پاس لاؤ اور ان کے مردوں

کو قتل کر ڈالو، یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ ان کو مسلمان بنا کر میرے پاس لاؤ خواہ وہ شہر کے رہنے والے ہوں یا گاؤں کے۔"

(ابن مندہؒ، ابن عساکرؒ، ابن شاہینؒ، بغویؒ، ابن حجرؒ)

ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث ـــــ جن عبدالرحمٰن بن عائذ سے مروی ہے وہ عبدالرحمٰنؓ بن عائذؓ بن معاذ کے علاوہ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ان کا نسب نامہ کسی نے نہیں لکھا۔ ابن اثیرؒ کے قیاس کی بنیاد بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ

"عبدالرحمٰن بن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔"

اس قول سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ عہد رسالت میں کمسن تھے مگر "دیکھنے" کو کمسنی پر محمول کرنا ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ بن معاذ ہی سے مروی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بندہ کامیاب اور بامراد ہوا جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر بھی قانع بنا دیا۔

(صحیح مسلم)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عثمان تیمی

قریش کے خاندان "بنو تیم" سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:
عبدالرحمٰنؓ بن عثمان بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لُؤیّ بن غالب القرشی التیمی۔
سیدنا حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) ان کے چچا تھے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اسی خاندان سے تھے۔

والدہ کا نام عُمیرہ بنتِ جُدعان تھا۔ وہ مکّہ کے مشہور رئیس عبداللہ بن جُدعان کی بہن تھیں۔

ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ صلح حُدَیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) کے موقع پر ایمان لائے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ فتح مکّہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے موقع پر مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ارباب سِیَر نے صراحت تو نہیں کی لیکن قیاس ہے کہ قبول اسلام کے بعد (عہدِ نبوی میں) جو غزوات پیش آئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ ان میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔

سیدنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ان میں سے یرموک کی خونیں جنگ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ یہ جنگ حضرت ابوعُبیدہؓ بن الجرّاح کی قیادت میں لڑی گئی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس میں شروع سے اخیر تک

سربکف ہو کر لڑے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عثمان نے طویل زندگی پائی لیکن جنگِ یرموک کے بعد ان کے بہت کم حالاتِ زندگی معلوم ہیں۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یزید کے عہدِ حکومت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اُن کے ساتھ ہو گئے اور ۷۳ھ ہجری میں اُن کی حمایت میں لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو مسجد میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر کو پوشیدہ کر دیا گیا تاکہ اہلِ شام اس کی بے حرمتی نہ کر سکیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عید کے دن دیکھا کہ آپؐ بازار میں (ایک جگہ) کھڑے تھے اور جو لوگ اس طرف سے گزر رہے تھے، اُن کو دیکھ رہے تھے۔ (اُسُدُ الغابہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی (گری) پڑی ہوئی چیز کو اُٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم)

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی گئیں اُس نے ان کے باعث ایمان کی حلاوت پائی ــــــ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں اور یہ کہ وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے اور یہ کہ اللہ نے اسے کفر سے نجات دی تو پھر وہ دوبارہ کفر میں واپس جانے کو ایسے ہی ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو۔ (صحیحین)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوام اسدی

خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن عوام بن خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوی القرشی اسدی۔

جلیل القدر صحابی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ بن العوام کے علاتی بھائی تھے۔ خدا کی شان جہاں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا اور بارگاہِ نبوی سے حواریٔ رسول کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا وہاں دوسرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہونے کے باوجود بہت کم شہرت حاصل کر سکے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوتِ توحید کی ابتداء میں اسلام قبول کر لیا اور عہدِ رسالت کی ہر سعادت حاصل کی ان کے برعکس حضرت عبدالرحمٰن بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے رہ گئے اور فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے بعد اسلام قبول کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام ام الخیر بنت مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبدالدار بن قصیّ تھا۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی عبدالدار سے تھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ قبولِ اسلام سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ

کا نام عبدالکعبہ تھا۔ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔

ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ قبول اسلام کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عہد رسالت کے کسی غزوے میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی یا نہیں۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ اپنے اسلام میں نہایت مخلص تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وہ شام کے میدان جہاد میں پہنچ گئے اور یرموک کی خونیں جنگ میں مردانہ دار لڑتے ہوئے رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

بعض اہل سیر نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک صاحبزادے عبداللہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں قتل کیے گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:- دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دو، یہ بھی ایک نیکی ہے۔ تم کسی کو سواری پر بٹھا لو، یا اس کا بوجھ اپنی سواری پر رکھ لو، یہ بھی نیکی ہے۔ اچھی بات کہنا بھی نیکی ہے۔

تمہارا ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے، نیکی ہے۔ راستے سے کانٹے پتھر ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔

(صحیح مسلم)

حضرت عبدالمُطّلب رضؓ بن ربیعہؓ ہاشمی

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں ان کا نام مُطّلب بیان کیا گیا ہے اور بعض میں مُطّلب کو اُن کا بھائی بتایا گیا ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مُطّلبؓ اور عبدالمُطّلب ایک ہی شخصیت ہیں۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچازاد بھائی ربیعہؓ بن حارث کے بیٹے تھے اس نسبت سے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بھتیجے ہوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :——

عبدالمُطّلبؓ بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمُطّلب بن ہاشم بن عبدِمناف بن قُصَیّ قرشی ہاشمی۔

ان کی والدہ اُمِ حَکَم بنت زبیر بن عبدالمُطّلب تھیں۔ وہ بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی چچازاد بہن تھیں۔ اس نسبت سے وہ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بھانجے ہوتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عبدالمُطّلبؓ کے ایک کمسن بھائی کو بنو ہُذَیل نے قتل کر ڈالا تھا۔ ان کا نام بعض نے تمام بن ربیعہ اور بعض نے ایاس بن ربیعہ لکھا ہے۔ سنہ ۱۰ ہجری میں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا اس میں آپؐ نے دَورِ جاہلیت کے تمام خون اور قصاص کالعدم کر دیئے۔ ان میں حضرت عبدالمُطّلبؓ کے مقتول بھائی کا خون بھی شامل تھا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا :——

"تمہارا خون اور تمہارا مال، ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہر جاہلی امر باطل ہے اور جاہلیت کے تمام

خون (یعنی انتقامی خون) باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ابن ربیعہ بن الحارث کا خون باطل کرتا ہوں جس نے بنی سعد میں پرورش پائی اور اس کو بنی ہذیل نے قتل کر ڈالا۔"

بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ عہد رسالت میں بچے تھے اس لیے ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہونا چاہیے لیکن ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو چکے تھے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں تحصیل صدقات پر مقرر فرمایا تھا۔ بظاہر یہ عہد رسالت کے اواخر کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس عہد کے کسی غزوے میں حضرت عبدالمطلبؓ بن ربیعہؓ کا نام نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی عمر پندرہ برس سے کم ہوگی اور وہ عہد رسالت کے اواخر میں بالغ ہوئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ شام چلے گئے اور دمشق میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ وہاں انہوں نے اپنا مکان بنالیا تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ نے ۶۱ھ ہجری میں دمشق میں وفات پائی۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نہایت رنج کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت میں بھی آپؐ کے پاس موجود تھا۔ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا، آپ کیوں رنجیدہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! معلوم نہیں کیا بات ہے کہ جب قریش باہم ملتے ہیں تو نہایت خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو ان کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔" یہ سن کر حضورؐ کا روئے انور غصے سے سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک آپ کو اللہ کے واسطے دوست نہ رکھے۔ پھر فرمایا، اے لوگو جس نے میرے چچا کو تکلیف دی اس نے مجھ کو تکلیف دی کیونکہ چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔ (اسد الغابہ)

حضرت عبدہؓ بن مُغیثُ بلوی انصاری

خاندانی تعلق بنو بلی سے تھا اور مدینہ میں اوس کے خاندان بنی ظفر کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبدہ بن مغیث (بروایتِ دیگر معتب) بن جد بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جعل بن عمرو بن جشم بن دوم بن ذبیان بن ہمیم بن ہنی بن بلی۔

سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اصحابِ بدر کی مغفور جماعت کا رکن بننے کا اعزاز حاصل کیا۔

اس کے بعد غزوۂ اُحد میں اپنے بیٹے شریکؓ بن سحماء کے ساتھ دادِ شجاعت دی (سحماء حضرت عبدہؓ کی اہلیہ کا نام تھا اور ان کے بیٹے والدہ کے نام کی نسبت سے مشہور تھے۔)

اُحد کے بعد ان کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ تو مومن بندہ کی نقد بشارت ہے (صحیح مسلم)

حضرت عبسؓ بن عامر انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنو سلمہ میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبسؓ بن عامر بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ
ابن اسحاق نے ان کا نام عبس اور موسیٰ بن عقبہؒ نے عبسی لکھا ہے۔ ان کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر ۱۳ بعد بعثت میں یثرب کے دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بیعتِ عقبۂ کبیرہ کی سعادت حاصل کی۔ یوں وہ ان نفوسِ قدسی میں شامل ہو گئے جو خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات اور مہاجرین اوّلین کے بعد سب صحابہ میں افضل ہیں۔
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا اور غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عبسؓ نے دوسرا بڑا شرف غزوۂ بدر الکبریٰ میں سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر بدری صحابہ بننے کا حاصل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اُحد، خندق، اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی۔
ان کے سالِ وفات اور ازدواج و اولاد کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید کو قتل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر چیونٹی کے کاٹنے کے برابر۔
(جامع ترمذی)

حضرت عُبَیدؓ بن ابی عُبَید انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
عبیدؓ بن ابی عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

غزوۂ بدر سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدالکبریٰ (رمضان ۲ھ ہجری) میں دادِ شجاعت دی اور بدری صحابی ہونے کا لازوال شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوۂ اُحُد اور غزوۂ احزاب میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ غزوۂ احزاب (۵ھ) کے بعد ان کے حالاتِ زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ اربابِ سیر نے ان کا سالِ وفات تک نہیں لکھا تاہم ان کی جلالتِ قدر میں کوئی کلام نہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ صدقہ خیرات دے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی کے پاس صدقہ کے لیے روپیہ پیسہ نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ مزدوری کرے پھر خود بھی فائدہ اٹھائے اور غرباء کو بھی صدقہ دے۔ میں نے کہا، اگر مزدوری نہ ملے؟ آپ نے فرمایا کہ مالی امداد کسی کی نہیں کر سکتا تو کسی حاجت مند کا اس کے کام میں ہاتھ ہی بٹا دے۔ میں نے عرض کیا، اگر اس کی بھی توفیق نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ منہ سے نیک نصیحت ہی کر دے۔ میں نے کہا، اگر یہ بھی نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی قسم کا نفع دوسروں کو نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم یہ کرے کہ کسی کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ بھی اس کی طرف سے صدقہ و خیرات سمجھا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عُبَیدؓ بن تَیِّہان انصاری

قبیلہ اَوس کے خاندان بنی عبدالاشہل کے بھائی (ابنِ عم) تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:۔

عبیدؓ بن تَیِّہان بن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعورا بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس

بعض نے ان کے والد کا نام تَیِّہان بھی لکھا ہے۔

زعورا عبدالاشہل کا بھائی تھا۔ چونکہ عبدالاشہل کی اولاد کثرتِ تعداد کے اعتبار سے زعورا کی اولاد سے بہت بڑھ گئی اس لیے زعورا کی اولاد کو بھی بنو عبدالاشہل میں شمار کیا جانے لگا۔

بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت عُبَیدؓ بن تَیِّہان قبیلہ بَلی کے ایک فرد تھے اور ان کے بنو عبدالاشہل سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لیے وہ اشہلی انصاری کہلاتے تھے لیکن جمہور اربابِ سِیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت عُبَید بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ عَقَبۂ کبیرہ (سنہ ۱۳ نبوت) میں شریک تھے لیکن کثرتِ رائے اس جانب ہے کہ حضرت عُبَید بن تَیِّہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں بلکہ ان کے بھائی حضرت ابوالہیثم[1] بن تَیِّہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ عقبہ کبیرہ

---

[1] حضرت ابوالہیثم بن تَیِّہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام مالک تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت "ابوالہیثم" سے شہرت پائی۔ نہایت نیک فطرت انسان تھے اور زمانۂ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے۔ انہوں نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں شریک ہوئے اور یہی روایت صحیح ہے۔
ہجرت نبوی کے بعد رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بیعت عقبۂ اولیٰ (۱۲ بعد بعثت) اور بیعت عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعد بعثت) دونوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ہجرت نبوی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت ابو الہیثم بدر سے لے کر تبوک تک عہد رسالت کے تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے ہمراہ حضرت ابو الہیثم کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے پاس کھجور کے باغات اور بکریوں کے ریوڑ تھے۔ ان سب کی دیکھ بھال وہ خود کیا کرتے تھے۔ ملازم کوئی نہ تھا۔ اس وقت پانی لینے گئے ہوئے تھے، تھوڑی دیر میں واپس آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے۔ مشک رکھ کر حضور سے لپٹ گئے۔ بار بار کہتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ آپ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ اس کے بعد تینوں کو اپنے باغ میں لے گئے۔ کھجوریں پیش کیں اور پھر صاف شیریں پانی پلایا۔ اس کے بعد مکان پر جا کر بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور اسے بریاں کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے تناول فرما کر ان سے پوچھا، تمہارے پاس کوئی ملازم ہے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، جب میرے پاس جنگی قیدی آئیں تو آنا۔ اتنے میں دو قیدی آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے ان میں سے ایک حضرت ابو الہیثم کو عطا فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اس قیدی کو لے کر گھر آئے تو نیک بخت بیوی نے مشورہ دیا کہ اس کو آزاد کر دو۔ انہوں نے ایسا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو جن خوش بخت اصحاب کو ہمرکابی کی سعادت نصیب ہوئی ان میں حضرت عُبید بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت عُبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریکِ بدر تھے لیکن اہلِ سیر نے شرکائے بدر کی فہرست میں حضرت عباد کا نام شامل نہیں کیا۔

اگلے سال غزوہ اُحد میں بھی حضرت عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور اسی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت پیا۔ ان کو عکرمہ بن ابی جہل نے شہید کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے لیکن جمہور اہلِ مغازی نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور دونوں میاں بیوی کی تحسین فرمائی۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ہجری میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبیدؓ بن سلیم انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :

عبیدؓ بن سلیم بن ضبع بن عامر بن مجدعہ بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ۔۔۔ کنیت ان کی ابو ثابت تھی۔

انہوں نے عہدِ رسالت کے جن غزوات میں شرکت کی، اربابِ سِیَر نے ان میں سے صرف دو غزووں کا نام صراحت کے ساتھ لیا ہے، غزوۂ اُحُد اور غزوۂ خیبر۔ غزوۂ خیبر کے بعد ان کا نام عبید السہام مشہور ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کے حصوں میں سے بہت سے حصے عطا فرمائے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے خیبر کے حصوں میں سے اٹھارہ حصے مول لیے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت عبیدؓ کے فرزند حضرت ثابتؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ وہ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبوی ؐ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

مسلمانوں کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کی مثال انسان کا جسم ہے کہ اگر ایک عضو بھی تکلیف میں ہو تو سارے اعضاء مل کر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ یہ سب بے خواب ہو جاتے ہیں اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبیداللہؓ بن معمر تیمی قرشی

قریش کے خاندان بنی تیم سے تھے (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا)۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبیداللہؓ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لُوئیؔ بن غالب تیمی قرشی۔

کنیت ابو معاذ تھی۔

ان کا شمار اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر دس گیارہ برس کی تھی اس لیے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔

بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ رحلتِ نبوی کے وقت ان کی عمر اکیس ۲۱ برس کی تھی لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ وہ اس وقت کم سِن تھے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبیداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شمار قریش کے معززین میں ہوتا تھا۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ جوان ہو چکے تھے)

حضرت عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے عجم کی فتوحات میں شاندار خدمات انجام دیں۔ ان کو عہدِ عثمانی کے مشہور شہسواروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے خراسان اور فارس وغیرہ کی لڑائیوں میں خوب دادِ شجاعت دی۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں انھوں نے مکران فتح کیا اور کچھ عرصہ اس کے امیر بھی رہے۔ سنہ ۲۹ ہجری میں اہلِ اصطخر نے اسلامی

حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو حضرت عبیداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔ (ایک روایت کے مطابق وہ امیر عراق حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی فوج کے ہراول کے افسر تھے)۔ شہر پناہ کے دروازوں پر اسلامی فوج اور باغیوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی۔ اس میں حضرت عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اصطخر کو مسخر کیا اور حضرت عبیداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اصطخر کے دلکشا باغ "بستان امجد" میں دفن کیا۔

حضرت عبیداللہؓ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے۔ (۱) عمرؒ اپنے دور کے نامی جواد اور بہادر تھے۔ انہوں نے سندھ کے شہر ادمائیل کو فتح کیا۔
(۲) محمدؒ، خوارج کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ (۳) موسیٰ (۴) معاذ، ان کے نام پر حضرت عبیداللہؓ کی کنیت ابومعاذ تھی۔

حضرت عبیداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے حضرت عروہ بن زبیرؓ اور محمد بن سیرینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے مروی ایک مشہور حدیث یہ ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ——— جس گھر بخشے کو اللہ تعالیٰ نے نرمی دی اس کو اس سے فائدہ پہنچا اور جسے اس سے محروم کیا وہ نقصان میں رہا۔" (ابونعیم۔ اسدالغابہ)

رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عُتبہؓ بن ابی لہب

دینِ حق کے بدترین دشمن ابولہب کے بیٹے اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عُتبہؓ بن ابی لہب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصیٰ قرشی ہاشمی۔

اپنے بدبخت باپ کے بہت فرمانبردار تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نکاح حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا لیکن جب سورۃ "تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَبٍ" نازل ہوئی تو انہوں نے باپ کے حکم کے مطابق حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی۔ ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

باپ کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ فتح مکہ تک کفر و شرک کی دلدل سے نہ نکل سکے۔ رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ پر پرچم اسلام بلند ہوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو عتبہ اپنے بھائی مُعتّب کے ساتھ بعض دوسرے مشرکین کی طرح کہیں چھپ گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"آپ کے بھتیجے عتبہ اور معتب کہیں نظر نہیں آئے معلوم نہیں اب کہاں ہیں؟"

حضرت عباسؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! بعض دوسرے مشرکین کی طرح وہ بھی مکہ سے نکل کر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان کو ڈھونڈ کر میرے پاس لائیے۔"

حضرت عباسؓ اسی وقت ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور دونوں کو ڈھونڈ کر اپنے ساتھ بارگاہِ رسالت میں لا حاضر کیا۔ آپؐ نے بڑی نرمی سے انہیں اسلام قبول کرنے کی تلقین فرمائی۔ وہ بلا تامل حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ان کو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان لے آئے۔ وہاں آپؐ نے کچھ دعا کی۔ دعا سے فارغ ہو کر آپ واپس تشریف لائے تو روئے اقدس فرطِ مسرت سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ آپؐ کو ہمیشہ خوش رکھے میں آپؐ کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا:- "میں نے ان دونوں بھائیوں کو اللہ سے مانگا تھا اس نے مجھے دے دیے۔ اس لیے میں خوش ہوں۔"

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عتبہؓ مکہ ہی میں رہے (کیونکہ ہجرت کا وقت اب گزر چکا تھا) چند دن کے بعد حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ حنین کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ لڑائی میں وہ سر بکف ہو کر لڑے اور اخیر تک میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ کفار کو شکست ہو گئی۔ اس کے بعد آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے طائف کا محاصرہ کیا تو حضرت عتبہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے محاصرہ اٹھا لیا تو وہ واپس مکہ آ گئے۔

حضرت عتبہؓ بن ابی لہب کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں البتہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عُتبہؓ بن عبد سُلمی

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا، صرف اتنا لکھا ہے کہ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کنیت ابوالولید تھی۔ ان کا اصل نام عتلہ تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر عُتبہ نام رکھا۔

حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بارگاہِ رسالت میں کب حاضر ہوئے اور کب اسلام قبول کیا؟ کُتُبِ سیر سے اس کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا۔ مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو سُلیم کے کئی وفود ہجرتِ نبوی ؐ کے بعد اور فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) سے پہلے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور شرفِ اسلام و بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عتبہؓ بن عبد بھی ان میں سے ایک وفد میں شامل تھے۔ خود حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بیان ہے کہ ہم قبیلہ بنی سُلیم کے سات آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم میں سب سے بڑے عرباضؓ بن ساریہ تھے۔ ہم سب نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عتبہؓ بن عبد حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ عرباض مجھ سے بہتر ہیں۔ مگر عرباض کہتے تھے کہ عتبہ بن عبد مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ وہ مجھ سے ایک سال پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تھے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عتبہؓ نے بنی سُلیم کے سات رکنی وفد کی بارگاہِ رسالت میں حاضری سے ایک سال پہلے ہی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ سات رکنی وفد میں شامل ہو کر وہ دوسری مرتبہ مدینہ منورہ آئے ہوں۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں حضرت عُتبہؓ بن عبد سے یہ روایت بھی

منسوب کی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ مجھ کو بلایا میں (اس وقت) بہت کم سن تھا۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟

میں نے عرض کیا۔ " عتلہ "

آپؐ نے فرمایا: " (نہیں) بلکہ تمہارا نام عُتبہ ہے۔"

اس سلسلے کی دوسری روایت کو دیکھتے ہوئے یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عتبہؓ بن عبد عہدِ رسالت میں بہت کم سن ہوں اور اپنے قبیلے سے اتنی چھوٹی عمر میں مدینہ منوّرہ پہنچے ہوں۔ اگر اسکے صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر اس کی یہ تاویل کرنی پڑے گی کہ وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ مدینہ منوّرہ پہنچے ہوں گے۔

اہلِ سیر نے بنو سُلیم کے ایک اور صحابی عُتبہؓ بن ندر کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر ان کا سلسلۂ نسب بھی بیان نہیں کیا۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عتبہ بن عبد سُلَمی اور عتبہ بن ندر سُلَمی ایک ہی شخصیت ہیں۔ وہ غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) میں شریک تھے اور بعہدِ ولید بن عبدالملک ۸۷ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر چورانوے ۹۴ سال کی تھی۔

(الاستیعاب)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عُتبہؓ بن عبد (ندر) کی عمر ۱ھ ہجری میں سات برس کی تھی اور غزوۂ خیبر کے وقت تیرہ ۱۳ برس کی۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بالعموم پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے۔ (اگرچہ کچھ استثنائی مثالیں بھی ملتی ہیں) اگر وہ فی الواقع غزوۂ خیبر میں شریک تھے تو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انہیں بطورِ خاص لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو حضرت عُتبہ بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حمص میں مستقل سکونت

اختیار کرلی اس لیے ان کا شمار شامی صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عُتبہ بن عبد سُلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی چند احادیث، حدیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے تین حدیثیں یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم گھوڑوں کی پیشانیوں کے بال نہ کترو کیونکہ ان کی پیشانیوں سے بھلائی وابستہ ہے۔ اور گھوڑوں کے ایال (گردن کے لمبے لمبے بال) نہ کاٹو کیونکہ یہ ان کے اوڑھنے کی چیزیں ہیں اور نہ ان کی دُمیں کترو یہ ان کے پنکھے ہیں۔ (اُسُد الغابہ)

(۲) ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے حوض (کوثر) اور جنّت کے بارے میں پوچھا۔ (آپؐ نے اس کو جواب دیا) پھر اس اعرابی نے پوچھا:—

"جنّت میں میوے ہوں گے؟"

آپؐ نے فرمایا:—

"ہاں اور اس میں ایک درخت ہوگا جس کو طوبیٰ کہا جاتا ہے۔"

راوی (حضرت عتبہؓ بن عبد سُلمی) کہتے ہیں کہ آپؐ نے ایک شے کا تذکرہ بھی کیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔

اس اعرابی نے عرض کیا:—

"ہماری زمین کا کون سا درخت ہے جو اس کے مشابہ ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:—

"تیری اس زمین کا کوئی درخت اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے پوچھا:—

"کیا تو (کبھی) ملک شام گیا ہے؟"

اس نے کہا، "نہیں"۔

آپؐ نے فرمایا کہ ملک شام میں ایک درخت اس کے مشابہ ہے جس کو

جوزہ کہا جاتا ہے (اخروٹ یا ناریل کا درخت) کہ ایک ہی تنے پر چلتا ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھیل جاتا ہے۔

اعرابی نے پوچھا، اس کے خوشوں کی موٹائی کتنی ہو گی۔

آپؐ نے فرمایا: "کالا کوا جو سستی نہ برتے اس کے ایک مہینے کی اڑان کے فاصلے جتنی۔"

اعرابی نے دریافت کیا، "اس کی جڑ کی موٹائی کتنی ہو گی؟

آپؐ نے فرمایا: "اگر تیرے خاندان سے کوئی جوان اونٹ چلنا شروع کرے تو اس کی جڑ کا احاطہ نہ کر سکے یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں۔"

اعرابی نے پوچھا: ۔"کیا جنّت میں انگور بھی ہوں گے؟"

آپؐ نے فرمایا: "ہاں"

اس نے پوچھا: "اس انگور کے ایک دانے کا حجم کیا ہو گا؟"

آپؐ نے فرمایا، "کیا تیرے والد نے اپنی بکریوں (کے ریوڑ) میں سے کوئی بڑا بکرا ذبح کیا ہے؟"

اعرابی نے کہا۔ "ہاں۔"

آپؐ نے فرمایا: "اس کی اتری ہوئی کھال کے برابر جس کو اس نے تیری ماں کو دیا ہو گا اور کہا ہو گا کہ اس سے ڈول بنا لینا۔"

اعرابی نے عرض کیا: "یہ دانہ تو مجھے اور میرے گھر والوں کو سیر کر دے گا۔"

آپؐ نے فرمایا، "ہاں اور تیرے خاندان والوں کو بھی۔"

(مسندِ احمد و تفسیر ابن کثیر ج۔۴ صفحہ ۲۹۰)

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اٹھو جہاد کرو۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا:

" بہت اچھا یا رسولؐ اللہ ! اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، لیکن ہم اس طرح کہتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اور آپؐ کا رب (جدھر) چلیں ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے۔[1]

(مسند احمد۔ ہیثمی)

---

[1] یہ واقعہ غزوۂ بدر کا ہے چونکہ حضرت عتبہؓ بن عبد سلمی غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔ غزوۂ بدر کو جاتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا تو مہاجرین اور انصار سبھی نے بڑے پرجوش الفاظ میں راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے :

" یا رسول اللہ ! ہم وہ نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (تو اور تیرا رب جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔) ہم تو کہتے ہیں، چلیے جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اس طرف چلیے۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے اور جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ہم آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے۔ آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے واللہ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کرتی ہے، ہم آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔"

یہ الفاظ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔

حضرت عُتبہؓ بن عویمؓ انصاری

اَوس کے خاندان عمرو بن عوف کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

عُتبہؓ بن عویمؓ بن ساعدہ بن عائش بن قیس بن نعمان بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس

ان کے والد حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے [۱]

حضرت عُتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نام سب سے پہلے بیعتِ رضوان کے موقع پر منظرِ عام پر آتا ہے (غالباً اس سے پہلے کسی غزوے یا مہم میں شریک نہیں

---

[۱] سیدنا ابو عبدالرحمٰن عویم بن ساعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اور پھر بیعتِ عَقَبۂ کبیرہ (۱۳ بعدِ بعثت) میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخاۃ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے کرادی۔ غزوات کا آغاز ہوا تو وہ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیعتِ خلافت میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں ۶۵-۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مسلمانوں میں وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے استنجا میں پانی استعمال کیا۔ ان کی طہارت پسندی کو بارگاہِ خداوندی میں قبولیت حاصل ہوئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مرتبہ "رجُلِ صالح" کے لقب سے نوازا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

تھے اور اس کے بعد کے تمام مشاہد (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک) میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہم رکاب تھے۔ ان کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت عُتبہ بن عویم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ "رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا —— اللہ تعالیٰ نے میرے لیے (جو) اصحاب بنائے ہیں ان کو تمام عالم سے منتخب کر کے تجویز کیا ہے۔ اس نے ان صحابہ کو میرے انصار اور وزیر بنا دیا ہے۔ جس شخص نے ان کو برا کہا اس پر اللہ اور تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔" (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ —— میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے

—— اور ——

آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے تبلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

(صحیح بخاری)

حضرت عدیؓ بن عُمیرہ کِندی

بنو کندہ کے مشہور قبیلے کی ایک شاخ بنو ارقم کے فرزند رشید تھے۔ بعض نے ان کو حضرمی بیان کیا ہے لیکن جمہور ارباب سِیَر کے نزدیک وہ کِندی تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عدیؓ بن عمیرہ بن فردہ بن زرارہ بن ارقم بن نعمان بن عمرو بن وہب بن ربیعہ بن معاویۃ الاکبر بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن کندہ۔

بعض اہل سِیَر نے ان کو تین جُدا شخصیتوں میں تقسیم کردیا ہے۔ کسی نے ان کا نام عدی بن فردہ لکھ دیا ہے، کسی نے ان کی کنیت ابوزرارہ بیان کی ہے اور کسی نے ابوفردہ۔ درحقیقت یہ ایک ہی شخصیت ہیں۔ ان کی کنیت ابوزرارہ بھی ہے اور ابوفروہ بھی۔ اور جن اصحاب نے ان کو عدی بن فردہ لکھا ہے انہوں نے ان کو اپنے دادا کی طرف منسوب کردیا ہے۔ حالانکہ وہ عدی بن عمیرہ بن فردہ ہیں۔

کِندہ عظیم الشان قحطانی قبیلہ تھا۔ ان کی آبادیاں حضرموت میں الکسر میں واقع تھیں اور حضرموت کے شمال کی طرف وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلام سے پہلے ان میں بہت سے بادشاہ ہوئے ہیں جن کی حکومت نجد، یمن اور حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس حکومت کو ایرانی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور اسے حیرہ (عراق) کی عرب حکومت کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ اس کا آخری بادشاہ عرب کے نامور شاعر امرؤ القیس کا باپ تھا۔ اس کو وہاں کے قبیلہ قیس نے ایک معاملے میں مشتعل ہو کر قتل کرڈالا تھا۔ اسی وقت سے بنو کِندہ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس قبیلے کا ایک وفد سنہ ہجری

میں اشعثؓ بن قیس کندی کی قیادت میں مدینہ منورہ آیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا ۔۔۔ یہ وفد اسّی آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عدیؓ بن عمیرہ اس وفد میں شامل تھے یا وہ کسی اور موقع پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا نام نہیں آتا۔ اس لیے قیاسِ غالب یہ ہے کہ وہ عہدِ رسالت کے اواخر میں مسلمان ہوئے ان کے ساتھ ان کے بھائی عرسؓ بن عمیرہ بھی تھے۔[1] قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا پھر واپس وطن چلے گئے۔

امیر المومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اقامت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ اپنے قبیلے (بنو ارقم) کے ساتھ کوفے سے شام امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے کیونکہ کوفہ کے لوگ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ کے خلاف نامناسب باتیں کیا کرتے تھے اور یہ چیز حضرت عدیؓ اور ان کے قبیلے کو گوارا نہ تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عدیؓ کی بہت تعظیم کی اور انہیں ایک بلند منصب پر فائز کر دیا (غالباً جزیرہ کا عامل بنا دیا) ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ جب عراق سے کوئی شخص حضرت عدیؓ کے پاس آتا تھا تو وہ اس کو جزیرہ میں رہنے کے لیے جگہ دیتے تھے کیونکہ انہیں شام بھیجنے کی صورت میں اندیشہ تھا کہ شامی کوئی جھگڑا کھڑا کر دیں گے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے عراقی نو آبادوں کو لکھ بھیجا کہ مجھے ڈر ہے کہ نصیبین کے بچھو تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لیے تم "رہا" منتقل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ رہا چلے گئے جہاں حضرت عدیؓ نے انہیں کچھ زمین دے دی، پھر وہ خود

۱؎ حضرت عرس بن عمیرہ کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت ہی مختصر حالات کتبِ رجال میں ملتے ہیں۔ ان سے یہ تین حدیثیں مروی ہیں:

(مروی احادیث اگلے صفحہ پر)

بھی رہا چلے گئے۔ جنگِ صفین میں یہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی دو احادیث یہ ہیں:

(۱) دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زمین کی نسبت جھگڑا کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ ایک نے کہا کہ یہ زمین میری ہے۔ دوسرے نے کہا، یہ زمین میری ہے اور اس نے اس کو غصب کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص زمین پر قابض ہے وہ حلف اٹھائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ——
جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا (کوئی جھوٹی بات مجھ سے منسوب کی) اس کو چاہیے کہ اپنی جگہ دوزخ میں تلاش کرے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں کی تزویج میں عورتوں سے مشورہ لو —— ایک روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عورت کے معاملات مخفی ہوتے ہیں۔ جس عورت کا نکاح ثانی ہو رہا ہو اس کو اپنی رضامندی —— یا نارضامندی بیان کر دینی چاہیے اور کنواری لڑکی کی رضا اس کا خاموش رہنا ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ——
جب کسی مقام پر کوئی بُرا کام کیا جائے تو جو شخص وہاں موجود ہو اس کام کو بُرا جانے —— یا فرمایا کہ اس سے منع کرنے تو وہ شخص اس شخص کی مثل ہوگا جو وہاں موجود نہیں ہے اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو مگر اس کام کو پسند کرے وہ اس شخص کی مثل ہوگا جو وہاں موجود ہو۔ (اُسد الغابہ)

جب وہ حلف اٹھانے کے لیے کھڑا ہوا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا، خبردار رہو جس نے کسی مسلمان کا مال غصب کرنے پر قسم کھائی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر غضب ناک دیکھے گا۔

اس شخص نے عرض کیا، جو اس زمین کو (اپنا حق سمجھتے ہوئے بھی) چھوڑ دے؟ (اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے)

آپؐ نے فرمایا، اس کے لیے جنت ہے۔ (پس اس شخص نے وہ زمین چھوڑ دی)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (ایک مرتبہ) فرمایا:

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے عامل بن کر جائے تو وہ اگر ایک دھاگا بھی (وہاں کی آمدنی کا) ہم سے چھپائے تو یہ خیانت ہے قیامت کے دن اس کا اس سے مواخذہ ہوگا۔

پس ایک سیاہ فام انصاری کھڑے ہوگئے اور انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، کیوں؟

انہوں نے کہا، ابھی آپ نے ایسا ایسا فرمایا ہے (اس لیے میں آخرت کے مواخذے سے ڈرتا ہوں)

آپؐ نے فرمایا، ہاں یہ میں اس شخص کے لیے نہیں کہتا جس کو میں عامل بناؤں وہ تھوڑی یا بہت (جو آمدنی ہو) سب لے آئے پھر جس قدر اس کو دیا جائے لے لے ورنہ نہ لے۔

(اُسد الغابہ)

حضرت عروہؓ بن ابی اُثاثہ عدوی

قریش کے خاندان "بنی عدی" سے تعلق رکھتے تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عُروہؓ بن اثاثہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی عدوی۔

بعض نے ان کے والد کا نام اُثاثہ اور بعض نے عبدالعزیٰ لکھا ہے لیکن صحیح ابی اُثاثہ ہے۔

یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیافی (ماں جائے) بھائی تھے۔ والدہ کا نام نابغہ بنت حرملہ تھا۔

حضرت عروہؓ دعوت توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر مشرف بہ اسلام ہوئے اور سابقین اوّلین کی مغفور جماعت کے رکن بن گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ مشرکین قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔

۵ بعد بعثت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہیں کسی وقت وفات پائی۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور رات کا سفر بھی خاوند یا کسی محرم رشتہ دار کے بغیر کرے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عصمہؓ بن رِئاب انصاری

ابنِ اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:
عصمہؓ بن رئاب بن حُنَیفؓ بن رئاب بن حارث بن امیہ بن زید بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری۔

اگر اس نسب نامہ کو من وعن درست تسلیم کیا جائے تو پھر وہ حضرت حُنَیف بن رئاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہوتے ہیں۔ حضرت حُنَیفؓ غزوۂ اُحُد، خندق اور خیبر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ انہوں نے جنگِ مُوتہ میں شہادت پائی۔ یہ قیاس بھی ہے کہ ان کے نسب میں رئاب سہواً دو مرتبہ لکھا گیا ہے اگر یہ ایک مرتبہ لکھا جائے تو وہ حضرت حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرصورت حضرت عصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ اَوس کے خاندان عمرو بن عوف کے فرزندِ سعید تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ذیقعدہ ۶ھ میں بیعتِ رضوان کا اہتم بالشان شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک) میں شریک ہوئے۔
خلیفۃ الرسول سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تو حضرت عصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور یمامہ کی خونریز لڑائی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عُصَیمہؓ الاشجعی رضؓ

خاندانی تعلق بنو اشجع سے تھا اور مدینہ منوّرہ میں بنی سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار کے حلیف تھے۔

ارباب سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا اور نہ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین کیا ہے البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

حضرت عُصَیمہؓ نہایت مخلص مسلمان اور حقیقی معنوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار تھے۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ بدر سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ عہدِ رسالت کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں ان کا کہیں ذکر نہیں آتا البتہ اس بات پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

ایک روایت میں ان کا نام عصمہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرو (خواہ) وہ ظالم ہو، یا مظلوم!

ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مظلوم کی تو میں مدد کرتا ہوں مگر ظالم کی مدد کیسے کروں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"اسے ظلم سے روکو، یہی اس کی مدد کرنا ہے۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عطیہؓ بن عروہ سعدی

ان کا تعلق بنو سعد بن بکر سے تھا۔ (قبیلہ سعد بن بکر، بنو ہوازن کا ایک بطن تھا۔ یہ وہی قبیلہ ہے جس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں یا کھلائی حضرت حلیمہؓ کا تعلق تھا) اہلِ سیر نے حضرت عطیہؓ کا سلسلۂ نسب بیان نہیں کیا، البتہ اُن کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت عطیہؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی سعد بن بکر کے لوگوں کے ساتھ آیا اور میں ان سب میں کم عمر تھا چنانچہ ان لوگوں نے مجھ کو اپنے قافلے میں چھوڑ دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور اپنی حاجتیں بیان کیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کیا تم میں اور کوئی بھی باقی ہے۔ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں ایک لڑکے کو ہم نے اپنے قافلے میں پیچھے چھوڑا ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ پس میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ دینے والے کا ہاتھ بہت بلند ہے اور سوال کرنے والے کا ہاتھ بہت نیچا ہے۔ (یعنی دینے والا مانگنے والے سے بہت بہتر ہے۔)

حضرت عطیہؓ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے البتہ ان سے مروی کچھ احادیث کتبِ حدیث میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع مل گیا۔

ان سے مروی دو حدیثیں یہ ہیں:-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اللہ کے متقی بندوں

کی فہرست میں نہیں آسکتا جب تک کہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے [1]

(جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :—

غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے اور آگ صرف پانی سے بجھتی ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔

(سنن ابی داؤد)

---

[1] شارحین حدیث کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض چیزیں مباح کے درجہ کی ہوتی ہیں جن کے کرنے میں گناہ تو نہیں ہے لیکن اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان میں مبتلا ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لیے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز اور مباح کاموں سے بھی پرہیز کرے۔

حدیث نبوی

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آکر عرض کیا، یا رسول اللہ! ایک شخص جنگ کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے اور ایک شخص شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اپنی بہادری ظاہر کرنے کے لیے اور ایک غصہ یا حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں لڑنے والا کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات غالب ہو، اس کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا سمجھنا چاہیے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عُقبہؓ بن کُدیم انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز شاخ بنی نجّار کے چشم وچراغ تھے۔نسب نامہ یہ ہے:

عقبہؓ بن کدیم بن عدی بن حارثہ بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجّار۔

اہلِ سیَر نے ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ غزوۂ اُحُد سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد احزاب، خیبر، فتح مکہ وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک رہے۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں مصر پر لشکرکشی ہوئی تو حضرت عقبہ بن کدیم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے، اور اہلِ مصر کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ فتح مصر کے بعد وہیں مقیم ہو گئے اور مصر ہی میں وفات پائی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انھوں نے مصر میں اپنی اولاد چھوڑی تھی۔ ان کی کوئی روایت مشہور نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص رسّی لے اور پہاڑ پر جاکر لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اسے بیچ کر گزارہ کرے تو یہ بات بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے، پھر خواہ کوئی دے اور کوئی نہ دے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عُقبہ رضؓ بن وہب غطفانی انصاری

ان کا خاندانی تعلق بنو غطفان سے تھا لیکن خزرج کی شاخ بنی سالم (یا عوف بن خزرج) سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے تھے اس لیے ان کا شمار انصار میں ہوتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عقبہؓ بن وہب بن کلدہ بن جعدہ بن ہلال بن حارث بن عمرو بن عدی بن جشم بن عوف بن عبداللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان۔

ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعدِ بعثت) میں شریک تھے۔ لیکن جمہور اربابِ سیر نے بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے شرکاء کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام شامل نہیں ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ بیعتِ عقبۂ کبیرہ (سنہ ۱۳ بعدِ بعثت) میں شریک تھے گویا وہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ اور بیعتِ عقبۂ کبیرہ کے درمیانی عرصے میں یقیناً شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت عقبۂ کبیرہ میں شرکت کے بعد مکہ ہی میں مقیم ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد اذنِ ہجرت ہونے پر ہجرتِ نبوی سے پہلے دوسرے مہاجرین کے ساتھ مدینہ آ گئے اس لیے ان کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے یعنی وہ مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی۔

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں دادِ شجاعت دی۔ یوں ان کو عقبی صحابی ہونے کے علاوہ بدری صحابی ہونے کا بھی ہم بالشان

شرف بھی حاصل ہو گیا۔

اگلے سال ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بھی بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ لڑائی میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹیوں میں خود کی چند کڑیاں دھنس گئیں تو عام روایت کے مطابق حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالا تھا، لیکن واقدی نے کہا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے مل کر ان کو آپؐ کی کنپٹیوں سے باہر نکالا تھا۔

غزوۂ اُحد کے بعد حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ یہ امر فی الحقیقت باعثِ حیرت ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد اتنے جلیل القدر صحابی کے بارے میں اربابِ سِیَر میں سے کسی نے ایک لفظ تک نہیں لکھا۔ اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ۳ھ ہجری کے بعد انہوں نے زندگی کیسے گزاری اور کب وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا، نماز قائم کر، زکوٰۃ دے اور رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کر۔" (صحیح بخاری)

حضرت عکراشؓ بن ذویب تمیمی

بنو تمیم کی شاخ بنی مُرّہ بن عبید میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عکراشؓ بن ذویب (حرقوص) بن جعدہ بن عمرو بن نزال بن مرّہ بن عبید بن مقاعس (حارث) بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔

اربابِ سیر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عکراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہلِ قبیلہ کے ساتھ فتح مکہ کے بعد کسی وقت اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے قبیلے کے سربرآوردہ آدمیوں میں سے تھے۔ بنو مرّہ بن عبید نے قبولِ اسلام کے بعد انہیں اپنے قبیلے کی زکوٰۃ دے کر بارگاہِ رسالت میں روانہ کیا۔

حضرت عکراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ نبویؐ میں اپنی حاضری کا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مجھے بنی مُرّہ بن عبید نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، میں مدینہ پہنچ کر بارگاہِ نبوی میں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کچھ) مہاجرین اور انصار کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے (اُمّ المؤمنین) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر لے گئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا، کیا کچھ کھانا ہے؟ (انہوں نے اثبات میں جواب دیا پس) ہمارے سامنے ایک برتن لایا گیا جو ثرید اور چربی سے بھرا ہوا تھا۔ ہم یہ کھانا کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صرف اپنے سامنے سے کھاتے تھے اور میں ہر طرف اپنا ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا اور فرمایا:——— "اے عکراش! ایک ہی جگہ سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی کھانا ہے۔"

جب یہ کھانا ختم ہوا تو پھر ہمارے سامنے ایک طباق لایا گیا جس میں کئی قسم کے تر اور خشک پھل تھے۔ میں اس طباق میں بھی اپنے سامنے سے کھانے لگا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے کھاتے تھے (مجھے اپنے سامنے سے کھاتا دیکھ کر) آپؐ نے فرمایا:———

"اے عکراش! جس طرف سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ ایک قسم کی چیز نہیں ہے۔"

اس کے بعد پانی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے اور تر ہاتھ اپنے چہرے اور کہنیوں پر پھیرے۔"

(اُسْدُ الغابہ)

حضرت عکراش رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اس شخص پر رحم کرے جو نرمی کرتا ہے جبکہ بیچے اور جب خریدے اور جب تقاضا کرے۔ (صحیح بخاری)

حضرت علی بن ابی العاصؓ عبشمی

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سب سے بڑے حقیقی نواسے تھے۔ والدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنتِ رسول اللہؐ) تھیں۔ اور والد حضرت ابوالعاصؓ تھے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

علیؓ بن ابی العاصؓ بن ربیع بن عبدالعزّٰی بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قُصَیّ قرشی عبشمی۔

ابوالعاصؓ، اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ وہ ان کو بہت محبوب رکھتی تھیں اور اپنا لڑکا تصوّر کرتی تھیں۔

(سیر الصحابہ جلد ہفتم ص ۳۱۴)

حضرت علیؓ ہجرتِ نبویؐ سے چھ سات سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق انہوں نے رضاعت (دودھ پینے) کے دو سال قبیلہ بنی غاضرہ میں گزارے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ رضاعت کا زمانہ گزارنے کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی لختِ جگر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت علیؓ بن ابی العاص کو مانگ لیا۔ چنانچہ انہوں نے بچپن سے جوانی تک اپنے نانا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔

آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حضرت علیؓ بن ابی العاصؓ سے بہت محبت تھی۔ آپؐ رمضان ۸ھ ہجری میں فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر بٹھا رکھا تھا۔ (اُسدُ الغابہ)

اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی۔ (الاصابہ)

حضرت علیؓ کی والدہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ رحمت ۱۱ھ ہجری میں اٹھ گیا۔ والد حضرت ابوالعاصؓ ۱۳ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ (الاستیعاب)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں رومیوں کے خلاف یرموک کی خونریز لڑائی پیش آئی تو حضرت علیؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ وہ اس لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے (۱۵ھ) (ابنِ عساکر)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے فتح مکہ کے بعد کسی وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وفات پائی۔ (اُسُد الغابہ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری نواسی حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ سیدہ زینبؓ و حضرت ابوالعاصؓ، حضرت علیؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ وہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت علیؓ بن ابی العاص کو والدہ کے اسمِ گرامی کی نسبت سے علی زینبی بھی کہا جاتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت عمارہؓ بن حزم انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز شاخ بنی نجار کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے :

عمارہؓ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن نجار

والدہ کا نام خالدہ بنتِ انس بن سنان بن وہب بن لوذان تھا۔

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ انصار کے سابقین اولین میں شامل ہیں۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور پھر مدینہ کے ستر سے اوپر دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ مکہ جاکر بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں ایک تاریخ ساز واقعہ کی حیثیت سے مشہور ہے کیونکہ اسی بیعت کے موقع پر مدنی اہلِ ایمان نے تمام اہلِ عرب کی اسلام دشمنی کے علی الرغم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف لائیں تو ہم اپنی جانوں، مال اور اولاد کے ساتھ آپ کی حمایت اور حفاظت کریں گے۔ ان مردانِ حق (یعنی عقبی صحابہ) کو فضیلت کے اعتبار سے دوسرے صحابہ میں مہاجرین اولین کے بعد خاص مقام حاصل ہے۔

ہجرت کے کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت محرز بن نضلہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دینی بھائی بنایا [1]

---

[1] سیدنا حضرت محرزؓ بن نضلہ (بن عبداللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر الکبریٰ سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ فتح مکہ میں بنو مالک بن نجار کا عَلَم انہی کے پاس تھا۔ مختصر یہ کہ عہدِ رسالت کی وہ تمام بڑی بڑی سعادتیں ان کو حاصل ہوئیں جو کسی انصاری صحابی کو حاصل ہو سکتی تھیں۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے تو عرب میں جگہ جگہ ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنے کا بے مثال عزم و ہمت سے مقابلہ کیا اور مرتدین کے استیصال کے لیے مختلف علاقوں کو گیارہ لشکر روانہ کیے جن میں سینکڑوں اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے پہلے تو حضرت خالدؓ نے کچھ دوسرے معرکے سر کیے پھر خلیفۃ الرسول نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا لقب اخرم الاسدی تھا اور کنیت ابو نضلہ تھی۔ مہاجرینِ اوّلین میں سے ہیں۔ بدر، اُحد، اور احزاب میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ ۶ ہجری میں غزوہ ذی قرد پیش آیا۔ اس میں بنو فزارہ کے لٹیروں نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی چراگاہ پر چھاپہ مار کر آپؐ کے اونٹ ہانک لیے تھے۔ حضرت محرزؓ نے کچھ دوسرے صحابہ کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور جوشِ ایمان میں بے دھڑک آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ ایک مشرک عبدالرحمٰن فزاری (بروایت دیگر سعد بن حکم) نے تاک کر ان پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۷ یا ۳۸ برس کی تھی۔ بڑے حسین جمیل جوان تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

انہیں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس سلسلے میں یمامہ کی خونریز لڑائی پیش آئی۔ اس میں مسیلمہ کو تباہ کن شکست ہوئی اور وہ اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت جہنم واصل ہوا لیکن مسلمانوں کو بھی کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے مجاہدین میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے مالک نام کے ایک صاحبزادے چھوڑے مگر ان سے نسل نہیں چلی۔

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھاڑ پھونک کا ایک منتر جانتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو یہ منتر سنانے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی چونکہ اس منتر میں کوئی ایسا لفظ نہ تھا جس سے شرک کی بو آتی ہو اس لیے آپؐ نے انہیں اس سے کام لینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ منتر ان کے خاندان میں عرصہ تک استعمال ہوتا رہا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ (سیرِ انصار)

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ چار باتیں ہیں جو شخص ان پر عمل کرے گا مسلمانوں میں سے ہوگا اور جو شخص ان میں سے ایک بات بھی چھوڑ دے گا باقی تین باتیں اس کو نفع نہ دیں گی۔ یہ چار باتیں ہیں نماز، زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج۔ (اُسُدالغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دنیا میں (سادھوؤں کی طرح) گھومنے کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کا گھومنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

(ابو داؤد)

حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ مخزومی

ان کے والد جلیل القدر صحابی حضرت ابوسلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد مخزومی تھے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ (ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھیں) اس کے علاوہ حضرت ابوسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے ——— والدہ حضرت اُمِّ سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ تھیں۔ ان کو حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرؓ بن ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر (عمرو) بن مخزوم القرشی۔

ان کی کنیت ابوحفص تھی۔

ایک روایت کے مطابق ۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اس اعتبار سے ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوسلمہؓ نے جمادی الاخریٰ ۴ھ ہجری میں وفات پائی اور اسی سال شوّال میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاحِ ثانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ حضرت ابوسلمہؓ کی صلب سے ان کے چاروں بچے سلمہؓ، عمرؓ، زینبؓ اور دُرّہ بھی ماں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔ اپنے بھائی بہنوں کی طرح حضرت عمرؓ کو بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے بڑی شفقت اور محبت سے ان کی پرورش اور تربیت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تربیت کا اندازہ حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

"میں (عمرؓ بن ابی سلمہؓ بچپن میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ رکابی میں ہر طرف چلتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ چونکہ عہدِ رسالت میں کم سن تھے اس لیے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ خندق میں انہیں اور حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو کمسنی کی بناء پر حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کے گھر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پُرجوش حامیوں میں تھے، جنگِ جمل میں انہی کے لشکر میں شامل تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں بحرین اور فارس کا عامل مقرر کیا تھا۔ انہوں نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸۳ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کتبِ حدیث میں ان سے مروی کئی احادیث ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے، ایک اور متفق علیہ حدیث نیچے درج کی جاتی ہے۔

"حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُم المؤمنین اُمِ سلمہؓ کے گھر میں ایک ہی کپڑا استعمال کر کے باندھے ہوئے اور اس کپڑے کی دونوں طرفوں کو دونوں کندھوں پر رکھتے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ (صحیحین)

(مطلب یہ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے اس طرح کپڑا لیے ہوئے تھے کہ سارا جسمِ مبارک ڈھکا ہوا تھا اور کپڑے کا داہنا کونا بائیں کندھے پر اور بایاں داہنے پر ڈالے ہوئے تھے۔)

حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ کے رواۃِ حدیث میں حضرت سعیدؓ بن مسیّب، حضرت ابو امامہؓ بن سہلؓ بن حنیف اور حضرت عروہ بن زبیرؓ شامل ہیں۔

حضرت عمروؓ بن اُمیّہ اَسدی قرشی

قریش کی شاخ بنی اَسد بن عبد العزّیٰ کے فرزندِ سعید تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:
عمروؓ بن اُمیّہ بن حارث بن اَسد بن عبد العُزّیٰ بن قُصیّ بن کلاب قرشی اَسدی۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حواریٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔

حضرت عمروؓ کی والدہ کا نام زینب بنتِ خالد تھا اور وہ بنو تمیم سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت عمروؓ بن امیہ بعثتِ نبوی کے ابتدائی سالوں کے اندر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور یہ شرف حاصل کرنے والے دوسرے اصحاب کی طرح وہ بھی کفار کے قہر و غضب کا نشانہ بن گئے۔ ۶ھ بعدِ بعثت میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایماء پر مظلوم مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ حبش کی طرف روانہ ہوا تو وہ بھی اس قافلے میں شامل ہو کر مکے سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے حبش ہی میں کسی وقت وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کر سکتیں تو ضرور صدقہ خیرات کرتی تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ خیرات کروں تو اس کو ثواب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہوگا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اوس انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان زعورا بن جشم کے چشم و چراغ تھے۔ زعورا، عبدالاشہل کا بھائی تھا۔ عبدالاشہل کی اولاد "بنو عبدالاشہل" کو اوس کا معزز ترین خاندان سمجھا جاتا ہے اور زعورا کی اولاد کو بھی بعض اوقات بنو عبدالاشہل میں شمار کر لیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرو بن اوس بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعورا بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

حضرت عمرو بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دو بھائیوں مالکؓ اور حارثؓ کے ساتھ غزوۂ اُحد سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر تینوں نے غزوۂ اُحد سے لے کر غزوۂ تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی تینوں بھائی برابر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہے اور تینوں رتبۂ شہادت پر فائز ہو کر جنت الفردوس میں پہنچے۔ حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ اجنادین (جمادی الاولیٰ ۱۳ھ) میں جامِ شہادت پیا۔

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ فاروقی میں اس لشکر میں شامل ہو گئے جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبید ثقفی کی قیادت میں عراق عرب روانہ کیا۔ وہ معرکۂ جسر (۱۴ ہجری) میں سینکڑوں دوسرے مجاہدین کے ساتھ رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت عمروؓ بن حارث فہری

خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی فہر سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
عمروؓ بن حارث بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر
ایک روایت میں ان کا نام عمروؓ بن ابی عمرو بن شداد فہری آیا ہے (اُسد الغابہ)
لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام ابن اسحاقؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ نے ان کا نام عمرو بن حارث
بن زہیر بن ابی شداد بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ ان کی کنیت ابونافع تھی۔
دعوت توحید کے ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور یوں
"السابقون الاولون" کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے۔ وہ بڑا پرآشوب زمانہ
تھا جس شخص کو بھی قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوتی وہ کفار مکہ کے قہر و
غضب کا نشانہ بن جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی
یہی حال ہوا مگر ان کے پاؤں جادۂ حق سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ڈگمگائے۔ ابن ہشامؒ
کا بیان ہے کہ وہ ۵ سنہ بعد بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر مکہ سے
ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے وہ حبش سے مکہ واپس آگئے اور
پھر اذن ہجرت ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔
ابن اسحاقؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن حارث فہری غزوۂ بدر الکبریٰ
(رمضان ۲ ہجری) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ ایک روایت کے مطابق
اس وقت ان کی عمر تینتیس برس کی تھی ——— غزوۂ بدر کے بعد حضرت عمروؓ بن حارث
کے حالات زندگی کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے اور اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ (اسد الغابہ بحوالہ واقدی)
دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے ۳۶ ہجری میں (بعہد خلافت حضرت علیؓ) طبعی
طور پر وفات پائی۔ (اسد الغابہ بحوالہ مستغفری)

حضرت عمروؓ بن حارث مُصطلقی

بنوخزاعہ کی شاخ بنی مُصطلق میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عمروؓ بن حارث بن ابی ضرار بن عائذ بن مالک بن خزیمہ (مصطلق) بن سعد بن کعب بن عمرو خزاعی۔
(ایک روایت میں ابی ضرار کو حبیب بن عائذ کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم)
حضرت عمروؓ غزوۂ بنی المُصطلق (شعبان ۶ھ) کے بعد مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی بہن تھیں[1]۔ اربابِ سِیَر نے ان کے حالاتِ زندگی بیان نہیں کیے اور نہ سالِ وفات ہی

---

[1] حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد بنو مصطلق کے سردار تھے انہوں نے قریش کے اشارے پر اپنے قبیلے کو مدینہ پر حملے کے لیے تیار کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ شعبان ۶ھ میں مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ بنو مصطلق کے علاقے میں تشریف لائے۔ مصطلقیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ مسلمانوں نے ان کے چھ سو افراد قیدی بنا لیے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ وہ حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کے حصے میں آئیں مگر حضورؐ نے ان کی خواہش پر حضرت ثابتؓ کو ۱۹ اوقیہ سونا دے کر انہیں لے لیا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا اصل نام برّہ تھا۔ حضورؐ نے بدل کر جویریہ رکھا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد بہت سا مال و اسباب لے کر بیٹی کی رہائی کے لیے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی لونڈی نہیں بنائی گئیں بلکہ حرمِ نبوی میں داخل کر لی گئی ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے دو بیٹوں سمیت مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادت سے بےحد شغف تھا۔۔۔ اکثر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ انہوں نے ۶۵ سال کی عمر میں ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ رُواۃ میں حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔

تحریر کیا ہے۔ مختلف روایات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے رہتے تھے نیز یہ کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے عہدِ خلافت میں حیات تھے اور جب کوفہ آباد ہوا تو انہوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ قرآن کو اس طرح پڑھے جس طرح کہ وہ نازل ہوا تو اس کو چاہیے کہ (عبداللہ) ابنِ مسعودؓ کے لہجہ میں پڑھے۔ (اُسد الغابہ بحوالہ ابو موسیٰؒ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ کوئی درہم، نہ کوئی کونڈی چھوڑی اور نہ کوئی غلام اور نہ کوئی اور چیز سوا ایک سفید خچر، کچھ ہتھیاروں اور ایک زمین کے جو صدقہ تھی۔ (اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کو لکھا۔ "خط کے جواب میں آپ مجھے کوئی جامع وصیت فرمائیں۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں سلام کے بعد لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ فرماتے تھے "جس شخص نے اللہ کی رضاجوئی کی، خواہ لوگ ناراض ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی پیدا کی ہوئی مشکلات و مصائب میں اس کی مدد کا ذمہ لیتا ہے اور جس نے انسانوں کی خوشنودی پیشِ نظر رکھی خواہ اللہ تعالیٰ ناراض ہی کیوں نہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔" (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب ظلم ۴۳۵)

حضرت عمرو رضؓ بن الحمق خزاعی

خاندانی تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمروؓ بن حمق بن کاہن بن حبیب بن عمرو بن قین بن رزاح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

حضرت عمروؓ بن حمق کے قبولِ اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) کے چند دن بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے۔ یہاں وہ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپؐ سے احادیث حفظ کیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع (۱۰ھ ہجری) میں یا حجۃ الوداع کے سال اسلام لائے۔ جمہور اہلِ سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمروؓ بن حمق نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلایا تو آپؐ نے خوش ہو کر ان کو یہ دعا دی:

"یا اللہ! اس کے شباب کو ہمیشہ قائم رکھ (یا یہ کہ ان کو اپنے شباب کا پھل کھانے والا بنا)۔"

اس دعا کا یہ اثر تھا کہ اسی ۸۰ برس کی عمر کو پہنچ گئے مگر ان کی ڈاڑھی کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔

عہدِ رسالت سے لے کر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت تک حضرت عمروؓ کے حالاتِ زندگی کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ مختلف روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑے بہادر اور جنگجو آدمی تھے اس لیے قیاسِ غالب ہے کہ انہوں نے شام، ایران یا مصر کے جہاد میں ضرور حصہ لیا ہوگا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت

میں ان کا قیام مصر میں تھا۔ وہیں جب امیر المومنینؓ کے خلاف مفسدانہ تحریک چلی (یہاں اس تحریک کے عوامل اور ابن سبا کی ریشہ دوانیوں کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں) تو بعض دوسرے صحابہؓ کی طرح حضرت عمروؓ بھی اس تحریک سے متاثر ہو گئے۔ امیر المومنینؓ کے عہدِ خلافت کے اواخر میں مصر سے جو لشکر اپنے مطالبات منوانے کے لیے مدینہ منورہ آیا، اس میں حضرت عمروؓ بن حمق بھی شامل تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جن چار یا پانچ آدمیوں نے کاشانۂ خلافت پر حملہ کر کے امیر المؤمنینؓ کو شہید کیا ان میں سے ایک عمروؓ بن حمق تھے۔ لیکن علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق میں کسی صاحبِ رسولؐ کی شرکت ثابت نہیں، چنانچہ مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلیؒ[1] اپنی کتاب "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان قتل امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ من اکبر الکبائر فانہ امام حق، وقد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مولانا عبدالعلی بحر العلوم کا شمار برِ کوچک پاک و ہند کے سرآمدِ روزگار علماء میں ہوتا ہے۔ وہ مُلّا نظام الدینؒ فرنگی محلی (بانی درسِ نظامی) کے فرزندِ رشید تھے۔ ۱۱۴۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ کتبِ درسیہ اپنے والدِ گرامی سے پڑھیں اور ہشتادہ سال کی عمر میں تحصیلِ علوم سے فارغ ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد مُلّا کمال الدینؒ سے بھی استفادہ کیا اور پھر لکھنؤ میں مسندِ درس و تدریس بچھائی لیکن ایک مذہبی جھگڑے کی وجہ سے لکھنؤ سے شاہجہانپور منتقل ہو گئے جہاں حافظ رحمت خانؒ کی حکومت تھی۔ انہوں نے مولاناؒ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ دو سال بعد حافظ رحمت خاں نے شہادت پائی تو نواب فیض اللہ خان رئیسِ رام پور انہیں رامپور لے گئے لیکن وہ مولانا کے تلامذہ کی کفالت بطریقِ احسن نہ کر سکے اس لیے مولاناؒ بوہار چلے گئے جہاں منشی صدر الدین خان نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ منشی صاحب موصوف نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بأنہ یقتل مظلومًا وقد افنی عمرہ فی طاعۃ اللہ تعالیٰ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم ولم یدخل احد من الصحابۃ رضوان اللہ علیہم فی قتلہ رضی اللہ عنہ ولم یرض بہ احد منہم ایضًا بل جماعۃ من الفساق اجتمعوا کاللصوص وفعلوا ما فعلوا، وانکر الصحابۃ کلہم کما ورد فی الاخبار الصحاح، فالداخلون فی القتل او الراضون بہ فاسقون البتۃ لکن لم یکن فیہم واحد من الصحابۃ کما صرح بہ غیر واحد من اہل الحدیث۔"

(ص ۲۹ طبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۲ھ) (آکابر صحابہؓ پر بہتان" از مولانا عبدالرشید نعمانیؒ ماخوذ)

(ترجمہ) معلوم ہونا چاہیے کہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ آپ امام (خلیفہ) برحق تھے اور رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وعلیٰ آلہٖ واَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ یہ مظلوم قتل کیے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مولاناؒ کی چار سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کر دی اور ان کے تمام شاگردوں کے وظائف بھی مقرر کر دیئے۔ مولاناؒ نے ایک مدت تک وہاں سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا۔ پھر چند مفتریوں نے مولانا اور منشی صدرالدین خان کے درمیان شکر رنجی پیدا کر دی۔ مولاناؒ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر مدراس چلے گئے جہاں نواب والاجاہ محمد علی خان والیٔ ارکاٹ کی حکومت تھی اس نے مولاناؒ کی والہانہ پذیرائی کی۔ ان کے لیے ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مولانا کی بیش قرار تنخواہ مقرر کی۔ ساتھ ہی طلباء کے وظائف مقرر کیے۔ مولانا نے باقی زندگی یہیں درس و تدریس میں گزاری اور ۱۲۲۵ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انہوں نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔

(حکمائے اسلام از سید سلیمان ندوی)

کی اطاعت میں گزاری۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تو ان کے قتل میں شریک تھا اور نہ ان کے قتل ہو جانے پر راضی۔ بلکہ فاسقوں کی ایک ٹولی نے چوروں کی طرح جمع ہو کر جو کرنا تھا کر ڈالا۔ سارے صحابہ نے جیسا کہ صحیح روایات میں آتا ہے، اس فعل شنیع پر نکیر کی پس جو لوگ بھی آپ کے قتل میں شریک ہوئے یا اس پر راضی ہوئے وہ سب یقیناً فاسق ہیں لیکن (یاد رہے) ان قاتلوں میں جیسا کہ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے، صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی شریک نہ تھا۔"

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓو بن حمق نے کوفہ میں اقامت اختیار کر لی اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرجوش حامیوں میں شامل ہو گئے۔ اگر یوں کہا جائے کہ وہ ان اصحاب میں سے تھے جنہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست و بازو کہا جا سکتا ہے تو غلط نہ ہو گا[1] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سے جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں حضرت عمرؓو بن حمق نے علم مرتضوی کے نیچے سرفروشانہ حصہ لیا۔ جنگ جمل میں وہ اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ ان کی تلوار کی دھار مڑ گئی۔ جنگ صفین

---

[1] حضرت عمرؓو بن حمق کا سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب خاص میں سے ہونا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓو کا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں شریک ہونا محقق نہیں تھا ورنہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنے اصحاب خاص میں ہرگز شامل نہ کرتے کیونکہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر سخت نکیر کی تھی۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمرؓو، سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین میں سے تھے۔

میں شروع سے آخیر تک بے جگری سے لڑے۔ ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بنو خزاعہ کے دستے کا افسر مقرر کیا۔ تحکیم کے حق میں نہیں تھے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوجوہ اسے منظور کر لیا تو وہ خاموش ہو گئے اور معاہدۂ تحکیم پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بحیثیت گواہ دستخط کیے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بھی حضرت عمروؓ بن حمق بنوامیہ کی مخالفت کرتے رہے اور حضرت علیؓ کے مشہور حامی حضرت حجرؓ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو گئے۔ زیاد کی امارت عراق کے زمانے میں جب بنوامیہ کے مخالفین کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو حضرت عمروؓ بن حمق کوفے سے موصل چلے گئے اور قریب کے ایک غار میں چھپ گئے۔ وہاں انہیں ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا اور وہ اسی غار میں فوت ہو گئے۔ ادھر حکومت کے آدمی ان کو برابر تلاش کر رہے تھے۔ تلاش کرتے کرتے وہ اس غار تک پہنچ گئے۔ انہوں نے حضرت عمروؓ کی لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس نے اس سر کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ الاستیعاب و البدایہ والنہایہ وغیرہ)

کہا جاتا ہے کہ کسی مسلمان کا سب سے پہلا سر جو کاٹ کر بھیجا گیا وہ عمروؓ بن حمق کا سر تھا۔ ساتھ ہی ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حکم صرف اس قدر تھا کہ عمروؓ بن حمق کو گرفتار کر کے ان کے پاس بھیجا جائے۔ انہوں نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ان کا سر کاٹ کر ان کے پاس بھیجا جائے۔ عمال حکومت نے محض اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے ان کا سر کاٹ کر بھیج دیا (شاید ان کو یہ خدشہ تھا کہ امیر معاویہؓ کو عمروؓ بن حمق کی موت کا یقین نہ آئے گا، اس لیے انہوں نے ان کا سر کاٹ کر بھیجنا مناسب سمجھا۔)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمروؓ بن حمق کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ

وہ اس قدر بیمار ہو گئے تھے کہ ہلنے جلنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ رفاعہ بن شداد بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓو نے ان سے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ تم بھی میرے ساتھ گرفتار ہو جاؤ (غالباً انہوں نے حضرت عمرؓو کے مشورے پر عمل کیا) اسی اثناء میں حکومت کے آدمی پہنچ گئے اور حضرت عمرؓو کا سر کاٹ کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ (اُسدُالغابہ)

بہر صورت جب حضرت عمرؓو بن حمِق کا سر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے ان کی بیوی آمنہ بنت شرید کے پاس بھیج دیا۔ سر لے جانے والوں نے اسے ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا۔ (ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کی اہلیہ کو بھیجنے سے پہلے اس سر کو دمشق میں عوام کے سامنے پھرایا گیا)۔ آمنہ نے اپنے شوہر کے سر کو دیکھا تو وہ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئیں۔ انہوں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور چہرے پر بوسہ دیا۔ پھر بولیں، تم لوگوں نے اس (ہمدم رفیق) کو مجھ سے بہت دنوں تک جدا رکھا۔ پھر اب تم نے ان کا سر میرے پاس تحفہ میں بھیجا۔ کیا عمدہ تحفہ ہے جو کسی طرح واپس نہیں کیا جا سکتا۔ (اُسدُالغابہ)

یہ واقعہ سنہ ۵۰ ہجری کا ہے۔

ابن اثیرؒ نے "اُسدُالغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓو بن حمِق کی قبر موصل میں مشہور ہے۔ ان کے عقیدت مند اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اس پر ایک بڑا قبہ بنا ہوا ہے جسے امیر سیف الدولہ اور امیر ناصر الدولہ کے چچا زاد بھائی ابو عبداللہ سعید بن حمدان نے سنہ ۳۳۶ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے کی تعمیر کے باعث سنیوں اور شیعوں میں فتنہ بھی برپا ہوا تھا۔

ابو حنیفہ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓو بن حمِق کوفہ کے عابد اور زاہد لوگوں میں سے تھے۔

حضرت عمرؓو بن حمِق سے چند احادیث مروی ہیں جو مسندِ احمد حنبل، سُنَنِ ابنِ ماجہ

سُنن نسائی اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ جبیر بن نفیرؒ اور رفاعہ بن شدادؒ نے ان سے روایت کی ہے۔

اوپر حضرت عمروؓ بن حمق کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلانے اور آپؐ سے دُعا لینے کا جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ خود حضرت عمروؓ سے مروی ہے۔

ان سے مروی ایک اور مشہور حدیث یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن کسی مومن کو اپنی جان کا امین بنائے اور وہ اس کو قتل کر دے تو میں اس قاتل سے بری ہوں۔ (یعنی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے)"

حدیثِ نبوی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب کسی قوم کے اندر غلّی اور قومی امانتوں میں خیانت کی عادت راہ پا جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے جرأت چھین لیتا ہے اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے تو اس قوم کی نسل ختم ہونے لگ جاتی ہے اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگ جائے تو اس سے خوشحالی رخصت ہو جاتی ہے اور جس قوم میں حق کے خلاف فیصلے ہونے لگ جائیں تو اس میں کشت و خون راہ پا جاتا ہے اور جب کوئی قوم بدعہد ہو جائے تو اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے"

(رواہ مالک مشکوٰۃ باب تغیر الناس ص۴۵۹)

حضرت عمروؓ بن سالم خزاعی

ان کا خاندانی تعلق بنو خُزاعہ کی شاخ بنی ملیح بن عمرو بن ربیعہ سے تھا۔ اکثر مورخین کے نزدیک بنو خزاعہ قحطانی (کہلانی) قبیلہ تھا جو قوم سبا کے ایک شخص عمرو بن عامر (ماء السماء) کی اولاد سے تھا۔ وہ ۲۵۰ء یا ۲۵۱ء میں سدِ مارب کے ٹوٹنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر یمن سے شمال کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ بنو خزاعہ نے حجاز کے پہاڑوں اور بحرِ احمر کے ساحل کے درمیان اُس طویل میدانی علاقے میں سکونت اختیار کی جو تہامہ کہلاتا ہے۔ اس قبیلے کی جس شاخ سے حضرت عمروؓ بن سالم کا تعلق تھا وہ مکہ کے قرب و جوار میں آباد تھی۔ بعض جدید سیرت نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ خُزاعہ، اسمٰعیلی (عدنانی) قبیلہ تھا۔ (واللہ اعلم) بہرصورت یہ ایک بہت بڑا قبیلہ تھا اور اس کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اس کا پڑاؤ اتنا بڑا ہوتا تھا جتنا حج کے زمانے میں پورے منیٰ کی آبادی۔

کُتُبِ رجال میں حضرت عمروؓ بن سالم کا نسب نامہ صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے:—

عمروؓ بن سالم بن حضیرہ بن سالم خزاعی

ایک روایت میں حضرت عمروؓ کے دادا کا نام کلثوم بتایا گیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت عمروؓ بن سالم اپنے قبیلے کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اربابِ سِیَر نے ان کی زندگی کے کچھ زیادہ حالات تو بیان نہیں کیے، البتہ فتح مکہ کے سلسلے میں اُن کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریشِ مکہ کے مابین "صلحنامۂ حدیبیہ" معرضِ تحریر میں آیا۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی

کہ جو قبیلہ (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) مسلمانوں کا حلیف ہوگا، قریشِ مکہ اور ان کے حلیف اس کو مسلمانوں کے برابر ہی سمجھیں گے اور اس پر کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔
اسی طرح جو قبیلہ قریشِ مکہ کا حلیف ہوگا، مسلمان اس کو قریشِ مکہ کے برابر سمجھیں گے اور اس کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔

اس صلحنامے کے بعد بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے اور بنو بکر نے قریش سے۔ مگر ابھی اس معاہدے پر دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بنو بکر اور مشرکینِ مکہ نے اس شرط کو توڑ ڈالا۔ وہ اس طرح کہ شعبان ۸ھ ہجری میں بنو بکر کی ایک شاخ بنو نفاثہ نے قریش کے بعض جنگجوؤں کی شہ پاکر بنو خزاعہ پر شب خون مارا۔ بنو خزاعہ کی یہ شاخ وادیٔ مکہ کے اسفل میں وتیر نامی ایک چشمے کے قریب آباد تھی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بنو بکر اس طرح عہد شکنی کریں گے۔ وہ لوگ اطمینان سے سوئے پڑے تھے، اور کچھ ان میں سے عبادت میں مشغول تھے کہ بنو بکر ان پر آ پڑے اور ان کے بیس آدمیوں کو آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی لوگ افراتفری کے عالم میں وہاں سے بھاگے مگر بنو بکر کی ایک دوسری شاخ بنو الدیل نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس کام میں مشرکینِ قریش کے بعض آدمیوں نے بھی چہروں پر نقاب ڈال کر ان کی مدد کی۔ بنو خزاعہ کے لوگوں نے حرم شریف میں پناہ لی مگر بنو بکر نے وہاں بھی ان کو نہ چھوڑا۔ اس طرح یہ ظالم نہ صرف عہد شکنی کے مرتکب ہوئے بلکہ انہوں نے حرم شریف کی حرمت کو بھی پامال کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بنو خزاعہ نے حرم شریف میں پناہ لی تو بنو بکر کے بعض آدمیوں نے اپنے سردار سے کہا کہ یہ حرم کی سرزمین ہے یہاں قتل و غارت سے باز رہو۔ مگر سردار نے جوشِ انتقام میں ان سے کہا:

"اے بنو بکر تم حرم میں چوریاں کر سکتے ہو تو خون کیوں نہیں بہا سکتے، اپنے دیرینہ دشمن سے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع ہے اسے مت گنواؤ۔"

چنانچہ بنو بکر نے بے دریغ بنو خزاعہ کا خون بہایا۔
اس سانحہ کے بعد بنو خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا اور حضرت عمروؓ بن سالم کو اپنا قائد بنایا۔ وہ یہ وفد ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ وفد سیدھا مسجدِ نبویؐ میں پہنچا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسمِ گرامی لے کر دہائی دینی شروع کر دی۔ حضرت عمروؓ بن سالم نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم آپ کے ذمہ میں ہیں۔ آپ کا حلیف ہونے کی ہمیں یہ سزا دی گئی کہ ہمارا خون گلی کوچوں میں پانی کی طرح بہایا گیا یہاں تک کہ حرمِ کعبہ میں بھی ہمیں امان نہ دی گئی حالانکہ ہم نے کوئی قصور نہیں کیا تھا۔"

اس کے بعد انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا اور پھر اپنے موزوں کیے ہوئے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا:

"کچھ غم نہیں میں محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو قسم دلاؤں گا،
اپنے اور ان کے باپ دادا کی۔
اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپ ہمارے بیٹے باپ کی طرح ہیں اور ہم آپ کی اولاد کی مثل ہیں۔
ہم اسلام لائے اور (آپ کی بیعت سے) دست کشی نہیں کی،
یا رسول اللہ! ہماری مدد فرمائیں اور اللہ کے دوسرے بندوں کو ہماری مدد کے لیے بلائیں۔
(گویا) آپ ایک زبردست فوج کے قلب میں موجود ہیں جو سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی چلتی ہے۔
بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ سے کیا ہوا پکا معاہدہ توڑ ڈالا۔ کافروں نے ہمیں پریشانی اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو اپنی مدد کے لیے نہ بلا سکیں گے حالانکہ وہ بہت ذلیل و قلیل ہیں۔ انہوں نے ہم کو وتیر میں جا لیا، ہم پر شب خون مارا اور ہم کو رکوع اور سجدے کی حالت میں قتل کیا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو خزاعہ کی فریاد سن کر اشکبار ہو گئے اور ان سے پوچھا، کیا بنو بکر کے تمام قبائل قتل و غارت میں شریک تھے؟

انہوں نے عرض کیا، نہیں صرف بنو نفاثہ اور بنی الدیل شریک تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عمرو بن سالم (اطمینان رکھو) ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ردائے مبارک کھینچتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"اگر میں نے تمہاری ایسی مدد نہ کی جیسی اپنی جان کی کرتا ہوں تو گویا میں نے تمہاری کچھ مدد نہ کی۔"

ایک روایت میں آپؐ کے یہ الفاظ منقول ہوئے ہیں:

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ان کا ایسا ہی دفاع کروں گا جیسا خود اپنی جان اور اپنے اہلِ خانہ کا کرتا ہوں۔"

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بنو خزاعہ کی فریاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہوئے۔ آپؐ نے عمروؓ بن سالم اور ان کے رفقاء کو ہدایت فرمائی کہ تم اب واپس جاؤ اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں منتشر ہو کر چھپ جاؤ۔ آپؐ نے یہ حکم اس لیے دیا کہ آپ ان کی مدد (یعنی مکہ پر چڑھائی) کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔

حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادِ نبوی کی تعمیل کی۔ ان کے جانے کے بعد حضرت بدیل بن ورقاء خزاعی نے بھی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرکینِ قریش و بنی بکر کے مظالم کی لرزہ خیز داستان آپ کو سنائی اور مدد کے

خواستگار ہوئے۔ آپؐ نے ان سے بھی مدد کا وعدہ فرمایا اور پھر مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں آپؐ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ پہنچے تو حضرت عمروؓ بن سالم اور بنو خزاعہ کے دوسرے لوگ بھی پہاڑوں سے نکل کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور پھر آپؐ نے مکہ پر پرچم توحید بلند کر دیا۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی پردہ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ـــــ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا تو تُو نے میری عیادت نہیں کی۔

وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا، تو رب العالمین ہے۔

تو اللہ فرمائے گا: ـــــ

"کیا تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو تُو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے خبر نہ تھی کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو اس کے پاس مجھے پاتا۔" (صحیح مسلم)

حضرت عمروؓ بن طفیلؓ ازدی

حضرت عمروؓ مشہور صحابی حضرت طفیل (ذوالنورؓ) دَوسی کے صاحبزادے تھے۔ قبیلہ دَوس، بنو ازد کی ایک شاخ تھا۔ اس لیے ان کو ازدی بھی کہا جاتا ہے اور دَوسی بھی۔ اس قبیلے کے مساکن تہامہ یمن کے نزدیک "جبال السراۃ" میں واقع تھے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمروؓ بن طفیلؓ بن عمروؓ بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سُلیم بن فہم بن غنم بن دَوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن نصر بن ازد ازدی۔

حضرت طفیل (ذوالنورؓ) بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ دعوتِ توحید کے ابتدائی سالوں میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر وطن واپس جا کر اپنے اہلِ خاندان کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ حضرت عمروؓ بھی والد کی تبلیغ سے اسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

ابنِ اثیرؒ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ غزوۂ خیبر سے پہلے حضرت عمرو بن طفیلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی قوم (بنو دَوس) کے پاس جاؤ اور ان سے مدد طلب کرو۔

حضرت عمروؓ کے دل میں شوقِ جہاد موجزن تھا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! جب لڑائی کا وقت آگیا ہے تو آپ مجھے یہاں سے ہٹا رہے ہیں۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ

رسول اللہ کے رسول (پیغامبر۔ قاصد) بنو۔"

اب حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی خوشی اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شمار عرب کے نامی بہادروں میں ہوتا تھا۔ اور وہ "فارس العرب" کے لقب سے مشہور تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو یکایک سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے مثال عزم و ہمت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں سب سے خوفناک لڑائی مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں پیش آئی۔ حضرت طفیلؓ اور عمروؓ بن طفیلؓ دونوں اس لڑائی میں شریک تھے ــــ حضرت طفیلؓ نے اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ اس لڑائی میں حضرت عمروؓ کا ایک ہاتھ بھی شہید ہو گیا تاہم ان کا جذبۂ جہاد سرد نہ ہوا۔ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو وہ شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور یرموک کی خونیں جنگ میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس لڑائی میں وہ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے۔ ایک نازک موقع پر جب رومیوں نے مسلمانوں پر سخت دباؤ ڈال رکھا تھا وہ قبیلہ ازد کو ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ تلوار چلاتے جاتے اور اپنے قبیلے کو للکارتے جاتے تھے کہ ازدیو دیکھنا تمہاری وجہ سے مسلمانوں پر حرف نہ آئے۔ رومیوں کے تو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ آخر رومیوں نے ان کو نرغے میں لے کر تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا اور وہ جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمروؓ بن عوف مُزَنی

خاندانی تعلق بنو مُزَینہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمروؓ بن عوف بن زید بن ملیحہ بن عمرو بن بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مُضَر۔

کنیت ان کی ابو عبد اللہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں مُشرّف بہ اسلام ہو گئے اس لیے ان کا شمار قدیم الاسلام صحابہ میں کیا جاتا ہے۔

جس زمانے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، حضرت عمروؓ بن عوف بھی اسی زمانے میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[1]

وہ کہتے ہیں کہ ہجرت کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

---

[1] بعض اربابِ سِیَر نے ایک بدری صحابی عمروؓ بن عوف کا ذکر کیا ہے اور انہیں انصاری بتایا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مکہ میں بنی عامر بن لُوَیّ کے حلیف تھے۔ (سہیلؓ بن عمرو عامری کے مولیٰ تھے) ان دو باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے اگر وہ عامر بن لُوَیّ کے حلیف یا سہیلؓ بن عمرو کے مولیٰ تھے تو پھر انصاری کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہمارا خیال ہے کہ یہ عمروؓ بن عوف مُزَنی ہیں جو بنو عامر بن لُوَیّ سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ بعثتِ نبوی کے اوائل میں توحید کی دعوت ان تک اسی صورت میں پہنچ سکتی تھی کہ وہ مکہ میں مقیم ہوں۔ بعد میں وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں اپنا مکان بنا لیا اور ساری عمر وہیں گزاری (شاید اسی لیے ان کو انصاری کہا گیا ہے) یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جن اصحاب نے انہیں انصاری لکھا ہے انہوں نے ان کا نسب نامہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے مدینہ منوّرہ میں اپنا مکان بنالیا تھا اور بنو مزینہ کے یہی ایک صاحب تھے جنہوں نے مدینہ منوّرہ میں اپنا مکان بنایا۔

علامہ ابن سعد کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد حضرت عمرؓو بن عوف سب سے پہلے غزوۂ الوآء (صفر ۲ھ) میں شریک ہوئے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے غزوۂ احزاب (۵ھ) میں شریک ہوئے۔ امام محمد بن اسحاقؒ اور امام بخاریؒ نے شرکائے بدر میں ایک صحابی عمرؓو بن عوف کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہؒ اور ابو معشرؒ نے ان کا نام عمیر بن عوف لکھا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ حضرت عمرؓو بن عوف مُزنی ہی ہیں کیونکہ عمرو، عمیر اور عمر کے ناموں میں بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ایک قدیم الاسلام مہاجر صحابی کا غزوۂ بدر میں شامل ہونا بین ممکن ہے۔

غزوۂ احزاب کے بعد غزوۂ تبوک تک جو غزوات پیش آئے ارباب سیر نے ان میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ان سب یا ان میں سے بعض غزوات میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔ ایک قدیم الاسلام مخلص صحابی کے عہد رسالت کے غزوات سے غیر حاضر رہنے کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔

۹ھ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے تیاری شروع کی اور صحابہ کرام کو بھی اپنا ساز و سامان درست کرنے کا حکم دیا تو بعض نادار صحابہ تعمیل ارشاد سے قاصر رہے۔ نہ ان کے پاس سواری تھی اور نہ وہ زادِ راہ فراہم کرنے کی مقدرت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓو بن عوف بھی ان میں شامل تھے۔ یہ تہی دست صحابہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بیان نہیں کیا۔ قیاس یہی ہے کہ عمرؓو بن عوف مُزنی اور عمرؓو بن عوف انصاری ایک ہی شخصیت ہیں بعض نے عمرؓو بن عوف انصاری بدری کا نام اصحابِ صُفّہ کی فہرست میں بھی دیا ہے۔

یارسول اللہ! ہم سخت تنگدست ہیں اگر آپ ہمارے لیے کچھ انتظام فرما دیں تو ہم جہاد کے شرف سے محروم نہ رہیں گے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں تمہاری ضروریات کو پورا کرنا ممکن نہیں۔ یہ اصحاب مایوسی کے عالم میں روتے ہوئے بارگاہِ رسالت سے واپس گئے۔ یہ رونا دھونا صرف اس لیے تھا کہ راہِ حق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا موقع جاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا جذبۂ فدویت اور خلوص اس قدر پسند آیا کہ اس نے یہ آیت نازل فرما کر ان کو جہاد سے مستثنیٰ فرما دیا۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ۔ (التوبہ آیت ۹۲)

(اور نہ اُن لوگوں پر کوئی الزام ہے جنہوں نے خود آکر (اے نبیؐ) تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے)

غزوۂ تبوک کے بعد عہدِ رسالت کا سب سے اہم واقعہ حجۃ الوداع ہے۔ حضرت عمروؓ بن عوف اس میں بھی ضرور شریک ہوئے ہوں گے لیکن عجیب بات ہے کہ کتبِ سیر اس بارے میں بھی خاموش ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ قدر کے باوجود اہلِ سیر نے ان کے بہت کم حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں۔ عہدِ رسالت سے متعلق دو تین واقعات لکھ دیئے ہیں لیکن خلفائے راشدینؓ کے عہد میں ان کے مشاغل کے بارے میں مطلق کچھ نہیں لکھا۔ وفات کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے

آخر میں مدینہ منوّرہ میں وفات پائی۔ حضرت عمروؓ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دن بلالؓ بن حارث سے مخاطب ہوکر فرمایا، اے بلال جان لو۔

انہوں نے عرض کیا،

یا رسول اللہ! آپ مجھے کس چیز کے جاننے کا حکم دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: اس چیز کو جان لو کہ جو لوگ میری سنتوں میں سے کسی سنّت کو اس کے مٹ جانے کے بعد پھر جاری (قائم) کریں گے۔ تو ان کو اس پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو لوگ دین میں کوئی ایسی بدعتِ ضلالہ رائج کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف ہوگی تو ان کو اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور عمل کرنے والوں کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (ترمذی شریف)

(۲) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:

میں تم پر فقر و ناداری کے آنے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کردی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کردی گئی تھی۔ پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور یکسر دنیا ہی میں غرق ہوکر رہ گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کردے جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دین ملک حجاز کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ کر آجاتا ہے اور ضرور دین (اسلام) حجاز میں اس طرح جگہ پکڑ کر رہے گا جس طرح

پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جگہ بنا کر رہتا ہے۔ بیشک دین کا ظہور اور اس کی ابتداء اجنبی مسافر کی طرح ہوئی اور عنقریب دین پھر اجنبی مسافر کی طرح ہو گا جس طرح کہ اس کی ابتداء ہوئی تھی۔ پس دین کی خاطر اجنبیت اختیار کرنے والوں (غُرَبَاء) کو خوشخبری ہو اور وہ ایسے لوگ ہیں جو میری سُنتوں اور طریقوں کی تجدید کرتے ہیں، جن کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔ (ترمذی شریف)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، میں تم میں دو باتیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان دو باتوں کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ (یہ دو باتیں ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے نبی (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی سُنت۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ۔ لابن عبد البرؒ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے ہیں اُن سب کے حواری اور اصحاب تھے جو اُن کی سُنت (طرزِ زندگی) کو اختیار کرتے تھے اور ان کا حکم بجالاتے تھے۔ ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جن کے قول وفعل میں مطابقت نہیں تھی اور جو ایسے کام کرتے تھے جن کا اُنہیں حکم نہیں دیا گیا تھا پس جو شخص ان سے ہاتھ کے ذریعے مقابلہ کرے وہ بھی مومن ہے اور جو زبان کے ذریعے مقابلہ کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل کے ذریعے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور اس کے علاوہ تو رائی برابر بھی ایمان نہیں۔

(رواہ مسلم مشکوٰۃ باب الاعتصام ص۲۹)

حضرت عمروؓ بن عمیرؓ انصاری

ان کے نام میں سخت اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو عمروؓ بن عمیر، بعض نے عمیر بن عمرو، بعض نے عامر بن عمیر، بعض نے عمارہ بن عمیر اور بعض نے عمرو بن بلال لکھا ہے۔ ابنِ اسحاقؒ نے عمروؓ بن عمیر کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ وہ بیعت عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعد بعثت) میں شریک تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی سلمہ سے تھا اور ان کا سلسلۂ نسب اس طرح تھا:۔

عمروؓ بن عمیر بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ

(واللہ اعلم بالصواب)

ابن کلبی نے بیان کیا ہے کہ یہ مہاجرین سے تھے لیکن دوسرے اربابِ سیر نے اس بیان کی تصدیق نہیں کی۔

علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو لیلیٰ تھی۔ وہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ خُلفائے ثلاثہ کے عہد میں ان کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں جنگِ صفین پیش آئی تو وہ لشکرِ مرتضوی میں شریک تھے۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

حضرت عمرو بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث مروی ہے:

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز تک مجلس میں رونق افروز نہ ہوئے۔ صرف نمازِ فرض کے لیے باہر تشریف لاتے اور نماز پڑھ کر اندر چلے جاتے پس ہم لوگ اس بات سے ڈرے کہ شاید

آپ کو کوئی (ناخوشگوار) بات پیش آئی ہے۔ (چنانچہ) ہم نے آپ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ سوائے بھلائی کے اور کوئی بات پیش نہیں آئی اور وہ بات یہ تھی کہ میرے رب عزّ و جلّ نے مجھ سے میری اُمّت میں سے ستّر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے جنّت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور جب میں نے اپنے ربّ سے اس میں زیادتی چاہی تو میں نے اپنے ربّ کو ماجد اور کریم پایا۔ پھر ستّر ہزار میں سے ہر ایک کے مقابل ستّر ہزار اور مجھ کو دیا (پھر) آپؐ نے فرمایا کہ میں نے (بارگاہِ الٰہی میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اگر میری اُمّت کا شمار اس قدر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو ہم اعراب سے پورا کر دیں گے۔"

(اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اشیاءِ ضرورت کو نہیں روکتا بلکہ وقت پر بازار میں لاتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہے اور اسے اللہ رزق دے گا۔

اور وہ شخص جو احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرتا ہے وہ لعنت کا مستحق ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت عمرؓو بن غنمہ انصاری

خاندانی تعلق خزرج کی شاخ بنی سلمہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
عمرؓو بن غنمہ بن عدی بن نابی (بروایتِ دیگر ہانی) بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی انصاری۔

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر اپنے بھائی حضرت ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] کے ساتھ مکہ جا کر بیعت عقبۂ ثانیہ (کبیرہ) میں شریک ہوئے (۱۳ھ بعدِ بعثت)۔ ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوکر بدری صحابی ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد جو غزوات پیش آئے ان میں حضرت عمرو بن غنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام صرف غزوۂ تبوک کے موقع پر منظرِ عام پر آتا ہے۔ قیاسِ غالب ہے کہ وہ دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

---

[1] حضرت ثعلبہؓ بن غنمہ بھی انصار کے قدیم الاسلام بزرگ ہیں۔ بیعت عقبۂ کبیرہ سے سعادت اندوز ہو کر واپس مدینہ آئے تو اپنے قبیلے کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر اپنے قبیلے کے بت توڑے۔
ہجرتِ نبویؐ کے بعد پہلے غزوۂ بدر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔
۵ ہجری میں غزوۂ خندق میں پیش آیا۔ اس میں بھی شریک تھے اور اسی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر وہ ان رونے والوں میں سے تھے جن کو سواری میسّر نہ آئی اور وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے یہ آیت نازل فرما کر ان اصحاب کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔

(ترجمہ) ان لوگوں پر کچھ گناہ نہیں جو اسے نبیؐ تمہارے پاس آئے تاکہ تم ان کو سواری دو۔ تم نے ان سے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے تو وہ روتے ہوئے لوٹ گئے۔" (سورۂ توبہ آیۃ ۹۲)

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ — ہمارا رب دو آدمیوں کے عمل سے بہت خوش ہوتا ہے ایک وہ جو سردی کے موسم میں اپنے نرم بستر اور لحاف کو چھوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں سے جُدا ہو کر رات کے وقت نماز کو جاتا ہے۔ ہمارا رب اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندے کو! اس نے اپنا بستر اور لحاف چھوڑا اور اپنے بیوی بچوں سے الگ ہو کر نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کو ان نعمتوں کے پانے کی خواہش ہے جو میرے پاس ہیں اور اس کو ڈر ہے اس عذاب کا جو میرے یہاں ہوگا۔

اور دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، مجاہدین کی فوج نے شکست کھائی اور وہ بھاگی اور یہ شخص جانتا ہے کہ میدانِ جہاد سے بھاگنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اور میدانِ جہاد میں جمے رہنے کا کیا بدلہ ملتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے دیکھو میرے اس بندے کو یہ میدانِ جنگ میں دوبارہ واپس ہوا اس لیے کہ اس کو میرے انعام کی خواہش ہے اور وہ میرے عذاب سے ڈرتا ہے دیکھو وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ جان دے دی۔ (مسندِ احمد)

حضرت عمروؓ بن قیس انصاری

خزرج کے معزز ترین خاندان بنی نجار کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

عمروؓ بن قیس بن زید بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان کی کنیت ابو عمر اور ابوالحکم تھی (اُسدُ الغابہ) انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ ان کی شادی مشہور صحابیہ حضرت اُمِّ حرامؓ[1] بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی۔ دونوں میاں بیوی بلکہ ان کے سارے گھرانے کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ اور وہ راہِ حق میں ہر وقت اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

---

[1] حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ حرامؓ بنتِ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار

وہ دُور کے رشتے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں۔ مدینہ منوّرہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ فوراً مُشرّف بہ ایمان ہو گئیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت عمروؓ بن قیس سے ہوا۔ غزوۂ اُحد میں ان کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد ان کا نکاحِ ثانی حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہو گیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت اُمِّ حرامؓ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ۲۸ھ ہجری میں حاکمِ شام امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بحری بیڑہ جزیرہ قبرص (CYPRUS) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عُبادہؓ بن صامت بھی اپنی اہلیہ حضرت اُمِّ حرامؓ کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھے۔ قبرص کی فتح کے بعد جب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے نوجوان فرزند حضرت قیس بن عمروؓ کو ان تین سو تیرہ سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو حق و باطل کے معرکۂ اول غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک ۲ ہجری) میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شریکِ بدر ہونے پر سب کا اتفاق ہے لیکن ان کے فرزند حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔ البتہ اُن کے اُحدی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

۳ ہجری میں معرکۂ اُحد برپا ہوا تو حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے فرزند سعید حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہما بڑے ذوق و شوق سے میدانِ کارزار میں پہنچے اور سربکف ہو کر مشرکین سے نبرد آزما ہو گئے۔ ایک موقع پر مشرکین نے ان کو نرغے میں لے لیا اور ان پر تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ یوں دونوں باپ بیٹے خلعتِ شہادت پہن کر جنت الفردوس میں جا پہنچے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمروؓ بن قیس کو نوفل بن معاویہ دیلی[1] نے شہید کیا حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہیدِ اُحد ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجاہدین واپس ہونے لگے تو حضرت اُمِ حرامؓ اپنی سواری کے جانور سے گر پڑیں اور اسی صدمے سے وفات پائی۔ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ سرزمینِ قبرص ہی کو ان کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا کی اولاد میں تین لڑکوں کے نام ملتے ہیں۔ عمروؓ بن قیس سے قیسؓ (شہیدِ اُحد) اور عبداللہ اور حضرت عبادہؓ بن صامت سے محمدؒ۔ حضرت اُمِ حرامؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ مشہور صحابیہ حضرت اُمِ سُلیمؓ (والدہ حضرت انسؓ بن مالک) حضرت اُمِ حرامؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

[1] یہی نوفل بن معاویہ (بن عروہ بن صخر بن یعمر بن نفاثہ بن عدی بن الدیل) فتح مکہ سے کچھ پہلے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ فتح مکہ میں وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بقول ابن اثیرؒ وہ [illegible] معاویہؓ [illegible] فوت ہوئے۔

حضرت عمروؓ بن محمدؓ بن مسلمہ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عمروؓ بن محمدؓ بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ان کے والد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے[1] حضرت عمروؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ انہوں نے سب سے پہلے فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کی (غالباً اس سے پہلے وہ کسی غزوے میں شریک ہونے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے)۔ اس کے بعد وہ دوسرے غزوات (حنین، طائف اور تبوک) میں بھی شریک ہوئے۔—— سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت ابو عبدالرحمٰن محمدؓ بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔
ہجرتِ نبوی کے بعد بدر، اُحد، خندق اور کئی دوسرے غزوات و سرایا میں شریک ہوئے۔ مشہور دشمنِ اسلام یہودی شاعر کعب بن اشرف کو انہوں نے ہی قتل کیا تھا۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں محکمہ احتساب کا افسر مقرر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ربذہ کی سکونت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جو خانہ جنگی ہوئی اس سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ ۴۳ھ ہجری میں اردن کے رہنے والے ایک بدبخت شامی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ اس وقت وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور عمر کی ۷۷ منزلیں طے کر چکے تھے۔ ان سے ۶ حدیثیں مروی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عُمَیر رضؓ بن اَوس انصاری

قبیلہ اَوس کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :

عمیرؓ بن اوس بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعوراء بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

زعوراء عبدالاشہل کا بھائی تھا۔ عبدالاشہل کی اولاد بنو عبدالاشہل کہلائی۔ یہ انصار کا نہایت معزز قبیلہ تھا۔ سیدالاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔ بعض اوقات زعوراء کی اولاد کو بھی بنو عبدالاشہل میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر قبیلہ اوس کے چار بطنوں کعب (ظفر) حارثہ، زعوراء اور عبدالاشہل کو نبیت کہا جاتا ہے۔

حضرت عمیر بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے یمامہ کی لڑائی میں شہادت پائی۔

ان کے دو بھائیوں حضرت حارثؓ اور حضرت مالکؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ یہ دونوں بھی اُحُد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے تھے۔ حضرت حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ اجنادین میں ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری کو شہید ہوئے اور حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عمیرؓ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔ گویا تینوں بھائیوں نے شہادت کا رتبۂ عظیم حاصل کیا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

—— رضی اللہ تعالیٰ عنہم ——

حضرت عُمیرؓ بن حارث سَلمی انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے گل سرسبد تھے۔ اہلِ سیَر نے ان کا نسب نامہ دو طریقوں سے بیان کیا ہے:

(۱) عمیرؓ بن حارث بن ثعلبہ بن حارث بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

(۲) عمیرؓ بن حارث بن لبدہ بن ثعلبہ بن حارث بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

ہجرتِ نبویؐ سے پانچ سال پہلے اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی خونریز جنگ ہوئی۔ اس میں عمیر بن حارث بھی شریک تھے۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ وہ لڑائی میں قیدیوں کو یکجا کیا کرتے تھے اس لیے لوگ ان کو مُقرِن کہا کرتے تھے۔

حضرت عُمیر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ وہ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے مُشرّف باسلام ہو گئے اور پھر مکّہ جاکر بیعتِ عَقَبۂ ثانیہ (۱۳ سنہ بعد بعثت) میں شریک ہوئے۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ میں دادِ شجاعت دی اور بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اگلے سال غزوۂ اُحُد میں بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ عَلَیْہِ وَسلّم کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ اُحُد کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمیرؓ بن حبیبؓ انصاری

ان کا تعلق اوس کے خاندان بنی خطمہ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے :۔۔۔۔۔۔

عمیرؓ بن حبیبؓ بن خماشہ بن جویبر (یا جویریہ) بن عبد (یا عبید) بن غنان بن عامر بن خطمہ بن جشم بن مالک بن اوس۔

بعض روایتوں میں حضرت عمیرؓ کے دادا کا نام حباشہ، بعض میں عمیر اور بعض میں عمرو آیا ہے لیکن مشہور خماشہ ہی ہے۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت حبیبؓ کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ انہوں نے عہد رسالت میں وفات پائی اور انہیں رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات اور تدفین کی خبر دی گئی تو آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز (جنازہ) پڑھی۔ حضرت حبیبؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے مقام عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عرفات سب موقف ہے سوائے بطن عرنہ کے اور مزدلفہ سب موقف ہے سوائے بطن محسر کے۔

ارباب سیر نے حضرت عمیرؓ بن حبیبؓ کی زندگی کا صرف ایک ہی واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضرت عمیرؓ ذیقعدہ ۶ھ ہجری کے سفر حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور انہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی یعنی وہ اصحاب الشجرہ کی مقدس جماعت کے ایک رکن تھے۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ابو جعفر عمیر بن یزید بن عمیر خطمی سے

روایت ہے کہ میرے دادا نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے وصیت کی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیوقوفوں کے پاس نہ بیٹھا کرو۔ ان کے پاس بیٹھنا ایک مرض ہے جو شخص بیوقوف کی بات پر درگزر کرتا ہے تو وہ اپنی بیوقوفی پر اصرار کرتا ہے۔ جو شخص بے وقوف سے دوستی کرتا ہے وہ پشیمان ہوتا ہے۔ جو شخص بے وقوف کی معمولی بات سے بے زار نہ ہوگا وہ اس کی زیادہ باتوں سے ضرور بیزار ہو جائے گا اور جو شخص خلافِ مزاج بات پر صبر کرے گا وہ اپنی محبوب چیز کو پا جائے گا اور جب تم میں سے کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کو تکلیف سہنے کا عادی بنالے۔ اللہ عزّ وجل کے ثواب پر بھروسا رکھے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ثواب پر بھروسا رکھتا ہے اس کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

بعض روایتوں میں یہ وصیت حضرت حبیبؓ بن خماشہ سے منسوب کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیثِ نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر ایک شخص آکر میرا مال چھیننا چاہے تو میں کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو اپنا مال نہ لینے دے۔ اس نے کہا، اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے؟ آپؐ نے فرمایا، تو بھی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نے کہا، اگر وہ مجھے لڑائی میں قتل کر دے؟ آپؐ نے فرمایا، تو شہید ہو گا۔ اس نے کہا اگر لڑتے لڑتے میں اس کو قتل کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا، وہ جہنم میں جائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمیرؓ بن عامر مازنی انصاری

خزرج کے خاندان مازن بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔ اس خاندان کو بنی خنساء بن مبذول بھی کہا جاتا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:—
عمیرؓ بن عامر بن مالک بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔
ان کی کنیت ابوداؤد تھی۔ بعض نے عمیر کو عمرو کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔

عروہؒ، ابن شہابؒ اور ابن اسحاقؒ سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابوداؤد عمیرؓ بن عامر غزوۂ بدر الکبریٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اُن سے مروی ہے کہ میں نے غزوۂ بدر میں ایک مشرک کا تعاقب کیا لیکن قبل اس کے کہ میری تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کو میرے سوا کسی اور نے قتل کیا ہے۔

مزید حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حاکموں میں سب سے اچھے وہ حاکم ہیں کہ تم لوگ ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے حق میں دعا کرو اور وہ تمہارے حق میں دعا کریں اور تمہارے حاکموں میں سب سے بُرے حاکم وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمیرؓ بن معبد انصاری

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ حافظ ابو موسیٰ اصفہانیؒ کی تحقیق کے مطابق ان کا نام عمیر تھا مگر ابنِ اسحاقؒ کے نزدیک ان کا نام عمرو تھا۔ اہل سیر نے دونوں ناموں کے ساتھ ان کا تذکرہ لکھا ہے مگر وہ دو الگ نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت ہیں۔
ان کا خاندانی تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنی ضبیعہ سے تھا۔
نسب نامہ یہ ہے:

عمیر (عمرو)ؓ بن معبد بن ازعر بن زید بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس ضُبَیعی انصاری۔

انصار کے سابقین اوّلین سے ہیں۔ بڑے مخلص اور پُرجوش مسلمان تھے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ ہجری) میں دادِ شجاعت دی اور یوں اصحاب بدرؓ کی مغفور جماعت کا رکن بننے کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد اُحد، احزاب، فتح مکہ، حنین اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ غزوۂ حنین (۸ ہجری) میں یہ ان سو آدمیوں میں سے ایک تھے جو (دشمن کے تیروں کی شدید بارش میں بھی) ثابت قدم رہے۔
ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپؐ فرماتے تھے: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔

(سُنن ابی داؤد)

حضرت عُمیرؓ بن نیار انصاری

ارباب سِیَر میں سے کسی نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا۔ ابن اثیرؒ نے ان کا نام عمیر بن نیار بیان کیا ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ "بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ابو بردہؓ بن نیار کے بھتیجے ہیں۔" لیکن عمیرؓ اگر نیار کے بیٹے ہیں تو پھر وہ حضرت ابو بردہؓ کے بھائی ہیں۔ حضرت ابو بردہؓ ہانی بن نیار اصلاً قبیلہ بَلی سے تھے اور مدینہ میں اوس کے خاندان بنی حارثہ کے حلیف تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:

ابو بردہ ہانیؓ بن نیار بن عمرو بن عبید بن کلاب بن دہمان بن غنم بن ذبیان بن ہمیم بن کاہل بن ذہل بن بلی [1]

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمیر الانصاری غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خلوصِ قلب سے مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی دس برائیاں مٹا دیتا ہے۔

بقول ابنِ اثیرؒ ان کا شمار اہلِ کوفہ میں ہے۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت ابو بردہؓ ہانی بن نیار کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شریک تھے اس کے بعد تمام غزواتِ نبوی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ خلافتِ مرتضوی میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔
سنہ ۴۱ ہجری میں وفات پائی۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت عنمہؓ بن عدی جُہنی

خاندانی تعلق بنو جُہینہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
عنمہؓ بن عدی بن عبدِ مناف بن کنانہ بن جہمہ بن عدی بن ربعہ بن رشدان جُہنی۔

ابنِ کلبی کا بیان ہے کہ بدر اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام مشاہد میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ لیکن دوسرے اربابِ سِیَر نے ان کا ذکر نہیں کیا اور ان کا ترجمہ لکھنے میں ابنِ کلبی منفرد ہیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ شاید یہ ابوابراہیم عنمہ جُہنی یا ابوابراہیم عثمہ جُہنی ہوں جن کا نسب کسی نے بیان نہیں کیا اور جن سے یہ حدیث مروی ہے:

ایک دن نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (مکان سے) باہر تشریف لائے تو آپؐ کی ایک انصاری سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کے چہرۂ مبارک کی کیفیت دیکھ کر مجھے رنج ہو رہا ہے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تھوڑی دیر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا، اس کی وجہ بھوک ہے۔ (یعنی فاقوں کی وجہ سے میری یہ کیفیت ہے)

یہ سُن کر وہ صاحب اپنے گھر گئے مگر گھر میں کھانا نہ پایا۔ وہاں سے وہ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ایک ڈول پانی کے عوض ایک چھوہارا اجرت ٹھہرا کر مزدوری شروع کر دی، یہاں تک کہ ایک مٹھی چھوہارے جمع ہو گئے۔ وہ یہ چھوہارے لے کر رسول اللہ

صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ چھوہارے پیش کیے۔
نبی صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ تم اللہ اور رسول کو دوست رکھتے ہو۔
انصاری نے عرض کیا، ہاں قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ مجھے اپنی جان اور اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں اور اپنے مال سے زیادہ محبوب ہیں۔
رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ تم کو فقر و فاقہ اور مصیبت کے لیے تیار ہو جانا چاہیے کیونکہ جو شخص مجھے محبوب رکھتا ہے اس کو یہ مصائب اس سے بھی زیادہ تیزی سے پیش آتے ہیں جس تیزی کے ساتھ پانی پہاڑ سے گزرتا ہے۔"
(اُسدُ الغابہ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کی کئی کئی راتیں مسلسل اس حالت میں گزر جاتی تھیں کہ آپؐ اور آپؐ کے گھر والے فاقے سے ہوتے تھے کیونکہ رات کو کھانا نہیں ہوتا تھا اور جب پاتے تھے تو ان کا رات کا کھانا بس جَو کی روٹی ہوتی تھی۔
(جامع ترمذی)

حضرت عیاض رضؓ بن حمار مجاشعی

خاندانی تعلق بنو تمیم کی شاخ بنی مجاشع سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عیاضؓ بن حمار بن ابی حماد بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم تمیمی مجاشعی۔

بعض نے ان کے والد کا نام حماد لکھا ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عیاضؓ بن حمار اپنے زمانۂ جاہلیت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے۔

سُنَنِ ابی داؤد اور جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد حضرت عیاضؓ بن حمار نے ایک دفعہ قدیم تعلقات کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کرنا چاہا (غالباً یہ ایک اونٹنی تھی) آپؐ نے ان سے پوچھا، کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، مجھے مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت عیاضؓ بن حمار مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ اربابِ سِیَر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی صراحت نہیں کی البتہ یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا پیراہنِ مبارک ہدیۃً مرحمت فرمایا۔

قبولِ اسلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صحرائی بستی میں جا کر مقیم ہو گئے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے

کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ جمل کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لے گئے تو ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کریں۔ ان کو تلاش کرایا تو معلوم ہوا کہ وادی السباع میں مقیم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وادی السباع میں جا کر ان سے ملاقات کی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، غالباً بعد میں وادی السباع چلے گئے ہوں گے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ عرب کے بعض لوگوں میں دستور تھا کہ وہ بطور تبرک قریش کے کپڑے پہن کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیراہنِ مبارک موجود تھا۔ وہ اسے پہن کر طواف کیا کرتے تھے۔ (الاستیعاب)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں البتہ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے طویل زندگی پائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حیات تھے۔ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بزرگ صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بلند مرتبہ صحابی خود ان کے پاس چل کر گئے اور ملاقات کی۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے رُواۃِ حدیث میں مطرف بن عبداللہؒ، علاء بن زیادؒ، یزید بن عبداللہؒ، عقبہ بن صہبانؒ، اور حسن بصریؒ شامل ہیں ـــــ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث میں سے ایک یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی کسی کے مقابلے میں فخر کرے۔"

(سُنَنِ ابی داؤد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عُیَیْنہؓ بن حِصْن فزاری

ان کا تعلق قبیلہ غطفان کے ایک بطن بنی ذبیان کی ایک شاخ بنی فزارہ سے تھا۔ یہ سب سے بڑا غطفانی قبیلہ تھا۔ یہ لوگ حجاز کے شمالی حصے میں آباد تھے (بقولِ بعض نجد اور وادی القُرٰی میں رہتے تھے)۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عیینہؓ بن حِصن بن حذیفہ بن بدر بن عمرو بن جویریہ بن لوذان بن ثعلبہ بن عدی بن فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس عیلان۔

ان کی کنیت ابو مالک تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں بڑے جرار اور جنگجو لوگوں میں سے تھے اور دس ہزار آدمیوں پر سردار تھے۔ انہوں نے خالص بدویانہ مزاج پایا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بڑے لاف زن، ڈانگ مار اور اکھڑ سمجھے جاتے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد عُیَیْنہ کو جب کبھی موقع ملتا مسلمانوں کو ستانے سے نہ چوکتے تھے[1]۔ غزوۂ احزاب میں بھی مشرکین اور یہود کے متحدہ لشکر میں شریک تھے۔

---

[1] زمانۂ جاہلیت میں ایک دفعہ (جمادی الاخریٰ ۶ ہجری میں) انہوں نے چالیس سواروں کے ساتھ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اونٹوں کی چراگاہ غابہ پر چھاپہ مارا۔ یہ چراگاہ مدینہ مُنوّرہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر تھی۔ انہوں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نگہبان حضرت ذرؓ بن ابی ذر غفاریؓ کو شہید کر ڈالا اور آپ کی بیس شیر دار اونٹنیاں کو ہانک کر لے چلے۔ اتفاق سے حضرت سلمہؓ بن اکوع اور حضرت رباح مولیٰ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گھوڑے پر سوار وہاں آ نکلے۔ حضرت سلمہؓ بڑے دلاور اور جی دار آدمی تھے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت کے مطابق وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن عام روایات کے مطابق وہ فتح مکہ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور پھر فتح مکہ، حُنین اور طائف کے غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ غزوہ حنین اور طائف کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت عُیینہؓ کو سَو اونٹ مرحمت فرمائے۔

مُحرّم سنہ ۹ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو تمیم مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے ماتحت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

انہوں نے اکیلے ہی ڈاکوؤں کا تعاقب شروع کر دیا اور حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے حضورؐ کو اطلاع دینے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت سلمہؓ نے درختوں کی آڑ لے کر لٹیروں پر تیروں اور پتھروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ وہ اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے (ایک روایت کے مطابق وہ دس اونٹنیاں چھوڑ گئے اور دس ہنکا کر لے گئے) حضرت سلمہؓ نے ساری رات لٹیروں کا تعاقب جاری رکھا۔ چاشت کے وقت ان لٹیروں کی مدد کے لیے کچھ اور غارت گر پہنچ گئے۔ اس اثناء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پانچ سَو (بروایتِ دیگر سات سَو) مجاہدین کے ساتھ غابہ کے قریب "ذو قَرَد" تک آ پہنچے۔ آپؐ کے ہراول دستہ کے سواروں کی لٹیروں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس جھڑپ میں ایک مجاہد حضرت اخرم اسدیؓ شہید ہو گئے اور باختلافِ روایت ایک یا چار لٹیرے مارے گئے اور باقی سب دو گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت سلمہؓ ان گھوڑوں کو ہنکا کر ذو قَرَد پہنچے جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے ("ذو قَرَد" غابہ کے قریب ایک چشمے کا نام تھا) آپؐ نے حضرت سلمہؓ کی کارگزاری پر اظہارِ خوشنودی فرمایا اور ہراول دستہ کے مجاہدوں کی بھی تحسین فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منوّرہ کو مُعاودت فرمائی۔

یہ واقعہ "غزوۂ ذی قَرَد" یا "غزوۂ غابہ" کے نام سے مشہور ہے۔

قبائل کو خراج کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ (رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان منصور پوری)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت عیینہؓ بن حصن کو بنو تمیم کی سرکوبی کا حکم دیا اور انہیں پچاس سوار دے کر "سقیا" کی طرف روانہ فرمایا جہاں یہ لوگ قیام پذیر تھے۔ سُقیا، فرع کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔ اس کے اور فرع کے درمیان جحفہ کی جانب سے سترہ میل کا فاصلہ ہے۔ حضرت عیینہؓ کے دستے میں کوئی مہاجر یا انصاری شامل نہیں تھا۔ وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے ہوئے سقیا پہنچ گئے اور بنو تمیم پر حملہ بول دیا۔ وہ لوگ تاب مقاومت نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عیینہؓ ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر کے لائے جنہیں مدینہ میں حضرت رملہؓ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ ان کے پیچھے بنو تمیم کے رؤسا اور عمائد کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیدیوں کی رہائی کے لیے استدعا کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرما کر تمام قیدی چھوڑ دیئے۔ [1]

---

[1] بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفود میں سے بنو تمیم کے وفد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ وفد سترؐ یا اسّیؐ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ وفد بنو تمیم کے دس سرداروں پر مشتمل تھا۔ ان دونوں روایتوں کی تطبیق یوں کی جا سکتی ہے کہ وفد کے ارکان کی مجموعی تعداد تو ستر یا اسّی تھی لیکن ان میں سربرآوردہ آدمی دس تھے مثلاً اقرع بن حابس، قعقاع بن معبد، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، عطارد بن حاجب وغیرہ۔
جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تھے۔ اہل وفد نے بڑے اکھڑپن سے حضورؐ کے دروازے پر جا کر بے تحاشا آوازیں دینی شروع کر دیں ——— "اے محمدؐ باہر آؤ اور ہماری بات سنو"۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو یہ لوگ آپؐ سے چمٹ کر باتیں کرنے لگے۔ رحمتِ عالمؐ نے کمال تحمل سے ان کی حرکتوں کو برداشت کیا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت عیینہؓ نے خالص بدویانہ مزاج پایا تھا اور بقول ابن اثیرؒ بدوی لوگ جیسے غیر مہذب اور ناتعلیم یافتہ ہوتے ہیں، ویسے ہی یہ بھی تھے۔ ارباب سیر نے ان کے اکھڑ پن کے کئی واقعات بیان کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ اجازت لیے بغیر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خانۂ اقدس میں داخل ہو گئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا، تم نے اجازت کیوں نہیں طلب کی؟ انہوں نے کہا کہ میں نے قبیلہ مُضر کے کسی شخص سے کبھی اجازت طلب نہیں کی۔ یہ روایت ابن اثیرؒ کی ہے (اُسُدُ الغابہ) حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مفاخرت (مقابلے) کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں فخاری کے لیے مبعوث نہیں ہوا لیکن جب انہوں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو آپؐ نے اسے مان لیا پہلے ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے تقریر کی۔ اس کا جواب آنحضورؐ کے حکم پر حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ نے دیا پھر بنو تمیم نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے بڑھایا۔ ان کے اشعار کا جواب حضرت حسانؓ بن ثابت نے دیا۔ یہ مقابلہ ہو چکا تو اقرع بن حابس پکار اٹھے کہ آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور چند دن مدینہ منورہ میں قیام کر کے قرآن اور احکام دین کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی استدعا پر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے نہ صرف ان کے قیدی اور لوٹا ہوا مال واپس کرنے کا حکم دیا بلکہ ان کو تحائف سے بھی نوازا۔ یہی وفد تھا جس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(الحجرات آیۃ ۴-۵)

(ترجمہ) اے نبی جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

عُیَینہ نے آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے خانۂ اقدس میں داخل ہو کر اُمّ المُومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا، یہ میری زوجہ عائشہ ہے۔ کہنے لگے، کیا آپ کو اس سے حسین تر بیوی نہیں مل سکتی تھی ؟ حضرت عائشہ سخت ناراض ہوئیں اور پوچھا، یہ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا، یہ ایک احمق ہے جو اپنی قوم کا سردار ہے۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۵۱۳)

اہلِ سِیَر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اس کے بعد رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور نہ اس پر بحث کی ہے کہ یہ روایت جرح و تعدیل کی رو سے کس درجہ کی ہے۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عُیَینہ رضی اللہ عنہ کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا زیادہ موقع نہیں ملا اس لیے ان میں بدویانہ خصائل آخر دم تک باقی رہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں طُلیحہ بن خویلد اسدی نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کر کے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ بدقسمتی سے حضرت عُیَینہ بھی اس کے دامِ فریب میں آ گئے اور اس کے پیروؤں میں شامل ہو گئے۔ خلیفۃ الرسول نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلیحہ کی سرکوبی پر مامور کیا تو وہ بُزاخہ کی طرف بڑھے جہاں طُلَیحہ نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ عُیَینہ بنو فزارہ کے سات سو مرتدین کے ساتھ طلیحہ کے لشکر میں شریک تھے سب سے پہلے وہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابل ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جلد ہی بنو فزارہ کا منہ پھیر دیا۔ اپنے ساتھیوں میں کمزوری کے آثار دیکھ کر عیینہ دوڑتے ہوئے طلیحہ کے پاس گئے جو وحی کے انتظار کے حیلے سے چادر اوڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ عُیَینہ نے اس سے پوچھا جبریل آئے یا نہیں؟

اس نے کہا، نہیں۔

عُیَینہ یہ سُن کر پھر لڑنے چلے گئے۔ جب مسلمانوں کا دباؤ اور بڑھ گیا تو وہ پھر

طلیحہ کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ جبریل آئے یا نہیں؟ اس نے کہا، ابھی تک نہیں آئے۔ عیینہ نے کہا، ہم پر سخت نازک وقت آپڑا ہے۔ آخر جبریل کب تک آئیں گے؟ یہ کہہ کر پھر لڑنے چلے گئے۔ اب مرتدین پر مسلمانوں کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ عُیَیْنہ کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ وہ تیسری مرتبہ دوڑے دوڑے طلیحہ کے پاس گئے اور اس سے پوچھا، اب بھی جبریل آئے یا نہیں؟

طلیحہ نے کہا، ہاں آئے تھے۔

عُیَیْنہ نے پوچھا، کیا وحی لائے؟

طلیحہ نے کہا، یہ وحی لائے ہیں کہ اِنَّ لَکَ رَحًا کَرَحَاهُ وَحَدِیْثًا لَا تَنْسَاءُ (یعنی تیرے پاس بھی اسی قسم کی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہیں بھولے گا۔ بالفاظِ دیگر تمہیں بھی ایسا معرکہ درپیش ہے جیسا مسلمانوں کو، اور اس لڑائی کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔)

عُیَیْنہ یہ سُن کر غضب ناک ہو گئے اور بولے:

"قَدْ عَلِمَ اللّٰہُ سَیَکُوْنُ حَدِیْثًا لَا تَنْسَاءُ"

(بے شک اللہ جان گیا کہ عنقریب ایسی بات ہونے والی ہے جس کو تو کبھی نہیں بھولے گا)

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں آئے اور چلّا کر کہا:

"اے بنی فزارہ، خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔ میں لڑائی سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تم بھی ایسا ہی کرو اور اپنے قبیلے میں واپس آجاؤ"

ان کی آواز سنتے ہی بنی فزارہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ طلیحہ نے پہلے سے بھاگنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا (اس نے بعد میں تائب ہو کر اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور معرکہ نہاوند میں شہادت پائی)۔ طلیحہ کے فرار کے بعد فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آئے ہوئے متعدد قبائل (بنو سُلیم، بنو فزارہ، بنو کعب، بنو ہوازن، بنو اسد اور بنو عامر بن صعصعہ) نے ارتداد سے توبہ

کرلی اور دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے عام لوگوں کو تو معافی دے دی البتہ ان کے چند سرداروں کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ بھیج دیا۔ ان میں عیینہؓ بن حصن بھی تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:

"حضرت خالدؓ بن ولید نے عیینہ بن حصن فزاری کو اس کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھ کر مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ اسی حالت میں جب وہ مدینے میں داخل ہوئے تو لڑکوں اور بچوں نے اپنی انگلیاں انہیں چبھونی شروع کر دیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے، اے خدا کے دشمن تو اسلام سے پھر گیا۔ وہ جواب میں کہتے، خدا کی قسم میں کبھی ایمان نہیں لایا تھا۔ جب وہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ نے ان سے ارتداد سے توبہ کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے توبہ کرلی۔ آپ نے ان کی جان بخشی کر دی اور وہ اپنے اسلام پر بہت اچھی حالت میں رہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶۔ ص ۳۱۸)

اس روایت میں حضرت عیینہؓ سے جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں وہ ناقابلِ فہم ہیں۔ شاید حضرت عیینہؓ کے الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ میں اسلام کو اچھی طرح سمجھ ہی نہیں سکا تھا یا یہ کہ اسلام میرے دل و دماغ میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا (اس لیے میں طلیحہ کے دامِ فریب میں آگیا) —— ورنہ بظاہر تو انہیں شرفِ صحابیت حاصل ہو گیا تھا اور وہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک سریہ کے امیر بنانے کے لائق بھی سمجھے گئے تھے۔

حضرت عیینہؓ کے ایک بھتیجے حضرت حرؓ بن قیس بن حصن تھے۔ ان کو شرفِ صحابیت حاصل تھا[1] وہ حافظِ قرآن اور نہایت نیک آدمی تھے۔ امیر المومنین حضرت

---

[1] حضرت حرؓ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو فزارہ کے چودہ آدمیوں کے اس وفد میں شامل تھے جو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بہت قدردان تھے اور ان کو اپنی مجلس میں بٹھایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عیینہؓ نے ان سے کہا، اے میرے بھتیجے تجھے خلیفہ کے یہاں تقرب حاصل ہے، مجھے بھی ان کے پاس جانے کی اجازت دلا دو۔ حضرت حرؓ ان کے مزاج کی درشتی سے آگاہ تھے اس لیے انہیں امیرالمؤمنینؓ کے پاس لے جانے میں متامل تھے لیکن چچا کے اصرار پر وہ انہیں امیرالمؤمنینؓ (سے اجازت لے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۹ھ ہجری میں اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ حضرت حرؓ وفد کے سب سے کم عمر رکن تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اسلام کا اقرار کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے علاقے کا حال دریافت کیا۔

انہوں نے عرض کیا:۔۔۔۔۔

"یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا ہے۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے کھیت خشک ہو گئے ہیں، مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور ہمارے عیال تباہ ہونے کو ہیں آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں۔"

آپ اسی وقت منبر پر تشریف لے گئے اور یہ دعا مانگی:۔۔۔۔۔

"اے اللہ ہم پر مینہ برسا دے۔ ایسا مینہ جو فریادرسی کرے، سیراب کرے، جلد برسے دیر نہ ہو نفع دے نقصان نہ کرے۔ یہ مینہ رحمت کا سبب ہو اور عذاب کا اور نہ (مکانات کے گرانے اور ڈوبنے کا ہو۔ اے اللہ مینہ برسا دے اور ہمیں دشمنوں پر فتح دے۔"

پس بارش ہوئی اور چھ دن تک جاری رہی پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش رکنے کی دعا کی اور بارش رک گئی۔ بنو فزارہ کے علاقے میں بھی یہی صورتِ حال پیش آئی۔

(طبقات ابنِ سعد۔ اُسد الغابہ)

کر اُن) کے پاس لے گئے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی کہا، اے ابن خطاب! خدا کی قسم تم ہمیں مال نہیں دیتے اور مال کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے چاہا کہ عیینہؓ کو سزا دیں مگر حُرؓ نے عرض کیا:

"اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ - (الانفال آیہ ۱۹۹)

(نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو)

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کو چھوڑ دیا کیونکہ ان کی عادت تھی کہ کتاب اللہ کو سُن کر فوراً رک جایا کرتے تھے۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت عیینہؓ کی ایک بیٹی کا نکاح سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا۔ اس نسبت سے وہ حضرت عثمانؓ کے خسر تھے۔ اُن کے عہد خلافت میں ایک دفعہ حضرت عُیینہؓ نے ان سے بہت سخت کلامی کی۔ انہوں نے فرمایا، اگر آج عمرؓ زندہ ہوتے تو تم ایسی جرأت نہ کر سکتے۔

انہوں نے جواب دیا عمرؓ نے ہمیں اس قدر دیا کہ مالدار کر دیا اور ہمیں خوف دلا کر گناہوں سے بچایا۔ (اُسدُ الغابہ)

ایک دفعہ حضرت عُیینہؓ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کہا کہ میں بزرگوں کی اولاد ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ "یہ کلمہ اگر حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کہتے تو اُن کے حق میں موزوں تھا۔" اس پر حضرت عُیینہؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت عُیینہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ یہ بات ثابت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حیات تھے شاید انہیں کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے کیونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو واقعات پیش آئے۔ ان میں ان کا نام نظر نہیں آتا ———— رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت غُضیف رضؓ بن حارث ثُمالی

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض غطیف بتاتے ہیں اور بعض ابو غطیف، لیکن ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ غضیف ہی صحیح ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ ازدِ شنوأہ کی شاخ بنی ثمالہ سے تھا۔ نسب نامہ کسی نے نہیں لکھا۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے مگر یہ تصریح کسی نے نہیں کی کہ وہ مدینہ مُنوّرہ کب اور کیسے پہنچے۔ ان سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں کمسن تھے مگر خوب ہوشیار تھے۔ قیاس یہ ہے کہ ان کے والد یا اہلِ خاندان انصار کے کسی خاندان سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مدینہ مُنوّرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت غُضیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکپن کا زمانہ مدینہ مُنوّرہ میں گزارا۔ ان کی کنیت ابوا سماء تھی۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو انھوں نے حِمص میں سکونت اختیار کر لی اس لیے ان کا شمار اہلِ حمص میں ہوتا ہے۔ ان سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) جو باتیں میں بھول گیا، بھول گیا مگر یہ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔

(اُسدُ الغابہ)

(۲) میں بچپن میں انصار کے باغوں میں چلا جاتا اور کھجور کے درختوں پہ ڈھیلے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو پکڑ کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے گئے۔

آپؐ نے مجھ سے پوچھا، ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟

میں نے کہا، کھجوریں کھانے کے لیے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا، جو کھجوریں زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارا کرو۔ یہ فرما کر آپؐ نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

(ابوداؤد، کتاب الجہاد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت فاکہؓ بن سکن انصاری

خاندانی تعلق خزرج کی شاخ بنی سلمہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
فاکہؓ بن سکن بن زید بن خنساء بن کعب بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی انصاری۔

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اس کے بعد اُحد خندق وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ ان کو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کمال درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔ ہر وقت آپؐ پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ اکثر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پہرے داری کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی ہدایت کے مطابق نہیں ہو جاتا۔" (مشکوٰۃ)

حضرت فجیع رضؓ بن عبداللہ بکائیؒ

قبیلہ بنی البکاء کے فرزند سعید تھے۔ یہ قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھا۔ یہ لوگ مکہ اور سرحدِ عراق کے راستے پر آباد تھے۔ حضرت فجیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نسب نامہ یہ ہے:

فجیعؓ بن عبداللہ بن جندح بن بکاء بن فجیع بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بکائیؒ۔

حضرت فجیع بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ۹ھ ہجری میں بنو البکاء کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ (غالباً یہ اصحاب حاضری سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔) اس موقع پر حضرت فجیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

"یا رسول اللہ! کیا مردار کا گوشت ہمارے لیے حلال ہے؟"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"تمہاری غذا کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا ___ "ایک قدح (پیالہ) صبح کو اور ایک قدح شام کو" [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"سخت بھوک کی حالت میں (یعنی جب بھوک کی وجہ سے مر جانے کا خطرہ

---

[1] اس روایت میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ کس چیز کا قدح۔ دودھ کا یا کسی اور چیز کا۔

مردار کا گوشت حلال ہے۔"

ارباب سیر کا بیان ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرمان لکھوایا:

• محمد رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی جانب سے الفجیع کے لیے اور اس کے لیے جو اس کی متابعت کرے (اسلام قبول کرے) نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، اللہ اور رسول کی اطاعت کرے، مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے نکالتا رہے اور نبیؐ اور اس کے اصحاب کی مدد کرے، میں اس کے اسلام کی گواہی دیتا ہوں، وہ مشرکین سے الگ ہو جائے اور اپنے اسلام کا اعلان کرے وہ اللہ اور رسول کی امان میں ہے (یا وہ اللہ اور رسول کی امان پر یقین کرے)۔

حضرت فجیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مہمانداری سے متمتع ہوئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو آپ نے انہیں عطیات سے نوازا۔

حضرت فجیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ ابن اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہونے کے بعد عرصہ تک حیات رہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی علاقہ میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم کسی وبا والی جگہ میں ہو تو وہاں سے مت بھاگو۔ (صحیح بخاری)

حضرت فراتؓ بن حیان عجلی

خاندانی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :۔

فراتؓ بن حیان بن ثعلبہ بن عبدالعزیٰ بن حبیب بن حیہ بن ربیعہ بن سعد بن عجل بن نحیم بن سعد بن علی بن بکر بن وائل۔

بکر بن وائل کی نسبت سے ان کو بکری، ربیعہ کے نام کی نسبت سے ربعی اور عجل کے نام کی نسبت سے ان کو عجلی بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مکہ میں بنو سہم کے حلیف تھے۔ حضرت فراتؓ بن حیان عرب کے مختلف راستوں سے کمال درجے کی واقفیت رکھتے تھے۔ اس لیے لوگ ان کو اپنا رہنما (GUIDE) بنایا کرتے تھے۔

جمادی الاخریٰ ۳ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ سے پہلے سریۂ قرَدَہ پیش آیا۔ قرَدَہ نجد کے ایک کنوئیں یا چشمے کا نام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ نجد کے علاقے سے گزر رہا ہے۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو سوار دے کر اس قافلے کے تعاقب کے لیے روانہ کیا۔ فرات بن حیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ قریش کے قافلے کے ساتھ تھے اور ان لوگوں کو راستہ دکھا رہے تھے۔ قرَدَہ کے قریب مسلمانوں کی اس قافلے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اہلِ قافلہ کو شکست فاش ہوئی اور مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ فرات بن حیان بھی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انہیں مدینہ منورہ لا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ خاموش رہے اور ان کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد فرات کو ان کے ایک انصاری حلیف ملے۔ ان سے انہوں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ انصاری صاحب رسول بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! فرات بن حیان کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو ہم ان کے ایمان کے بھروسے پر چھوڑ دیتے ہیں، انہی میں سے فرات بن حیان بھی ہیں۔"

پھر آپؐ نے فراتؓ بن حیان کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ فراتؓ فی الواقع سچے دل سے مسلمان ہو گئے اور برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

(اہل سیر نے یہ صراحت نہیں کی کہ حضرت فراتؓ کو کن کن غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت فراتؓ بن حیان نے جہاد میں حصہ لینے کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم دین بھی حاصل کیا اور بارگاہِ نبوی میں درجۂ تقرب حاصل کر لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عطا فرمائی جس کی آمدنی کئی ہزار روپے تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اواخرِ عہدِ رسالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے حضرت ثمامہؓ بن اثال[1] کے پاس نجد بھیجا تھا۔ (اسد الغابہ)

---

[1] حضرت ابو امامہ ثمامہؓ بن اثال (بن نعمان بن سلمہ بن عتبہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دؤل بن حنیفہ حنفی) یمامہ (نجد) کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ سے چند دن پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ نجد کی طرف بھیجا۔ ثمامہ اس کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انہیں بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے (تیسرے دن کچھ گفتگو کے بعد) انہیں رہا کر دیا۔ اس کے بعد ثمامہؓ مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کے جاں نثاروں میں شامل ہو گئے۔ یمامہ واپس جا کر انہوں نے اہلِ مکہ کو غلے کی ترسیل روک دی۔ اس کے نتیجے میں مکہ میں قحط پڑ گیا۔ مشرکینِ قریش نے مجبور ہو کر حضورؐ کے پاس فریاد کی آپؐ نے ان پر رحم کھا کر حضرت ثمامہؓ کو حکم بھیجا کہ غلہ نہ روکا جائے۔ مسیلمہ کذاب نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۱ھ ہجری میں آفتابِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہوا تو حضرت فرات بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اُن کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

حضرت فرات بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) فرمایا، تم لوگوں کو حنظلہ بن رُبیع[1] جیسے لوگوں کی اقتداء کرنی چاہیے۔ (اُسد الغابہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو حضرت ثمامہؓ نے لوگوں کو اس کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن ان کو چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد وہ حضرت علاءؓ بن حضرمی کے لشکر میں شامل ہو گئے جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحرین کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور فرمایا تھا۔ مرتدین کے خلاف کئی معرکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ مرتدین کے استیصال کے بعد قیس کے ایک آدمی نے اپنے (مرتد) مقتول سردار حطیم کا حُلّہ ان کے بدن پر دیکھ کر انہیں شہید کر دیا۔

[1] حضرت ابو ربعی حنظلہؓ بن رُبیع تمیمی کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ بتایا یہ ہے کہ وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں قادسیہ کی مشہور لڑائی میں بھی شریک تھے۔ اخیر عمر میں قرقیسیا میں اقامت اختیار کر لی تھی، وہیں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان سے آٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بڑے لائق اور فاضل آدمی تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا منشی مقرر فرمایا تھا اور آپؐ کے مراسلات وغیرہ اکثر وہی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ "کاتب" کا لفظ ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ ان کی طہارتِ قلب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو ہم ان کے ایمان کے بھروسے پر چھوڑ دیتے ہیں، فرات بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں میں سے ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور قوت ایمانی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں جنت و دوزخ کا ذکر اس طرح فرمایا کہ جنت و دوزخ کا نقشہ لوگوں کے سامنے قائم ہو گیا۔ حضرت حنظلہؓ بھی مجمع میں موجود تھے ان پر بھی آپؐ کے ارشادات کا بہت اثر ہوا۔ جب گھر گئے تو بیوی بچوں سے ہنسنے بولنے لگے پھر خیال آیا کہ یہ تو منافقت ہے کہ اتنی جلدی حضورؐ کے ارشادات فراموش ہو گئے۔ روتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہا، حنظلہ منافق ہو گیا۔ پھر سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی میں پہنچے۔ حضرت حنظلہؓ نے پہلے آپؐ کے خطبہ سے اپنی اثر پذیری اور پھر گھر جا کر اہل و عیال اور مال و جائداد میں مشغول ہو جانے کا حال عرض کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا، حنظلہ! اگر تم لوگ ہمیشہ اسی حالت پر قائم رہتے جس حالت میں میرے پاس سے اٹھ کر گئے تھے تو فرشتے تمہاری مجلسوں، تمہاری گزرگاہوں اور تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کرتے لیکن اے حنظلہ! ان باتوں کا اثر گھڑی دو گھڑی رہتا ہے۔

(مسند احمد و اسد الغابہ)

حضرت فُویکؓ بن عمرو سُلامانی

ان کے نام کے بارے میں اہلِ سِیَر میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے فدیک لکھا ہے بعض نے فریک اور بعض نے فویک۔ ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا البتہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنو قضاعہ کی ایک شاخ بنی سُلاماں سے تعلق رکھتے تھے۔

علامہ ابن اثیر جزریؒ کا بیان ہے کہ حضرت فویک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی آنکھیں بالکل سفید ہو گئی تھیں اور ان سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: ــــ "یا رسول اللہ! ایک دفعہ میں سانپ کے انڈوں پر گر پڑا اس کا اثر میری آنکھوں پر پڑا اور میری بینائی جاتی رہی۔"

رحمت عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ پڑھ کر ان کی آنکھوں پر پھونکا تو ان میں پوری روشنی آگئی یہاں تک کہ وہ اسّی برس کی عمر میں بھی سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے البتہ ان کی آنکھیں آخر تک ویسے کی ویسی سفید ہی رہیں (بقول ابنِ اثیرؒ یہ حدیث ابنِ ابی شیبہ نے بیان کی ہے)۔

اہلِ سِیَر نے حضرت فویک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بارگاہ رسالت میں حاضری اور قبولِ اسلام کا زمانہ نہیں لکھا اور نہ ان کا سالِ وفات ہی تحریر کیا ہے لیکن ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔

شوّال سنہ ۱۰ ہجری میں بنو سُلاماں کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس کے قائد حبیب سُلامانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔ اکثر روایتوں میں ان کو عمرو سُلامانی کا بیٹا بتایا گیا ہے لیکن بقول ابنِ اثیرؒ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ فدیکؓ بن عمرو کے بیٹے تھے اور فدیکؓ بن عمرو ہی فویکؓ بن عمرو ہیں ـــــ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت قُثَم رضؓ بن عباس رضؓ ہاشمی

قریش کے معزز ترین خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے اور رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے چچا زاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

قُثَمؓ بن عباسؓ بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصیّ

والد عمِّ رسول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نامور صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ والدہ حضرت ام الفضل لبابہؓ بنتِ حارث کا شمار بھی نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ [1]

حضرت قُثَم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عہدِ رسالت میں کم سن تھے اس لیے

---

[1] حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے محبوب چچا تھے۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے ایمان لے آئے تھے لیکن انہوں نے عرصہ تک اپنے ایمان لانے کو مشرکین سے مخفی رکھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ ان کی گرفتاری کا یہی سبب تھا۔ وہ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے۔ فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک اور حجۃ الوداع میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے۔ بارگاہِ نبویؐ میں ان کو بڑا اعزاز حاصل تھا۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے بعد خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی ان کا بے حد اکرام کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان کے توسّل سے بارش کی دعا مانگی تو موسلادھار بارش ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ۳۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت اُمّ الفضل لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد وہ دوسری خاتون تھیں جو شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ فتح مکہ سے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شبیہ تھے اور بعض شعراء نے ان کے اس وصفِ خداداد کے بارے میں اشعار بھی کہے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت قثمؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس محبت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری اولاد اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد بھی شریک تھی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے روایت ہے کہ ایک دن (بچپن میں) میں، عبیداللہ بن عباسؓ اور قثم بن عباسؓ تینوں کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے سواری پر گزرے۔ آپؐ نے (ہمیں دیکھا تو) فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ (آپؐ کا اشارہ میری طرف تھا) چنانچہ آپؐ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھا لیا، پھر آپؐ نے فرمایا، قثمؓ کو لاؤ اور ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کچھ عرصہ پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ سارا خاندانِ نبوت ان کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا۔ حجۃ الوداع سنہ ۱۰ ہجری میں شریک تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت عباسؓ کی سات اولادیں ہوئیں، فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور اُمِ حبیبہؓ۔ یہ ساری اولادیں نہایت قابل تھیں۔ حضرت ام الفضلؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں اپنے شوہر کے سامنے وفات پائی۔ ان سے تیس احادیث مروی ہیں۔

[1] حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شمار اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ حبش میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور والد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مہاجرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جنگِ موتہ میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی (سلہ ہجری) تو آپؐ کے جسدِ اطہر کو غسل دینے میں حضرت قثمؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ وہ غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جسدِ اقدس کو کروٹیں بدلاتے تھے۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ:

"یہ قثمؓ وہ شخص ہیں کہ سب سے آخر میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آپ کی قبرِ اقدس میں جو لوگ اترے تھے ان میں یہ بھی تھے اور یہ سب کے بعد نکلے تھے۔"

بعض روایتوں کے مطابق سب سے آخر میں زیارت کا شرف حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا تھا[1] لیکن حضرت علیؓ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پر غیر معمولی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ جوان ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے ان کی شادی کر دی۔ جود وسخا میں اپنی مثال آپ تھے۔ تاریخ میں ان کی بے مثل فیاضی کے بے شمار واقعات محفوظ ہیں۔ انہوں نے ۸۰ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شمار بھی اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ ہجرتِ نبویؐ سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں یمن کا والی بنایا تھا۔ فضل وکمال کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ نہایت فیاض اور دریا دل تھے۔ زمانۂ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے اس سلسلے میں تین اقوال بیان کیے ہیں۔ ۵۸ھ، ۶۰ھ اور ۶۰ھ اور ۶۴ھ کے درمیان یزید بن معاویہؓ کے عہد کے دوران میں اور ۸۷ھ۔ واللہ اعلم بالصواب

[1] ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک یہ شرف حاصل کرنے والے حضرت قثم رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن اثیرؒ نے ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کیا کہ عہدِ فاروقی میں ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عمرہ کے لیے مکہ گئے وہاں عراق سے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے۔ وہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؓ سے پوچھا، اے ابوالحسن ہم آپ سے ایک بات پوچھنے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ بات آپ ہمیں (واضح اور دو ٹوک انداز میں) بتادیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا، شاید تم سے مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کی آخری زیارت میں سب سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ جب دوسرے اصحاب جسدِ اطہر کو قبرِ انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے دانستہ قبر مبارک میں انگوٹھی گرادی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا، نکال لو۔ چنانچہ وہ قبرِ انور میں اترے اور قدم مبارک کو ہاتھ سے مَس کیا اور لوگوں سے کہا، مٹی گراؤ۔ جب تھوڑی مٹی ڈالی جاچکی تو باہر نکلے۔ انگوٹھی انہوں نے اس لیے گرائی تھی کہ ان کو ذاتِ رسالتمآب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سب سے آخر میں جُدا ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میں تم سب میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے آخر میں جُدا ہونے والا ہوں۔ اس روایت کی حضرت قثمؓ والی روایت سے یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسدِ اطہر کو قبرِ انور میں رکھ کر اور آپؐ کے روئے انور سے کفن مبارک سرکا کر آپؐ کی زیارت کرنے والے سب سے آخری آدمی حضرت قثمؓ تھے۔ ان کے قبرِ انور سے باہر آنے کے بعد انگوٹھی کا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ اس میں حضرت مغیرہؓ نے صرف قدم مبارک کو مس کیا تھا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۲۔ ق ۲۔ ص ۷۷۔ ۷۸)

سابق القدم ہیں۔ ان لوگوں نے کہا، ہم اسی کے متعلق آپ سے پوچھنے آئے ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ فضیلت قثم بن عباس کو حاصل ہوئی۔

بقول حافظ ابن عبدالبرؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس آخری شرف کا سہرا حضرت قثمؓ کے سر باندھا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باختلافِ روایت مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کا گورنر (عامل یا امیر) مقرر کیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت (رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری) تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ۳۹ھ ہجری میں حج کے موقع پر امیر معاویہؓ کے حامیوں اور حضرت علیؓ کے درمیان امارتِ حج کے معاملے میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت قثمؓ (مکہ یا مدینہ کے عامل ہونے کی حیثیت سے) امیر الحج تھے۔ آخر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام امارتِ حج کے لیے تجویز کیا۔ وہ ایک غیر جانبدار آدمی تھے اس لیے دونوں فریق اس تجویز سے متفق ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوشِ جہاد نے بیقرار کر دیا۔ ۵۵ھ ہجری میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے سعیدؓ ترکستان کی مہم پر مامور ہوئے تو حضرت قثم بھی ان کے ساتھ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہ لشکر دریائے جیحوں کو عبور کر کے بخارا کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن تک اہلِ شہر نے زبردست مدافعت کی اور مسلمانوں پر سخت تیر باری کی۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسی لڑائی میں حضرت قثمؓ شہید ہو گئے۔

آخر اہلِ سمرقند نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس شرط پر صلح کر لی کہ سات لاکھ سالانہ

خراج دیں گے اور مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں گے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ترکستان کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت سعیدؓ نے ایک موقع پر حضرت قثمؓ کو (ان کی شہادت سے پہلے) مالِ غنیمت سے ایک ہزار کی رقم دینی چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ مالِ غنیمت سے خمس نکال کر عام مجاہدین میں تقسیم کریں اس کے بعد اگر کچھ بچے تو جو چاہے دے دیجئے گا۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ حضرت قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و فضل کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے تھے اور بڑے پاکباز آدمی تھے۔ ابو اسحٰقؒ نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ ایک دفعہ کسی نے (بقول بعض حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؒ نے) حضرت قثمؓ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں جو تقرب حضرت علیؓ کو تھا وہ حضرت عباسؓ کو نہ تھا۔

انہوں نے جواب دیا، اس لیے کہ علیؓ ہم میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے۔

(تہذیب الکمال)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند کرتا ہے۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا۔ حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔

(مسند احمد)

حضرت قدؓ بن عمار سُلمیٰ

مشہور قبیلہ بنو سُلیم کے چشم و چراغ تھے۔ اہلِ سِیَر نے ان کا پورا شجرۂ نسب نہیں لکھا صرف یہ بیان کیا ہے کہ وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حسنِ ظاہری و حسنِ باطنی دونوں سے نوازا تھا۔ عنفوانِ شباب ہی میں اپنی بہادری اور بلند کرداری کی بدولت اپنے قبیلے میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے کسی ذریعے سے ان تک دعوتِ توحید پہنچی تو وہ فوراً مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام اور حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں بنو سُلیم کے ایک ہزار آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اپنے قبیلے میں واپس جا کر انہوں نے لوگوں کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، کچھ اور سعید الفطرت اصحاب بھی ان کے معاون تھے۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں بنو سُلیم کے بیشتر لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ فتح مکہ سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کو اپنے پاس بلا بھیجا تو حضرت قدؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نو سو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے علاقے سے روانہ ہوئے (ایک سو آدمی انہوں نے اپنے قبیلے میں چھوڑ دیئے) ان کو لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں بیمار ہو گئے اور اپنے نو سو آدمیوں کی سیادت اپنے تین ساتھیوں کے سپرد کر کے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ بنو سُلیم کے یہ تین سردار عباسؓ بن مرداس، اخنسؓ بن یزید اور حیان بن حکم تھے۔ حضرت قدؓ نے ہر ایک کو تین سو آدمیوں کا سردار بنایا تھا۔ جب یہ لوگ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

> "وہ فصیح البیان، صادق الایمان اور خوش رو نوجوان کہاں ہے (جو پہلے میرے پاس آیا تھا)"

لوگوں نے عرض کیا، آپ قدؓ بن عمار کو پوچھتے ہیں اس کا (راستے میں) انتقال ہو گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قدؓ کے لیے دعائے مغفرت کی اور پھر بنو سُلیم کے سرداروں سے پوچھا کہ اور سو آدمی کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، وہ قبیلے میں رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو بھی بلا بھیجو چنانچہ وہ لوگ بھی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گئے۔

حضرت قُرّہؓ بن ایاس مُزَنی

مشہور قبیلہ بنو مُزَینہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

قُرّہؓ بن ایاس بن ہلال بن رباب بن عبید بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن عمرو مُزَنی۔

جمہور اربابِ سِیَر نے ان کے شرفِ صحابیت پر اتفاق کیا ہے۔ البتہ بعض نے لکھا ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں کم سن تھے (یعنی ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہے) ان کے فرزند ابو ایاس معاویہ بن قُرّہؓ سے روایت ہے کہ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس وقت وہ کمسن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور ان کے لیے استغفار کیا۔ (اُسد الغابہ)

خود حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے مہرِ نبوت دکھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا، اپنا ہاتھ (میرے گریبان کے اندر) ڈالو۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ آپؐ کے گریبان مبارک کے اندر ڈالا اور مہرِ نبوت پر ہاتھ پھیرا اور اس کو دیکھا وہ آپؐ کے شانہ پر مثل بیضہ کے تھی۔ میرا ہاتھ آپؐ کے گریبان مبارک کے اندر تھا اور آپؐ میرے لیے دعا مانگ رہے تھے۔ (سُننِ ابی داؤد)

حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں خاصے ہوشیار (باشعور) ہو چکے تھے۔

سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

خلافت کے ابتدائی زمانے میں ازارقہ (خوارج کے ایک فرقے[1]) نے شورش بپا کی تو امیرؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا لشکر عبدالرحمٰن بن عبیس بن کریز عبشمی کی قیادت میں روانہ کیا۔ حضرت قرۃؓ بن ایاس اور ان کے بیٹے معاویہؒ بن قرۃؒ

---

[1] خوارج تقریباً بیس فرقوں میں منقسم تھے۔ ان میں سب سے بڑا اور بااثر فرقہ ازارقہ کا تھا۔ یہ لوگ نافع بن ازرق کے پیرو تھے۔ نافع ان کا امام تھا اور اس کا شمار خوارج کے فقہاء اور زعماء میں ہوتا تھا۔ نافع بن ازرق اور اس کے ساتھی سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ کرامؓ اور مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے۔ ان کے خاص خاص عقائد یہ تھے:

(۱) کوئی خارجی کسی غیر خارجی کے ساتھ یا اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ غیر خارجیوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا یا ان کا ذبیحہ کھانا حرام ہے۔ سب غیر خارجی کافر اور بتوں کے بندے ہیں۔

(۲) بلادِ اسلامیہ دارالحرب ہیں وہاں کے رہنے والوں کا قتل جائز ہے ان میں مرد عورتیں بچے سب شامل ہیں۔

(۳) جو لوگ قدرت کے باوجود ہجرت یا قتال سے گریز کریں وہ کافر ہیں۔

(۴) گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔

(۵) شادی شدہ زانی کے لیے سنگساری کی سزا جائز نہیں بقول ان کے اس سزا کی تائید میں کوئی نصِ قرآنی نہیں۔

(۶) پاکباز مردوں پر تہمت تراشی کی کوئی سزا نہیں البتہ پاکدامن عورتوں پر تہمت تراشی کی سزا دی جائے گی۔

(۷) چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے خواہ اس نے تھوڑا مال چرایا ہو۔

(۸) بدعات کے ارتکاب کرنے والے مسلمان کافر ہو جاتے ہیں۔

(۹) تقیہ کسی حالت میں جائز نہیں ہے نہ قول میں اور نہ فعل میں۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت قُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازارقہ کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کے بیٹے معاویہؒ نے والد کے قاتل کا تعاقب کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ یہ سنہ ۶۴ یا ۶۵ ہجری کا واقعہ ہے۔

بصرہ کے قاضی ایاس بن معاویہؒ جنہوں نے اپنی ذہانت اور قابلیت کی بدولت تاریخ میں بڑی شہرت پائی، حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔

حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث میں سے دو یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، جس وقت اہل شام میں خرابی آجائے اس وقت تم میں خیریت رہے گی۔ میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ فتح یاب ہوتا رہے گا۔ جو شخص ان کی مخالفت کرے گا ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ قیامت تک یہی کیفیت رہے گی۔

(ابوداؤد)

(۲) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نشست فرماتے تو آپؐ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ آپؐ کے پاس بیٹھ جاتے۔ ان بیٹھنے والوں میں ایک صاحب تھے جن کا ایک چھوٹا بچہ تھا وہ بچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپؐ کی پشت کی جانب سے آتا تو آپؐ اس کو اپنے سامنے بٹھا لیتے۔ پھر (قضائے الٰہی سے) وہ بچہ فوت ہو گیا تو بچے کے والد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جو لوگ ازارقہ میں شریک ہونا چاہتے نافع بن ازرق ان کا امتحان اس طرح لیتا کہ جماعت میں شمولیت کے امیدوار سے کہتا کہ (ہمارے مخالف) فلاں شخص کو قتل کر دو۔ اگر وہ اسے قتل کر دیتا تو وہ اسے اپنے گروہ میں شامل کر لیتا، اگر انکار کر دیتا تو اسے منافق اور مشرک قرار دے کر قتل کرا دیتا۔ (تاریخ خوارج عمر ابوالنصر)

اس کے غم میں چند دن تک بارگاہِ رسالت سے غیر حاضر رہے ـــــ تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (لوگوں سے) پوچھا کہ وہ فلاں شخص کیوں نہیں آتا؟ کیا معاملہ ہے؟

لوگوں نے آپؐ کو بتایا کہ ان کا چھوٹا بچہ جسے آپؐ نے دیکھا تھا فوت ہو گیا ہے (شاید اسی کے غم کی وجہ سے وہ نہیں آ رہے) تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان (غم زدہ باپ) سے ملاقات کی اور بچے کے بارے میں پوچھا جب انہوں نے عرض کیا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے، تو آپؐ نے انہیں تسلی دی۔

پھر فرمایا:

"بتاؤ تمہیں کیا چیز پسند ہے، کیا یہ بات پسند ہے کہ وہ بچہ زندہ رہے یا یہ پسند ہے کہ وہ بچہ پہلے جائے اور جنّت کا دروازہ تمہارے لیے کھولے اور جب تم پہنچو تو تمہارا استقبال کرے۔"

انہوں نے عرض کیا، "یا نبیَّ اللہ! مجھے یہی بات پسند ہے کہ وہ مجھ سے پہلے جنّت میں جائے اور میرے لیے جنّت کا دروازہ کھولے۔ یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے۔"

آپؐ نے فرمایا، یہ بچہ اسی لیے تمہاری زندگی میں فوت ہوا کہ وہ تمہارے لیے جنّت کا دروازہ کھولے۔ (نسائی شریف)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دن فرمایا: کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا، اسی طرح صاحبِ دنیا (یعنی دنیادار یا دنیا کا طالب) گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت قُرّہؓ بن ہبیرہ قُشیری عامری

ان کا خاندانی تعلق بنی قُشَیر بن کعب سے تھا۔ یہ قبیلہ، بنو ہوازن کی ایک شاخ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک بطن تھا اور اضلاعِ نجد میں آباد تھا۔ حضرت قُرّہؓ کا نسب نامہ یہ ہے:

قُرّہؓ بن ہبیرہ بن عامر بن سلمۃ الخیر بن قُشَیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ قشیری۔

قُشَیر بن کعب کی نسبت سے انہیں قُشَیری اور عامر بن صعصعہ کی نسبت سے عامری کہا جاتا تھا۔

غزوۂ حُنَین (۸ ہجری) کے بعد بنو قُشَیر کا ایک وَفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضرت قُرّہؓ بن ہبیرہ اس وَفد کے سرداروں میں سے تھے۔ تمام اہلِ وَفد نے قبولِ ایمان اور آنحضورﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر حضرت قُرّہ بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں ہم نے اللہ کے سوا کچھ اور خدا بنا رکھے تھے۔ ان میں سے کچھ خدا مذکر تھے اور کچھ مؤنث۔ ہم ان کو پکارا کرتے تھے مگر وہ جواب نہ دیتے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تھے مگر وہ ہمارا سوال پورا نہ کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تو ہم ان کو چھوڑ کر آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ کی دعوت قبول کر لی۔"

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ آنحضورﷺ نے انہیں ایک چادر عنایت فرمائی اور اپنی قوم کے صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت قُرّہ بن ہبیرہ کو اپنے استعمال کیے ہوئے دو کپڑے عنایت فرمائے تھے۔ حضرت قُرّہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ ہجری) میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ وہ ایک پست قد اونٹنی پر سوار تھے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو دیکھا تو پکار کر اپنے پاس بلایا۔ وہ قریب آئے تو آپؐ نے فرمایا:

"تم جب (وفد میں) میرے پاس آئے تھے تو تم نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا کچھ خدا ہمارے مذکر تھے اور کچھ مؤنث، ہم ان کو پکارا کرتے تھے مگر وہ ہمارا سوال پورا نہ کرتے تھے۔ پھر جب اللہ نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تو ہم ان کو چھوڑ کر آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ کی دعوت قبول کی۔"

یہ کہہ کر جب وہ چلے تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"جس شخص کو عقل دی گئی وہ کامیاب ہو گیا۔"

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بحرین بھیجا تو حضرت قُرّہؓ بن ہبیرہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ مگر حضرت عمروؓ بن العاص کے سوانح حیات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اواخرِ عہدِ رسالت میں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں دعوتِ اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا تھا۔ یہ خط وہاں کے مجوسی رئیسوں عبید اور جیفر کے نام تھا۔ انہوں نے یہ خط پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے وہاں کے دوسرے لوگ بھی اسلام لے آئے۔ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو عمان کا عامل مقرر کر دیا اور وہ آپؐ کی رحلت تک وہیں مقیم رہے۔ قیاس غالب ہے کہ حضرت قُرّہؓ بن ہبیرہ، حضرت عمروؓ بن العاص

کے ساتھ عمان گئے اور پھر وہاں سے اپنے قبیلے میں چلے گئے۔

آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خلیفۃ الرسولؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور ارتداد کی فتنہ سامانیوں کی اطلاع دی اور انہیں مدینہ بلا بھیجا۔ وہ عمان سے بحرین کے راستے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں انہوں نے حضرت قُرّہؓ بن ہبیرہ کے ہاں قیام کیا۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے حد تعظیم و تکریم اور خاطر مدارات کی، جب وہ چلنے لگے تو انہیں تخلیہ میں لے جا کر کہا:

"آپ بہت مدبر اور دانا ہیں، اس وقت عرب کی حالت نازک ہے آپ خلیفۃ الرسول کو مشورہ دیں کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت قبول نہیں کریں گے ہاں اگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو وہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے اس لیے مناسب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا قانون اٹھا دیا جائے۔"

حضرت قُرّہؓ کی باتیں سن کر حضرت عمروؓ بن العاص کو جلال آگیا اور انہوں نے فرمایا: ———— "قُرّہ! کیا تم کافر ہو گئے ہو جو ایسا مشورہ دیتے ہو اور مجھے عربوں سے ڈراتے ہو۔ واللہ میں منکرینِ زکوٰۃ کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ عازمِ مدینہ ہو گئے۔ بعد میں حضرت قُرّہؓ کو منکرِ زکوٰۃ ہونے کے شبہ کی بنا پر گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا گیا انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کے بارے میں ان کی رائے نیک نیتی پر مبنی تھی لیکن وہ اسلام سے برگشتہ نہیں ہوئے اور اس پر قائم رہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کے بیان کی تصدیق کی اور انہیں رہا کر دیا گیا۔

حضرت قُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت قیسؓ بن ابی صعصعہ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی مازن بن نجار کے چشم و چراغ تھے اس لیے ان کو مازنی نجاری کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

قیسؓ بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار انصار کے سابقین اولین میں شامل ہیں۔ ہجرت نبویؐ سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر ۱۳ بعد بعثت میں مدینہ کے چوہتر دوسرے اہل ایمان کے ساتھ مکہ جا کر بیعت عقبۂ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ یہی وہ مردان حق تھے جنہوں نے سارے عرب کی مخالفت کے علی الرغم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور اپنی جانوں، مال اور اولاد کے ساتھ آپؐ کی حمایت اور حفاظت کا عہد کیا۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت قیسؓ بن ابی صعصعہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک حصۂ لشکر کا سردار بنا دیا تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں لیکن ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے طویل عمر پائی (اس لیے قیاس غالب ہے کہ دوسرے غزوات میں بھی ضرور شریک ہوئے ہوں گے) ——— ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میں کتنے دنوں میں قرآن ختم کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا پندرہ دن میں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے آپ میں اس سے زیادہ کی طاقت پاتا ہوں (چنانچہ) میں ایک عرصہ تک ایک ہفتہ میں قرآن ختم کرتا رہا جب میری عمر بہت زیادہ ہو گئی اور میں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھنے لگا تو پھر پندرہ روز میں قرآن ختم کرنے لگا، اس وقت میں (اپنے دل میں) کہتا تھا، کاش میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قبول کر لی ہوتی۔ (اسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قیسؓ بن حارث انصاری

قبیلہ اَوس کے خاندان بنی حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

قیسؓ بن حارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

حضرت قیسؓ بن حارث مشہور صحابی حضرت براءؓ بن عازب کے چچا تھے[1] اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت قیسؓ بن حارث کو شرفِ شہادت حاصل ہوا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے کون سی لڑائی میں جامِ شہادت پیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں شربتِ شہادت نوش کیا۔ جن اہلِ سیر نے

---

[1] حضرت براءؓ بن عازبؓ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے اپنے والد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر کے وقت ان کی عمر ۱۵ برس سے کم تھی اس لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد اُحد سے تبوک تک تمام غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایران کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ رَے انہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کا غزوۂ اُحُد میں شہید ہونا بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مشرکین نے عقب سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا اور ان میں انتشار پھیلا تو حضرت قیسؓ بن حارث انصار کی ایک جماعت کے ساتھ مشرکین کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ مشرکین نے جو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اس مختصر سی جماعت کو گھیر لیا اور سارے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔

حضرت قیسؓ نہایت پامردی سے لڑے اور کئی مشرکوں کو مار ڈالا۔ وہ تلوار سے لڑ رہے تھے۔ مشرکین نے جب دیکھا کہ تلوار سے ان کا مقابلہ کرنا محال ہے تو انہوں نے اپنے نیزوں میں ان کو پیر لیا۔ ان کے جسم پر چودہ[۱۴] زخم نیزوں کے تھے جن میں دس[۱۰] جوف تک پہنچ گئے تھے۔

واقدی کا بیان ہے کہ جو صحابی اس طریقے سے غزوۂ اُحُد میں شہید ہوئے ان کا نام قیس بن محرث تھا۔ لیکن اربابِ سِیَر و مغازی نے عام طور پر شہدائے اُحُد کی جو فہرست دی ہے اس میں قیسؓ بن محرث نام کے کسی صحابی کا نام نہیں ملتا۔ اگر واقدی کی روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت قیسؓ بن حارث کا جنگِ یمامہ میں شہید ہونا بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے ورنہ اسی روایت پر صاد کرنا پڑے گا کہ حضرت قیسؓ بن حارث نے غزوۂ اُحُد میں شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

تستر پر لشکر کشی کی تو وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ خلافتِ مرتضوی میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرف سے شریک ہوئے۔ انہوں نے کوفہ میں مکان بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۷۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ ان سے ۱۵۰۴ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۲۲ پر بخاریؒ اور مسلمؒ کا اتفاق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت قیسؓ بن سائب مخزومی

خاندانی تعلق قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تھا۔ شجرۂ نسب میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ اور زبیرؒ بن بکار نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

قیسؓ بن سائب بن عویمر بن عائذ بن عمران بن مخزوم

حافظ ابو نعیمؒ کے قول کے مطابق ان کا شجرۂ نسب اس طرح تھا:

قیسؓ بن سائب بن عائذ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم

ایک روایت کے مطابق وہ زمانۂ جاہلیت میں تجارتی کاروبار میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے۔ کچھ دوسری روایات میں بعض دوسرے اصحاب کو بعثتِ نبوی سے پہلے آپؐ کا شریک بتایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے مختلف اوقات میں مختلف اصحاب تجارت میں آپؐ کے ساجھی رہے ہوں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قیس بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بچپن ہی میں بتوں سے نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں بچہ تھا تو میرے والدین نہایت عمدہ دودھ اور بہت سا مکھن الگ الگ دو برتنوں میں رکھ کر مجھے دیا کرتے تھے کہ انہیں لے جا کر بتوں کے سامنے رکھ آؤں۔ میں ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں دودھ اور مکھن بتوں کے سامنے رکھ کر واپس گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد (کسی ضرورت سے) میں دوبارہ بتوں کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کتا آیا اس نے دودھ پی کر اور مکھن کھا کر ٹانگ اٹھائی اور ایک بت پر پیشاب کر دیا۔ (بس اسی دن سے مجھے بتوں سے نفرت ہو گئی) (الاصابہ)

بعثتِ نبویؐ کے وقت وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، تاہم ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

زمانۂ اسلام میں حضرت قیس بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی عمر ایک سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور وہ بہت ضعیف تھے اسی لیے وہ رمضان کے روزے رکھنے سے معذور تھے۔ اپنے اہلِ خانہ کے لیے ان کی یہ ہدایت تھی کہ لوگ ہر روزے کا فدیہ یہ دیتے ہیں کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے ہیں مگر میری طرف سے تم لوگ ہر روزے کے عوض ایک صاع دو۔ چنانچہ ان کے اہلِ خانہ ایسا ہی کرتے تھے۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو تم سب کے سب کسی نہ کسی کے سرپرست ہو اور تم سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جس کا وہ سرپرست تھا۔

بادشاہ سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی، ہر مرد سے اس کے گھرانے کے متعلق ہر عورت سے اس کے خاوند، گھر اور بچوں کے متعلق۔ پس تم سب کے سب سرپرست ہو اور سب سے ان کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ (صحیح بخاری)

حضرت قیسؓ بن سکن انصاری

ان کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنی نجار سے تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

قیسؓ بن سکن بن قیس بن زعوراء بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

حضرت قیس بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خادم رسول اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم جدّا اور دُور کے رشتے میں ان کے چچا ہوتے تھے۔

ان کی کنیت ابو زید تھی۔ بقول ابن اثیرؒ ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے سعد بن عمیر اور بعض نے ثابت لکھا ہے (لیکن مشہور قیس بن سکن ہی ہے) —— رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی اور بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت کے اوائل میں حضرت ابو عبید ثقفیؓ کو ایک لشکر دے کر عراق عرب روانہ کیا تو حضرت قیسؓ بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے اور جسر (پل) کی لڑائی میں شہادت پائی۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔

یہ انصار کے اُن چار بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے عہدِ رسالتؐ میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ ان بزرگوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت اُبیؓ بن کعب۔ حضرت معاذؓ بن جبل۔ حضرت زیدؓ بن ثابت۔
حضرت ابو زید قیسؓ بن سکن۔

حضرت قیسؓ بن سلعؒ انصاری

ارباب سیر نے ان کے قبیلے اور نسب کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ مدینہ کے رہنے والے (انصاری) صحابی تھے۔ ان کے والد کا نام بعض نے اسلع لکھا ہے اور بعض نے اصلع مگر جمہور نے سلعؒ کو ترجیح دی ہے۔
حضرت قیس بن سلع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ایک حدیث مروی ہے جس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) بڑے سخی تھے اور راہ خدا میں دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے۔

(۲) بعد میں یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اپنی سخاوت کی بدولت بہت مال دار ہو گئے تھے۔

(۳) جہاد فی سبیل اللہ کا شوق بھی تھا اور جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عہد نبوی کے بعض غزوات و سرایا میں شریک ہوئے ہوں گے۔

ان سے مروی حدیث یہ ہے:-

" میرے بھائیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ قیس بہت فضول خرچی کرتا ہے اور اپنے مال کو خوب لٹاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر پوچھا، قیس یہ کیا معاملہ ہے (کہ تمہارے بھائی تمہاری فضول خرچی کی شکایت کرتے ہیں)۔
میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! میں اپنے حصے کے چھوہارے (کھجور) لے لیتا ہوں اور انہیں اللہ کی راہ میں تقسیم کرتا ہوں اور اپنے ساتھیوں کو کھلاتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاباشی کے ساتھ اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا اور فرمایا، اے قیس! تم خوب خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (زیادہ) دے گا۔ یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔
چنانچہ اس کے بعد میں اپنی ذاتی اونٹنی پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے باہر جاتا ہوں اور آج اپنے کنبے والوں میں سب سے زیادہ مالدار اور خوشحال ہوں۔" (ترغیب و ترہیب بحوالہ طبرانی)

حضرت قیسؓ بن عبداللہ اسَدی

ان کا سلسلہ نسب کسی نے بیان نہیں کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا خاندانی تعلق بنو اَسد بن خزیمہ سے تھا۔ یہ مشہور عدنانی مُضری قبیلہ جبالِ طے کے جنوب مشرق میں آباد تھا۔ حضرت قیسؓ کسی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر مکہ آ گئے اور رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پھوپھی زاد بھائی عبیداللہ بن جحش (بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ) کی خدمت گاری اختیار کر لی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ عبیداللہ بن جحش کے رضاعی باپ تھے یعنی ان کی اہلیہ نے عبیداللہ کو ان کی شیر خوارگی کے زمانے میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ قیسؓ کی اہلیہ کا نام برکہ بنت یسار تھا جو ابوسفیان کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت قیسؓ، حضرت ابوسفیانؓ کی دخترِ نیک اختر اُمّ المُؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھی رضاعی باپ تھے۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو عبیداللہ بن جحش، حضرت اُمِّ حبیبہؓ، حضرت قیسؓ بن عبداللہ اور حضرت برکہؓ بنتِ یسار سب نے اس پر لبیک کہا اور بعثتِ نبوی کے اوائل ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ جب مسلمانوں پر کفارِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایما پر ۶ سنہ بعد بعثت میں یہ چاروں بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ (یہ واقعہ حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ کہلاتا ہے) حبش پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد بدقسمتی سے عبیداللہ بن جحش نے مذہبِ عیسوی اختیار کر لیا مگر حضرت اُمِّ حبیبہؓ، حضرت قیسؓ بن عبداللہ اور حضرت برکہؓ بنتِ یسار اپنے دین پر سختی سے قائم رہے۔

عبیداللہ عیسائیت ہی کی حالت میں فوت ہو گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملنے پر شاہِ حبشہ (نجاشی) نے حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غائبانہ نکاح حضورؐ سے کر دیا۔

حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت اپنی بیٹی آمنہ کے نام پر ابوآمنہ تھی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ آمنہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کی دایہ تھیں۔

حضرت قیسؓ بن عبداللہ اُن کے اہل وعیال اور حضرت اُمّ حبیبہؓ اور ان کی بیٹی حبیبہؓ مسلمانوں کے ایک قافلے میں شریک ہو کر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ ۷ ہجری کے آغاز میں حبش سے مدینہ آ گئے۔ اس کے بعد حضرت قیسؓ بن عبداللہ کے حالات بالکل پوشیدہ ہیں۔ ان کی حیاتِ دوام کے لیے یہی شرف کچھ کم نہیں کہ وہ "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن" کی مقدس جماعت کے ایک رکن ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے راہِ حق میں ہجرت کی اور طویل عرصہ تک غریب الوطنی کی زندگی گزاری۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اپنے مال کو بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنا دین بچاتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔"

(ترمذی)

حضرت قیسؓ بن عبید انصاری

خزرج کے خاندان مازن بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
قیسؓ بن عبید بن حریر بن عبید بن جعد بن عوف بن مبندل بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

ان کی کنیت ابوبشر تھی ـــــ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے تمام مشاہد میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم لوگ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو اور لوگو کیا میں تم کو آگاہ نہ کر دوں ایک ایسی بات سے کہ اگر تم وہ کرو تو آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ سنو وہ یہ ہے کہ آپس میں بہت سلام کیا کرو۔ (صحیح مسلم)

حضرت قیسؓ بن عمرو بیاضی انصاری

خزرج کے خاندان بیاضہ کے فرزندِ سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
قیسؓ بن عمرو بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زائق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن بن خزرج۔

مشہور صحابی حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے چچا تھے[1]۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔
سالِ وفات معلوم نہیں ہے —— رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے ایمان لائے اور پھر بیعتِ عقبۂ کبیرہ (سنہ ۱۳ بعد بعثت) میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد بدر، احد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب رہے۔
سنہ ۹ ہجری میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں حضرموت کا حاکم بنایا۔ خلافتِ صدیقی میں انہوں نے فتنۂ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ عہدِ فاروقی میں بھی یمن کے ایک حصے کے عامل رہے۔ اس غرض سے سبکدوشی کے بعد کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ سنہ ۴۰ ہجری میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے تھے۔ کتبِ حدیث میں ان سے مروی چند احادیث موجود ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قیسؓ بن مسحر کنانی

ان کے نام "قیس" پر تو سب ارباب سیر کا اتفاق ہے لیکن آباؤ اجداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاقؒ، ابن کلبی اور ابن ماکولاؒ نے ان کے والد کا نام "مسحر" لکھا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ایک جگہ ان کے والد کا نام مالک بن مسحر اور دوسری جگہ "مسحر" لکھا ہے۔ ابو موسٰیؒ نے ان کے والد کا نام "مسحل" بتایا ہے اور ان کا خاندانی تعلق بنو کنانہ کی شاخ بنی یعمر سے بتایا ہے۔ ابن کلبی کے مطابق وہ (قیسؓ بن مسحر) کلب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی اولاد سے تھے۔

اپنے قبیلے کے بہادروں اور شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے قبول اسلام کا زمانہ کسی نے متعین نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ رمضان المبارک ۶ھ سے پہلے شرف ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے اس لیے کہ تمام اہل سیر نے سریۂ اُم قرفہ میں ان کی شرکت کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ سریۂ رمضان ۶ ہجری ہی میں پیش آیا تھا۔ اس سریۂ کی تفصیل یہ ہے کہ رجب ۶ھ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جا رہے تھے کہ وادی قریٰ کے نواح میں بنو فزارہ کے ایک گروہ نے قافلے پر چھاپہ مارا اور سامانِ تجارت لوٹ لیا۔ حضرت زیدؓ کے ساتھ بہت تھوڑے مسلمان تھے ان میں سے بیشتر شہید ہو گئے اور وہ خود بڑی مشکل سے جان بچا کر مدینہ منوّرہ پہنچے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی روداد سن کر رمضان المبارک ۶ ہجری میں بنو فزارہ کی گوشمالی کے لیے ایک مضبوط دستہ فوج روانہ فرمایا اس دستے کی قیادت باختلافِ روایت حضرت زیدؓ بن حارثہ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ

کر رہے تھے۔ بہر صورت حضرت قیسؓ بن مسحر اس دستے میں شامل تھے۔ ان دنوں بنو فزارہ کی قیادت ایک عورت اُمِ قِرفہ کے ہاتھ میں تھی اور اس کی بیٹی بھی اس کی مددگار تھی۔ اسلامی لشکر نے بنو فزارہ کے علاقے میں پہنچ کر ان کو شکست فاش دی۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ لڑائی میں حضرت قیسؓ نے اُمِ قِرفہ اور دو فزاریوں عبداللہ اور نعمان فرزندانِ سعدہ کو قتل کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اُمِ قِرفہ اور اس کی بیٹی کو گرفتار کر کے (جنگی قیدی بنا کر) مدینہ مُنوّرہ لے آئے۔ بہر حال اُمِ قِرفہ اور اس کی بیٹی کے انجام کے بارے میں راویوں میں اختلاف ہے۔

جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین ہزار مجاہدین دے کر سرحدِ شام کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم کا مقصد آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے قتل کا بدلہ لینا تھا جنہیں بلقاء کے رئیس شُرَحبیل بن عمرو غسانی نے اپنے علاقے میں شہید کر ڈالا تھا۔ اسلامی لشکر میں حضرت قیسؓ بن مسحر بھی شریک تھے۔ سرحد شام کے قریب مُوتہ کے مقام پر مسلمانوں کے اس چھوٹے سے لشکر کا مقابلہ ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو عیسائیوں سے ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا جس میں حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری اور کچھ دوسرے مسلمان شہید ہو گئے۔ بالآخر حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ نے لشکر کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنی مختصر فوج کے ساتھ اس شان سے لڑے کہ دشمن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ یوں حضرت خالدؓ بن ولید مظفر و منصور مُوتہ سے مدینہ مُنوّرہ واپس آئے۔ حضرت قیسؓ بن مسحر بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ رجال خاموش ہیں۔

رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ

حضرت قیسؓ بن محصن زُرقی انصاری

خاندانی تعلق خزرج کی شاخ بنی زُریق سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

قیسؓ بن محصن بن خالد بن مُخلَّد بن عامر بن زُریق

بعض نے ان کے والد کا نام حصن لکھا ہے لیکن محصن ہی زیادہ مشہور ہے۔

ہجرت نبوی کے قریبی زمانے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو پہلے غزوہ بدر میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد غزوہ اُحد میں رسولِ اکرم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو جس کے متعلق وہ وصیت کرنا چاہتا ہو پھر اس کے لیے مناسب نہیں کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت کرنے کے گزار دے۔"

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ اس وقت سے مجھ پر ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس میری لکھی ہوئی وصیت نہ ہو۔ (صحیح مسلم)

حضرت قیسؓ بن مخرمہ مُطّلبی

قریش کے خاندان بنی مُطّلب میں سے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

قیسؓ بن مخرمہ بن مُطّلب بن عبدِ مناف بن قُصَیّ قرشی مُطّلبی

عبدِ مناف پر ان کا نسب نامہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق قبیلۂ عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار سے تھا اور وہ عبداللہ بن سیلع عنزی کی بیٹی تھیں۔

ان کی کنیت باختلافِ روایت ابو سائب یا ابو مُحمّد تھی۔ یہ اور رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم واقعۂ فیل کے سال میں پیدا ہوئے تھے۔ گویا وہ اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قریب قریب ہم عُمر تھے۔

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں مؤلفۃ القلوب میں شمار کر کے خیبر کے مالِ غنیمت سے پچاس وسق عطا فرمائے۔ آخر میں ان کا اسلام بہت اچھا ہو گیا تھا۔ چنانچہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت سے انہیں (دوسرے مؤلفۃ القلوب کی طرح) سَو اونٹ (بطورِ خاص) دینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

ان کی آواز نہایت بُلند تھی۔ کعبہ شریف کے پاس کھڑے ہو کر پوری قُوّت سے آواز بلند کرتے تھے تو ان کی آواز جبل النُّور پر سنائی دیتی تھی جبل النُّور وہی پہاڑ ہے جس میں غارِ حرا ہے۔ اسی کی نسبت سے اس کو کوہِ حرا بھی کہا

جاتا ہے۔ یہ پہاڑ مکہ کی شمالی سمت میں جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے، تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔

حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سال وفات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور محمد چھوڑے۔ بعض روایات کے مطابق ان دونوں کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ یہ دونوں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ، قریش کے بزرگ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حدیث نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمال خیر کیے)

— اور —

عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت قیسؓ بن مُخلّد مازنی انصاری

خزرج کے خاندان مازن بن نجار کے فرزند سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
قیسؓ بن مُخلّد بن ثعلبہ بن صخر بن جلیب بن حارث بن ثعلبہ بن مازن بن نجار۔

رمضان المبارک ۲ھ ہجری سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے پھر غزوۂ بدر الکبریٰ میں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اگلے سال (۳ھ ہجری میں) غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اسی غزوے میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

"مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے حاکم کی بات سُنے اور اس کی فرمانبرداری کرے خواہ وہ بات اس کو پسند ہو یا ناپسند، سوائے اس کے کہ اس کو کسی گناہ کا حکم دیا جائے اگر ایسا ہو تو نہ سُنے اور نہ مانے۔"

(صحیح بخاری)

حضرت قیسؓ بن مَعبد حنفی

یمامہ (نجد) کے مشہور قبیلے بنو حنیفہ کی ایک شاخ بنی دُوَّل سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان کا نسب نامہ کسی نے نہیں لکھا۔ یہ اور ان کے بھائی یزیدؓ بن معبد (غالباً فتح مکّہ کے بعد) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر آنحضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیعت کا شرَف حاصل کیا۔[1]

قبولِ اسلام کے بعد حضرت قیس بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی زندگی کا صرف یہی ایک واقعہ معلوم ہے کہ ایک دفعہ ان کی ایک چراگاہ کے معاملے میں حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے لڑائی ہو گئی۔[2] حضرت قیسؓ نے جاریہؓ کا

---

[1] اس موقع پر آنحضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت یزید بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے پوچھا:
"اہلِ یمامہ کا تعلّق کس قبیلے سے ہے؟"
انہوں نے عرض کیا ——— "بنو عبید سے۔"
حضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "تو نے درست کہا"——— پھر فرمایا:
"یہ وہ علاقہ ہے جہاں کے لوگ تنگی ترشی میں بھی قائم و دائم رہیں گے اور تباہ و برباد نہیں ہوں گے۔"
حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے؟"
آپؐ نے فرمایا: ——— "یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں اور غلاموں کو کھلاتے ہیں۔"
(اُسدُ الغابہ)

[2] حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی حضرت قیسؓ کے قبیلے سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابو نمران تھی۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھ کاٹ ڈالا اور جاریہؓ نے قیسؓ کو مجروح کر دیا۔ دونوں فریق اپنا اپنا مقدمہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت جاریہؓ سے فرمایا: ـــــ "قیس سے جو زیادتی ہوئی ہے اور ہاتھ کٹنے سے جو صدمہ تمہیں پہنچا ہے، وہ مجھے بخش دے۔"

حضرت جاریہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں تو قصاص لوں گا۔"

پھر آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت قیسؓ بن معید سے فرمایا:

"تجھے جاریہ سے مارپٹائی کے باعث جو صدمہ پہنچا وہ مجھے بخش دے اور اپنے دعوے سے دست بردار ہو جا۔"

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔

اس پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے قیسؓ کے لیے وسعتِ رزق اور اولادِ صالح پیدا ہونے کی دعا فرمائی۔ پھر آپؐ نے حضرت جاریہؓ کو بھی تاوان لینے پر راضی کر لیا اور ان کو حضرت قیسؓ کے مال سے دیت دلوائی۔

(الاصابہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) کوفہ آباد ہوا تو حضرت جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وطن سے کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اسی لیے ان کا شمار کوفی صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان سے ان کے بیٹے نمران اور غلام عقیل بن دینار نے روایت کی ہے۔ ان سے مروی احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے:

ایک گھر دو بھائیوں کی مشترکہ ملکیت تھا۔ ان دونوں نے اس گھر کے درمیان ایک کٹہرا بکریاں باندھنے کے لیے بنایا۔ جب وہ دونوں فوت ہو گئے تو دونوں میں سے ہر ایک کی اولاد نے دعویٰ کیا کہ کٹہرا ہمارا ہے چنانچہ فریقین نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپؐ نے (حضرت) حذیفہ بن یمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو فیصلہ کرنے کے لیے ان کے ہمراہ بھیجا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ کٹہرہ اس کا ہے جس کے قریب بکریاں باندھنے کی جگہ ہو۔ یہ فیصلہ کر کے واپس آئے اور آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا، تم نے اچھا (فیصلہ) کیا۔ (اسد الغابہ)

حضرت قیظیؓ بن قیس انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
قیظی بن قیس بن لوذان بن ثعلبہ بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن خزرج بن عمرو (بنیت) بن مالک بن اوس۔

والدہ کا نام لبنیٰ بنت رافع (بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ) تھا۔

غزوۂ اُحُد میں اپنے بھائی سلیمؓ بن قیس اور تین فرزندوں عبداللہؓ، عقبہؓ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ شریک ہوئے۔ ان کے چوتھے بیٹے حضرت عبادؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا لیکن غزوۂ اُحُد میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے شریک تھے اور بعض نے کہا ہے شریک نہیں تھے۔

عہدِ نبویؐ کے دوسرے غزوات میں حضرت قیظیؓ اور ان کے فرزندوں کی شرکت کے بارے میں اہلِ سِیَر نے تصریح نہیں کی اور لکھا ہے کہ حضرت قیظی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔ ان کے بیٹوں حضرت عبداللہؓ، حضرت عقبہؓ اور حضرت عبادؓ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ تینوں حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اوائل عہدِ خلافت میں عراقِ عرب کی اس مہم میں شریک تھے جس کے قائد حضرت ابوعبید ثقفیؓ تھے۔ ان تینوں نے جسرِ ابی عبید (پُل کی لڑائی) میں شہادت پائی۔ یہ عہدِ فاروقی کی واحد لڑائی ہے جس میں مسلمانوں کو اندازے کی غلطی کی بناء پر ہزیمت اٹھانی پڑی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قیظی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے (بعہدِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) یا جسرِ ابی عبید میں۔ بہرصورت والد اور چاروں فرزندوں کو رتبۂ شہادت نصیب ہوا۔ حضرت سلیم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حالات غزوۂ اُحُد کے بعد پردۂ خفا میں ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت کردمؓ بن قیس

اہل سیر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا صرف نام ہی بیان کیا ہے۔ ان کے صحابی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے مروی ایک حدیث کے سوا ان کی زندگی کے حالات بھی کسی کتاب میں درج نہیں ہیں۔ حدیث یہ ہے:

"میں ایک دفعہ سفر پر نکلا۔ میرے ساتھ ابو ثعلبہ نام کے ایک شخص بھی تھے۔ راستے میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ اپنی جوتیاں مجھے عاریتاً دے دو۔ میں نے کہا، اس شرط پر دوں گا کہ اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو۔ اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ ابو ثعلبہ نے یہ شرط منظور کر لی اور میں نے اپنی جوتیاں انہیں دے دیں۔ اس کے بعد جب ہم گھر پہنچے تو ابو ثعلبہ نے جوتیاں مجھے واپس بھیج دیں اور کہلا بھیجا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے نہ کروں گا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو چھوڑ دو اس میں تمہارے لیے بہتری نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ فلاں مقام پر کچھ اونٹوں کی قربانی کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی نذر پوری کرو۔ نذر صرف وہی پوری نہیں کی جاتی جو صلہ رحم کے قطع کرنے میں ہو یا اس چیز میں ہو جس میں ابن آدم کو اختیار نہیں ہے۔"

حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت کردمؓ بن قیس کا تعلق بنو ثقیف سے تھا مگر ابن مندہؒ اور ابو نعیم کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بنی خشین سے تھا (یعنی وہ خشنی تھے) انہوں نے کردمؓ نام کے ایک اور صحابی کا ذکر کیا ہے جو بالاتفاق ثقفی تھے مگر ان کے والد کا نام سفیان تھا! ان سے بھی نذر والی حدیث مروی ہے۔ حافظ ابن مندہؒ کے خیال میں کردمؓ بن قیس اور کردمؓ بن سفیانؓ ایک ہی شخصیت ہیں۔ ابن اثیرؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ خود ابن مندہ نے اول الذکر کردمؓ کو خشنی لکھا ہے اور ثانی الذکر کو ثقفی، پھر ان دونوں کو ایک کہنا تعجب انگیز ہے۔

حضرت کُریب رضؓ

ان کے وطن، حسب ونسب اور حالاتِ زندگی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے ان کی شہرت اور عظمت صرف اس سبب سے ہے کہ وہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے غلام تھے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، مبارک ہو، مبارک ہو، پانچ چیزیں میزانِ اعمال میں کس قدر بھاری اور زبان پر کس قدر ہلکی (آسان) ہیں ___ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ پانچ چیزیں کون سی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، سبحان اللہ، الحمدللہ، لاالٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر (یہ چار چیزیں) اور (پانچویں) وہ صبر جو کوئی والد اپنے فرزندِ صالح کی موت پر کرے۔ (اُسد الغابہ)

صحیح بخاری میں بھی کُریب نام کے ایک صاحب کا ذکر آتا ہے مگر ان کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا غلام بتایا گیا ہے۔ شاید کریبؓ مولیٰ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور کُریبؓ مولیٰ ابن عباسؓ ایک ہی شخصیت ہوں۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں حضرت ابنِ عباسؓ کو عطا کر دیا ہو۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ ان کو (اُمّ المؤمنین) میمونہ بنت حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے خبر دی کہ میں نے ایک لونڈی کو آزاد کر دیا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اجازت نہ لی۔ جب میرا (باری کا) وہ دن آیا جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپؐ کو علم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا؟

آپؐ نے فرمایا، آزاد کر دیا؟

میں نے عرض کیا، جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا، اگر اپنے ننھیال (والوں) کو دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

(صحیح بخاری کتاب الھبتہ)

حضرت کعبؓ بن زید انصاری

قبیلہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنی نجار کے چشم و چراغ تھے سلسلۂ نسب یہ ہے:
کعبؓ بن زید بن قیس بن مالک بن کعب بن حارثہ بن دینار بن نجار۔
ہجرت نبویؐ کے قریبی زمانے میں (کچھ پہلے یا کچھ بعد) شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ھ ہجری) میں سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا عظیم شرف حاصل کیا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب ارباب سیر کا اتفاق ہے۔

صفر ۴ھ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باختلاف روایت ستر یا چالیس آدمیوں کی ایک جماعت تبلیغ کے لیے نجد کی طرف روانہ کی۔ حضرت کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ بئر معونہ کے قریب بنو عامر، بنو سلیم اور بعض دوسرے قبائل نے ان مبلغین حق کو گھیر لیا اور دو کے سوا سب کو بڑی سفاکی سے شہید کر ڈالا۔ ان دو میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (ایک روایت میں ہے کہ نجدیوں نے انہیں گرفتار کر لیا تھا بعد میں وہ موقع پا کر بھاگ نکلے، دوسری روایت یہ ہے کہ بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کی ماں نے ایک قیدی کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ یہ منت پوری کرنے کے لیے اس نے انہیں آزاد کر دیا۔) دوسرے حضرت کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ شدید زخمی ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں پڑے تھے۔ نجدیوں نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ بعد میں وہ کسی نہ کسی طرح گھسٹتے گھسٹتے مدینہ منورہ پہنچ گئے اور چند دن کے علاج کے بعد صحت یاب ہو گئے۔

۵ھ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ حضرت کعبؓ بن زید اس میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ واقدی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس غزوے میں ضرار بن خطاب کے ہاتھ سے شہادت پائی، مگر ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں دشمن کی طرف سے آنے والا ایک تیر ان کو لگ گیا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔ اس اختلاف سے قطع نظر غزوۂ خندق میں ان کی شہادت پر سب ...

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ارباب سیر نے ان کا سلسلۂ نسب بیان نہیں کیا۔ خاندان کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض ان کو اشعری بتلاتے ہیں اور بعض مازنی۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ کعب بن عیاض اشعری اور کعب بن عیاض مازنی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ کعب بن عیاض نام کے ایک ہی صحابی تھے۔ ان کے شرفِ صحابیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی زندگی کے حالات کسی نے بیان نہیں کیے البتہ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں جو یہ ہیں:-

(۱) میں (کعب بن عیاض) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر اُمّت کے لیے کوئی (خاص) آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمّت کی (خاص) آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(۲) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایامِ قربانی کے درمیانی دنوں میں جمرہ کے پاس خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (ترمذی)

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں بھی کتبِ سیر خاموش ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام کی فتح کے بعد انہوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے ان کا شمار شامی صحابہ میں ہوتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت کعبؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے معزز ترین خاندان "بنو نجار" میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

کعبؓ بن عمرو بن زید بن حارث بن کعب بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار

قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ غزوۂ اُحُد سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے چنانچہ سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ بڑے بہادر اور مخلص مسلمان تھے۔ دل میں ہر وقت شوقِ جہاد موجزن رہتا تھا۔ اُحُد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسول اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔ آنحضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سریر آرائے خلافت ہوئے تو عرب میں جابجا فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بے مثال عزم و استقامت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا اور مرتدین کی سرکوبی کے لیے مختلف اطراف کو گیارہ لشکر بھیجے۔ ان لشکروں کی مرتدین سے خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اس سلسلے کی سب سے شدید جنگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی قیادت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی۔ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے لشکر میں شامل تھے۔ وہ اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت پی کر جنّت الفردوس کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے (جبکہ اس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو) (مُسندِ احمد، جامع ترمذی)

حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق بنو غفار سے تھا اور وہ کبار صحابہ میں سے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کئی مہمات (سرایا یا بعوث) پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔

ربیع الاول ۸ھ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو قضاعہ نے شرارت پر کمر باندھی ہے اور ان کی ایک کثیر تعداد ذات الاطلاح[1] میں جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ آدمیوں کا ایک دستہ ان کو مرعوب کرنے کے لیے روانہ کیا۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ جماعت تبلیغ کے لیے روانہ فرمائی۔) حضورؐ نے اس جماعت پر حضرت کعبؓ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

یہ اصحاب رات کو چلتے اور دن کو کسی محفوظ جگہ پر قیام کرتے تھے یہاں تک کہ وہ ذات الاطلاح کے قریب پہنچ گئے۔ بنو قضاعہ کے ایک مخبر نے ان کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ سن کر ان کے بہت سے سوار مسلمانوں کی طرف لپکے۔ حضرت کعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ دعوت قبول کرنے کے بجائے اس کا جواب تیروں سے دیا۔ مسلمانوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس نے سب کو شہید کر ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک زخمی مسلمان بچ گئے، انہوں نے

---

[1] یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ ذات الاطلاح ایک موضع کا نام ہے جو وادی القریٰ کے قریب واقع ہے (ج۔ا ص ۲۸۰) بعض نے لکھا ہے کہ یہ گاؤں سرحد شام کے قریب واقع تھا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر اس سانحہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ آپؐ بدلہ کے لیے دوسرا سریہ بھیجنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دشمنوں کے منتشر ہو جانے کی خبر موصول ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے دوسرے سریہ کی روانگی ملتوی کر دی۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس مہم میں زخمی ہو گئے تھے اور انہیں اٹھا کر مدینہ لایا گیا تھا لیکن قرائن سے یہ روایت درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جب ان کے سب ساتھی شہید ہو گئے تھے تو ان کو مدینہ لانے والا کون تھا؟ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ خود کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچ گئے تو پھر بعد کے کسی نہ کسی واقعہ میں ان کا نام آنا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس واقعہ کے بعد وہ یکسر پردۂ خفا میں چلے جاتے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس سانحہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ابنِ اسحاقؒ نے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن فرمایا:— "تم دشمن کے مقابلے کی آرزو نہ کرو۔ کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ تم دشمن کی طرف سے کس آزمائش میں مبتلا کیے جاؤ گے (اور آرزو کے بغیر تمہارا مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا کرو:۔

"یا اللہ تو ہمارا بھی رب ہے اور ان کا بھی رب ہے۔ ہمارے دل اور ان کے دل تیرے ہاتھ میں ہیں اور ان پر غالب آنے والا تو ہی ہے۔"

اگر دشمن شب خون مارے تو تم تکبیر کہہ کر ایک دوسرے کو پکارو!"

(مشکوٰۃ عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا لقی العدو ص۱۸۱)

حضرت کلیبؓ بن تمیم انصاری

بعض نے لکھا ہے کہ خزرج کے خاندان بنی حارث بن خزرج میں سے تھے اور بعض کا بیان ہے کہ اس قبیلے کے حلیف تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے:

کلیبؓ بن تمیم بن بشر

غزوۂ احد سے پہلے سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اور پھر سب سے پہلے اسی غزوے میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور ہوئے تو حضرت کلیبؓ بھی ان کے لشکر میں شامل تھے۔ انہوں نے جنگِ یمامہ میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تک میں تم کو تمہارے والد اور بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں تم لوگ مومن نہیں کہے جا سکتے۔" (صحیحین)

حضرت لقیط رضؓ بن ارطاۃ سکونی

اہلِ سیَر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا لیکن ان کے شرفِ صحابیت پر سب نے اتفاق کیا ہے۔

قبولِ اسلام کا زمانہ بھی کسی نے متعیّن نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد کسی وقت مدینہ منوّرہ آئے اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اس وقت ان کے پاؤں ٹیڑھے تھے اور زمین سے مَس نہ کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے لیے دُعا فرمائی جو فوراً درِ اجابت پر پہنچ گئی۔ ان کے پاؤں بالکل ٹھیک ہو گئے اور وہ بآسانی چلنے پھرنے لگے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی غزوے میں سخت زخمی ہو گئے۔ زخموں کی وجہ سے پاؤں ٹیڑھے ہو گئے اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا۔ آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تندرست کر دیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی میں برابر جہاد کرتے رہے۔ جن غزوات میں وہ شریک ہوئے اربابِ سیَر نے ان کی صراحت نہیں کی۔ خود حضرت لقیط رضی اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معیت میں مشرکین سے جہاد کرتا رہا! اثنائے جہاد میں ننانوے ۹۹ مشرکین میرے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد خلافتِ صدّیقی کے دوران میں رومیوں سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے

دورِ خلافت میں شام پر مسلمانوں کا مکمل استیلا ہو گیا تو حضرت لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اسی لیے ان کا شمار شامی صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہایت متقی اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے کہا، حضرت! ہمارا پڑوسی شراب پیتا ہے اور بُرے کام کرتا ہے۔ آپ حاکمِ وقت کے پاس جا کر اس کا حال بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ننانوے مشرک قتل کیے ہیں مگر کسی مسلمان کی پردہ دری کے بعد اتنے ہی مشرک اور قتل کر دوں تب بھی بھلائی کی امید نہیں۔ (اُسد الغابہ - الاصابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے تو جو شخص لوگوں کی خدمت کرنے میں سبقت لے جائے، لوگ اس سے کسی عمل کی بدولت نہیں بڑھ سکتے سوائے شہادت کے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ماتع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض روایتوں میں ان کا نام ہیت بیان کیا گیا ہے۔ ان کا تعلق بنی نوعِ انسان کی تیسری جنس سے تھا یعنی وہ مخنّث تھے۔ اربابِ سِیَر نے نہ ان کا حسب و نسب بیان کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کس قبیلے سے تھے۔ البتہ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ فاختہ بنتِ عمرو بن عائذ بن مخزوم کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قبولِ اسلام کی توفیق بخشی اور پھر شرفِ صحابیت حاصل ہو گیا۔

حضرت ماتعؓ کبھی کبھی امہات المؤمنینؓ کے حجروں میں چلے جایا کرتے تھے (کوئی گھریلو خدمت انجام دینے کے لیے) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ وہ مخنّث ہونے کے باعث بے ضرر آدمی ہیں اور انہیں جنسی معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں ہے اس لیے آپ ازواجِ مطہراتؓ کے حجروں میں ان کے داخل ہونے پر معترض نہ ہوتے تھے لیکن غزوہ طائف کے موقع پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپؐ نے خواتین (بشمول ازواج مطہراتؓ) کو حکم دیا کہ آئندہ ہیجڑوں کو گھروں کے اندر نہ آنے دیا کرو۔ واقعہ یہ تھا کہ ماتع غزوہ طائف میں آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ آپؐ نے ان کو حضرت عبداللہؓ بن ابی امیہ (اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے بھائی اور بروایتِ دیگر حضرت خالدؓ بن ولید) سے یہ کہتے سُنا کہ طائف فتح ہو جائے تو بادیہ بنتِ غیلان کو تم لے لینا، وہ (اتنی حسین اور گداز بدن ہے کہ) چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے (یعنی سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور پیٹھ پھیرتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں) یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا، میرا خیال تھا کہ یہ شخص ان معاملات کو نہیں سمجھتا۔

اس کے بعد آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ کو منع کر دیا کہ وہ کسی بھی ہیجڑے کو گھر کے اندر نہ آنے دیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ماتعؓ کو صحرا میں بھیج دیا۔ وہ ہر جمعہ کو مدینہ آتے اور کھانا کھا کر لوٹ جاتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ماتعؓ کو جلاوطن کر کے فدک بھیج دیا تھا جہاں وہ بالکل تنہا رہتے تھے۔

حضرت ماتع کی زندگی کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ بیوہ اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو وہ اجر و ثواب میں اس مجاہد بندے کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو (راوی کا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) اور اس شب بیدار بندے کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اس دائمی الصائم کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت مازنؓ بن غضوبۃ الطائیؓ

ان کا تعلق عرب کے عظیم قحطانی قبیلے بنو طے کی ایک شاخ بنو خطامہ سے تھا۔ سکونت سرزمین عمّان کے ایک قصبے میں تھی۔ اپنے قبیلے کے کاہن اور قادر الکلام شاعر تھے۔ اس کے علاوہ قصبے کے بُت خانے کے پجاری یا متولّی بھی تھے۔ ارباب سِیَر نے بارگاہِ رسالت میں اُن کی حاضری اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسلام کی طرف کیسے راغب ہوئے؟ اس سلسلے میں علامہ ابنِ اثیر جزریؒ نے بعض حوالوں سے اُن سے ایک عجیب و غریب بیان منسوب کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

"میں ایک بُت جس کا نام ناجر تھا پجاری تھا۔ یہ بُت سرزمین عمّان کے ایک قصبے میں نصب تھا۔ ایک دفعہ ہم نے اس پر ایک جانور قربان کیا تو معاً بُت سے آواز آئی، "اے مازن! میری ایک بشارت سنو، نیکی عیاں ہو گئی ہے اور برائی روپوش ہو گئی ہے اور بنو مُضَر کے دین کو دینِ حق نے مغلوب کر لیا ہے۔ اگر تم دوزخ کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو پتھروں کی پوجا چھوڑ دو۔"

میں یہ آواز سن کر گھبرا گیا۔ لیکن یہ بات آئی گئی ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ہم نے پھر ایک جانور ذبح کیا، اس وقت پھر بُت سے آواز آئی، "ادھر آؤ، میری بات سنو اور احمق نہ بنو، مکّے میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے اس پر ایمان لاؤ تاکہ سیدھے راستے سے نہ بھٹکو اور جہنم کی آگ میں جلنے سے بچ جاؤ۔"

یہ سن کر میں حیران تو ہوا لیکن جان گیا کہ اس میں ضرور کوئی بھلائی ہے۔

اس اثناء میں حجاز سے ایک آدمی ہمارے یہاں آیا۔ میں نے اس سے پوچھا، کہو، تمہارے علاقے میں کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس نے کہا، ہاں ہمارے یہاں ایک صاحب جن کا نام احمدؐ ہے ظاہر ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میری دعوت قبول کرو اور (بتوں کی پوجا چھوڑ کر) صرف ایک اللہ کی پرستش کرو۔

میں نے اسے بتایا کہ اسی قسم کی باتیں میں نے بت کی زبان سے سنی ہیں۔

اس کے بعد میں نے بت کو توڑ دیا۔ برے افعال چھوڑ دیئے (اور پھر ایک دن) اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔"

اس قسم کی روایتیں بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے تذکروں میں بھی ملتی ہیں لیکن ان میں سے اکثر کی صحت مشکوک ہے اور وہ ع

"بڑھا بھی دیتے ہیں زیب داستاں کے لیے"

کا مصداق معلوم ہوتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ صورتِ واقعہ اس طرح تسلیم کی جائے کہ حجاز سے کوئی صاحب عمان گئے اور ان کی تبلیغ یا باتوں سے متاثر ہو کر مازن اسلام کی طرف راغب ہو گئے (ہو سکتا ہے کہ یہ صاحب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعی / قاصد ہوں اور اس علاقے کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے وہاں پہنچے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت مازنؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور یہ اشعار پڑھے

یا رسول اللہ! میری اونٹنی آپ کی طرف اٹھ دوڑی اور عمان سے عرج تک صحراؤں اور بیابانوں کو طے کرتی چلی گئی

تاکہ آپ یا رسول اللہ! جو ان تمام لوگوں سے بہتر ہیں جن کو ان سنگریزوں پر چلنے کا اتفاق ہوا، میرے شفیع بنیں اور میرا رب میرے گناہ معاف کر دے اور پھر میں اپنے گھر فلج لوٹ جاؤں۔

ان لوگوں کی طرف جن کا دین میں نے چھوڑ دیا ہے اب نہ تو ان کا دین میرا دین ہے اور نہ ان کا گروہ میرا گروہ ہے۔

میں نے اپنی ساری جوانی عیاشی اور بادہ خواری میں گنوا دی یہاں تک کہ یہ برائیاں میرے رگ و ریشے میں سرایت کر گئیں۔

(پھر) اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بادہ خواری سے نجات دی اور میرے دل میں اپنا ڈر پیدا کر دیا پس بدکاری کے بجائے میں نے پرہیزگاری اختیار کی اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت میں کامیاب ہو گیا۔

اب میری خواہش اور ارادہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا، اسی طرح رضائے الٰہی کی خاطر روزے رکھوں گا اور حج کروں گا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مازنؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا کہ میں بنو خطامہ کا ایک فرد ہوں، اپنی ساری دولت لہو و لعب میں ضائع کر دی۔ اب مفلس اور قلاش ہو گیا ہوں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمائے (اُسُدالغابہ)

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ حضرت مازنؓ نے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں شراب، راگ رنگ اور عورتوں کا رسیا ہوں، ان افعال میں میری عزت اور دولت برباد ہو رہی ہے اور میں بے اولاد بھی ہوں، میرے لیے دعا فرمائیں کہ ان افعالِ بد سے چھٹکارا حاصل ہو۔ (الاستیعاب)

بہر صورت رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے لیے دُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام افعالِ شنیعہ سے نجات دی (اگر وہ انہیں پہلے ہی نہیں چھوڑ چکے تھے) پھر انہوں نے چار شادیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولادِ نرینہ سے نوازا۔ ساتھ ہی ان کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ انہوں نے قرآنِ کریم کا کافی حصہ (یا کئی سورتوں کو) حفظ کر لیا اور کئی حج کیے ——— حضرت مازن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ماعزؓ بن مالک الاسلمی

اربابِ سیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا اور صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ اسلم سے تھا۔ یہ قبیلہ اسلم بن افصیٰ (یا اس کے بھائی مالک بن افصیٰ) کی اولاد سے تھا اس لیے اس قبیلے کے لوگوں کو بنو اسلم بن افصیٰ بھی کہا جاتا تھا اور بنو مالک بن افصیٰ بھی۔ یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک بطن تھا۔ اس کی جائے سکونت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منوّرہ یا اس کے نواح میں آباد تھے اور بعض کا بیان ہے کہ ان کی سکونت مرالظہران کے قرب و جوار میں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب آباد تھے۔ اصل میں بنو خزاعہ کی بہت سی شاخیں تھیں جو مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ اسی طرح بنو اسلم کا نام بھی مختلف قبائل کے لیے بولا جاتا تھا جو مختلف مقامات پر آباد تھے۔ بنو اسلم کی جس شاخ سے حضرت ماعزؓ بن مالک کا تعلق تھا، ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق وہ مدینے میں بس گئی تھی۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے حضرت ماعزؓ کو مدنی صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

حضرت ماعزؓ بن مالک کے قبولِ اسلام کا زمانہ کسی نے صراحت کے ساتھ متعین نہیں کیا اور یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ اپنے قبیلے کے ساتھ کسی وقت مشرّف بہ اسلام ہوئے ہوں گے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ بنو اسلم کا ایک وفد فتح مکہ کے بعد عمیرؓ بن افصیٰ کی قیادت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان اصحاب نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا:۔۔۔۔۔

"یا رسول اللہ! ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپؐ کے طریقے کی پیروی اختیار کی ہے۔ آپ ہمیں ایسا مقام عطا فرمائیں کہ ہم دوسرے قبائل کے سامنے اپنا سر عزت کے ساتھ بلند کر سکیں۔ ہم

انصار کے بھائی ہیں، ہر سختی اور آسائش میں آپؐ سے وفا کریں گے اور آپؐ کی مدد کریں گے۔"

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اللہ قبیلۂ اسلم کو سلامت رکھے اور قبیلۂ غفار کی مغفرت فرمائے۔"

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ عمیرؓ بن افصٰی قبیلہ اسلم کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم لوگ سرداران عرب میں سے ہیں اور دشمن کا مقابلہ تیروں، نیزوں اور مضبوط زرہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ جو ہم سے لڑتا ہے ہم اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔"

پھر انہوں نے انصار کے بہت سے فضائل بیان کیے۔ اس پر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عمیرؓ بن افصٰی اور ان کے ساتھیوں کو ایک تحریر عطا فرمائی۔ اس میں صدقہ اور چوپایوں کے فرض صدقات کا ذکر تھا۔ یہ تحریر سمندر کے کنارے اور ہموار زمین کے رہنے والے قبیلہ اسلم سمیت سب قبائل کے لیے تھی۔

ان روایتوں میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ بنو اسلم نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا یا وہ اس سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن ان روایتوں کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ بنو اسلم فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور اب وہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرنے کے لیے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تھے۔ بہر صورت حضرت ماعزؓ بن مالک کا اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ شرفِ اسلام و صحابیت سے بہرہ ور ہونے پر اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔

حضرت ماعزؓ بن مالک بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ بنو اسلم کے ایک نیک دل شخص ہزالؓ نے ان کی پرورش اور تربیت کی[1]۔ خود حضرت ہزالؓ کا بیان ہے کہ ماعز کے

---

[1] حضرت ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار "اصحاب الشجرہ" میں ہوتا ہے (یعنی وہ اصحاب (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

والد نے مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں وصیت کی تھی۔ چنانچہ وہ میرے ہاں تھا اور میں نے جہاں تک ممکن ہے، بہت اچھے طریقے سے اس کی پرورش کی۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت ماعزؓ جوان ہوئے تو ان کی شادی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکا عطا کیا۔ اسی زمانے میں بتقاضائے بشریت ان سے زنا کی لغزش سرزد ہو گئی۔ وفورِ جذبات میں وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے لیکن اس فعلِ شنیع کے ارتکاب کے بعد ہوش آیا تو اپنی حرکت پر اس قدر نادم ہوئے کہ لمحہ بھر چین نہ پڑتا تھا۔ اسی حالت میں اپنے مربی حضرت ہزالؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں نے آج مہیرہ نامی ایک عورت سے اپنی (ناجائز) خواہش پوری کر لی، (ایک روایت کے مطابق مہیرہ بنو اسلم کی ایک لونڈی تھی)۔ اب میں اپنی حرکت پر سخت نادم ہوں۔ آپ مشورہ دیں کہ کیا کروں۔

حضرت ہزالؓ کے بیٹے نعیمؓ بن ہزالؓ کا بیان ہے کہ اس مشورہ سے حضرت ہزالؓ کا مقصد یہ تھا کہ ماعز کے لیے نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے حدیث و سِیَر کی مستند ترین کتابوں میں ان کا ذکر (کسی میں اختصار کے ساتھ اور کسی میں تفصیل کے ساتھ) موجود ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان میں سے کچھ احادیث یہاں نقل کر دیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے پاس قبیلہ اسلم کا ایک شخص آیا اور ان سے کہا، مجھ سے زنا کا فعل (شنیع) سرزد ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے) ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا لیکن ان کے صحابی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت معاویہ بن قرہ نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ تم لوگ بعض اوقات ایسے گناہ کر بیٹھتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں حالانکہ ہم انہی گناہوں کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں ہلاکت انگیز گردانتے تھے۔

حضرت ہزالؓ کے ایک بیٹے حضرت نعیمؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔

سے پوچھا، تم نے یہ بات کسی اور کو بھی بتائی ؟ اس نے کہا، نہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، تو پھر اللہ کی طرف رجوع کرو اور جو پردہ اس نے تم پر ڈالا ہے اس کو اپنے اوپر پڑا رہنے دو۔ اس لیے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اس کو چین نہ آیا اور وہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس آیا اور ان کے سامنے بھی وہی کچھ بیان کیا جو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے بیان کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسے وہی مشورہ دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔

(موطا امام مالکؒ، کتاب الحدود)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعزؓ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اپنی لغزش سے آگاہ کیا۔ دونوں بزرگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ اس پر پردہ پڑا رہنے دیں اور سچے دل سے توبہ کریں لیکن ان کو قرار نہ آیا اور وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (مسلمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس آدمی نے آپؐ کو آواز دی اور کہا، یا رسول اللہ! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ آپؐ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی (اس کی طرف سے منہ پھیر لیا) اس آدمی نے آپؐ کو متوجہ کرنے کی چار مرتبہ کوشش کی۔ پھر جب اس نے چار دفعہ قسم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر پوچھا، کیا تو پاگل تو نہیں ؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے پوچھا، کیا تو شادی شدہ ہے ؟ وہ بولا، جی ہاں۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، لوگو اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور کہنے لگا کہ میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ پھر اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کیا۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے رجم کیے جانے کا حکم دیا۔ پس اسے رجم کیا گیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا۔

(صحیح بخاری)

(۴) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اس (ماعزؓ) کو رجم کرنے والوں میں شامل تھا۔ جب ہم اسے لے کر (شہر سے باہر) چلے اور اس پر پتھر برسانے شروع کیے تو وہ شدتِ درد سے چلا اٹھا اور کہنے لگا، لوگو مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس واپس لے چلو، میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا ڈالا۔ انہوں نے مجھے دھوکے میں رکھا، وہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجھے قتل نہیں کرائیں گے۔ لیکن ہم نے اسے اس وقت چھوڑا جب وہ مر چکا تھا۔ پھر جب ہم نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس واپس آئے اور آپؐ کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا، تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ تم اسے میرے پاس (واپس) کیوں نہیں لے آئے؟ (ابوداؤد، کتاب الحدود باب فی الرجم)

(۵) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ہزالؓ سے فرمایا، اے ہزال تم نے اپنے یتیم کے ساتھ بہت برا کیا، تم اس کے جرم پر پردہ ڈالتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۴، ص ۳۲۴)

(۶) (حضرت ماعزؓ کے رجم کیے جانے کے بعد) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ میں سے ایک صاحب کو اپنے ایک ساتھی سے یہ کہتے سنا کہ اس شخص کو دیکھو، اللہ نے اس کے کام پر پردہ ڈال دیا تھا مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خاموش رہے۔ پھر (صحابہ کی معیت میں) آپ کچھ آگے گئے تو دیکھا کہ ایک گدھے کی سڑی ہوئی لاش پڑی ہے جس کی ٹانگیں اکڑنے کی وجہ سے اوپر اٹھی ہوئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، فلاں اور فلاں (ایسی اور ایسی گفتگو کرنے والے)

کہاں ہیں ؟ انہوں نے عرض کیا ، یارسول اللہ ! ہم یہاں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ، اترو اور اس گدھے کی لاش کو کھاؤ ۔ انہوں نے عرض کیا ، یا نبی اللہ ! اس کو کون کھائے گا ؟ آپؐ نے فرمایا ، ابھی ابھی اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے سے جو کچھ تمہیں ملا وہ اس (گدھے کی لاش کھانے) سے زیادہ بُرا تھا ۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے وہ تو اب جنّت کی نہروں میں تیر رہا ہے (غوطے لگا رہا ہے)

(ابوداؤد ، کتاب الحدود ، باب فی الرجم)

۷) صحابہؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا ، یارسولؐ اللہ ! آپ اس (ماعزؓ) کا جنازہ پڑھائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا ، نہیں ۔ راوی کا بیان ہے کہ جب اگلا دن ہوا تو آپؐ نے فرمایا ، اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھو ۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور دوسرے لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھا ۔

(عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری کتاب الحدود باب الرجم بالمصلی ج ۱۲ ص ۱۳۱)

۸) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (اس واقعہ کے دو تین دن بعد) تشریف لائے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ، آپؐ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے ۔ پھر فرمایا ، ماعز بن مالک کے لیے مغفرت کی دعا کرو ۔ راوی کہتے ہیں کہ (دعا کے بعد) لوگوں نے پوچھا ۔ کیا اللہ نے ماعز بن مالک کی مغفرت کردی ۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ، اُس نے ایسی توبہ کی کہ تمام اُمّت پر تقسیم کردی جائے تو سب کے لیے کافی ہو ۔

(صحیح مسلم ، کتاب الحدود ، باب من اعترف علیٰ نفسہ بالزنا)

۹) حضرت ماعزؓ کے واقعۂ رجم سے متعلق احادیث میں کچھ مزید تفصیلات بھی ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

حضرت ماعزؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا ، یارسول اللہ طہّرنی (اے اللہ کے رسول ! مجھے پاک کر دیجیے) میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں ۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ویحک ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ (واپس چلا جا اور اللہ سے توبہ واستغفار کر) مگر انہوں نے دوبارہ وہی بات کہی۔ آپؐ نے پھر اعراض فرمایا۔ انہوں نے وہی بات تیسری بار کہی۔ آپؐ نے پھر اعراض کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو متنبہ کیا کہ اگر تو نے چوتھی بار اقرار کیا تو رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم تجھے رجم کرا دیں گے مگر وہ نہ مانے اور چوتھی مرتبہ اپنی بات کا اعادہ کیا۔ اس پر آنحضور صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے متوجہ ہو کر ان سے پوچھا، شاید تو نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی ہو یا بُری نظر سے دیکھا ہو...... انہوں نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا تو اس سے ہم بستر ہوا؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ پھر آپؐ نے پوچھا، کیا تو نے اس سے صحبت کی؟ انہوں نے کہا، ہاں۔

آپؐ نے پھر پوچھا، کیا تو نے اس سے مجامعت کی۔ انہوں جواب دیا، ہاں۔
پھر آپؐ نے واضح الفاظ میں پوچھا، حتّٰی غاب ذلک منک فی ذلک منھا انہوں نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے پھر پوچھا، "کما یغیب المیل فی المکحلۃ والرشاء فی البئر" انہوں نے کہا، ہاں۔
پھر آپؐ نے پوچھا، کیا تو جانتا ہے کہ زنا کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں! میں نے اس کے ساتھ حرام طریقے سے وہ کام کیا جو ایک شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی سے کرتا ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے پوچھا، کیا تو پاگل ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔
پھر پوچھا، کیا تو شادی شدہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں۔
اب آپؐ نے پوچھا، تو نے شراب تو نہیں پی ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔
ایک آدمی نے ان کا منہ سونگھا اور ان کے شراب نہ پینے کی تصدیق کر دی۔ پھر آپؐ نے ان کے اہلِ قبیلہ سے ان کے چال چلن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے گواہی دی کہ یہ کوئی بدکردار آدمی نہیں تھا ——— بس یہ ایک گناہ

کر بیٹھا ہے۔ ("حدیثِ رحم" از مولانا رفیق احمد چودھری ص ۱۷۴/۵، اور سیر الصحابہ جلد ہفتم ترجمہ حضرت ماعزؓ بن مالک)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی تالیف "سیر الصحابہ جلد ہفتم" میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس میں شبہ نہیں کہ ماعزؓ کی یہ لغزش ان کے مرتبۂ صحابیت سے فروتر تھی ــــــ لیکن اس کے دوسرے روشن پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس واقعہ میں ان کی فطری کمزوری سے زیادہ اہلِ نظر کو ان کے قلب کی صفائی اور ان کی روح کی پاکیزگی نظر آتی ہے۔

اس واقعہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں میں ہر طرح کے اخلاقی نمونے پیدا کیے تھے۔ ان نمونوں میں ایک ایسی مثال کی بھی ضرورت تھی کہ اگر کوئی مسلمان فطرت کی کمزوری سے آلودہ معصیت ہو جائے تو اس کا کفارہ کس طریقہ سے ادا کرنا چاہیئے۔ اس نمونہ کے لیے ماعزؓ کی ذات انتخاب ہوئی جنھوں نے ایک لغزش کی سزا میں دنیا کی رسوائی اور انتہائی دردناک سزا برداشت کر کے مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ اس طرح دنیا میں گناہوں کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔"

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ــــ "جس شخص سے کوئی علم کی بات دریافت کی گئی پھر اس نے اسے پوشیدہ رکھا، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔" (ابوداؤد)

حضرت مالکؓ بن اَوْس نَصْری

ان کا تعلق بنو ہوازن کی شاخ بنی نصر بن معاویہ سے تھا۔
سلسلۂ نسب یہ ہے :
مالکؓ بن اوس بن حرثان بن حارث بن عوف بن ربیعہ بن
یربوع بن واثلہ بن دہمان بن نصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن
حضرت مالکؓ زمانۂ جاہلیت کے شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔

ارباب سِیَر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانے کی تصریح نہیں کی، صرف اتنا لکھا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت مالکؓ بن اوس نے شام جا کر رومیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔
علامہ ابنِ اثیرؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت مالکؓ وہاں موجود تھے۔

انہوں نے سنہ ۹۲ ہجری میں بمقام مدینہ مُنوّرہ وفات پائی۔

حضرت مالکؓ بن اوس سے مروی چند احادیث کُتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔ انہوں نے عشرہ مبشرہ کے علاوہ حضرت عباسؓ سے بھی روایت کی ہے۔ خود ان کے رواۃِ حدیث میں محمدؒ بن جبیرؓ بن مطعم، زہریؒ اور منکدرؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مالکؓ بن ثعلبہ

کتبِ سیر میں نہ ان کا نسب نامہ بیان کیا گیا ہے اور نہ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین کیا گیا ہے البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت مالکؓ بن ثعلبہ عہدِ رسالت کے ایک امیر کبیر نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلبِ گداز سے نوازا تھا۔ ایک دن وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے قریب سے گزرے۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورۂ توبہ آیۃ ۳۴)

(اور جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو (یومِ آخرت کے) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو)

حضرت مالکؓ کے کان میں یہ الفاظ پڑے تو ان پر اللہ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہؐ! جو آیت آپ تلاوت فرما رہے تھے کیا یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے سونے چاندی کے خزانے جمع کیے ہوں۔“

حضورؐ نے فرمایا: ”ہاں مالک! بات تو یہی ہے۔“

اس پر حضرت مالکؓ نے کہا۔ ”یا رسول اللہؐ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبوت عطا کی شام ہونے سے پہلے میں اپنا سارا مال و متاع اللہ کی راہ میں صرف کر دوں گا۔“

انہوں نے اپنا یہ عہد سچ کر دکھایا اور شام ہونے سے پہلے اپنا تمام مال اسباب راہِ خدا میں دے ڈالا —— اس ایک واقعہ کے سوا اور کوئی بات ان کی زندگی کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ (اُسد الغابہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مالکؓ بن زمعہ عامری

قریش کے خاندان عامر بن لوئی سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
مالکؓ بن زمعہ بن قیس بن عبدِ شمس بن عبدِ وُدّ بن نصر بن مالک
بن حسل بن عامر بن لوئی۔

والدہ کا نام سموس بنت قیس تھا جو انصار کے خاندان بنی نجار سے تھیں ام المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مالک بن زمعہ کو نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت مالکؓ نے اس پر فوراً لبیک کہا اور بلاکشانِ اسلام یا سابقین اوّلین کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس سعادت اندوزی میں ان کی اہلیہ حضرت عمرہ بنت السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان کی شریک تھیں۔ (بعض نے ان کا نام عمیرہ لکھا ہے۔) ۵ھ بعدِ بعثت میں حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ اس ہجرت کو ہجرت حبشہ ثانیہ کہا جاتا ہے اس میں سو کے لگ بھگ مسلمان مرد اور خواتین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر ایک قافلہ بنا کر حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔

ہجرتِ حبشہ کے بعد حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی پردہ خفا میں ہیں یہاں تک کہ کسی نے ان کا سالِ وفات بھی نہیں لکھا صرف اتنا معلوم ہے کہ وفات کے بعد آئندہ نسل نہ چلی۔ اُن کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ السابقون الاوّلون کی مغفور جماعت میں شامل ہیں اور راہِ حق کے ان مسافروں میں سے ہیں جنہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنے وطن اور گھر بار کو خیرباد کہہ کر غریب الوطنی کی زندگی اختیار کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مالکؓ بن سِنان خُدری انصاری

خزرج کے خاندان خُدرہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن ابجر (خدرہ) بن عوف بن حارث بن خزرج۔

والد سنان رئیس محلہ تھے اور شہید کے لقب سے مشہور تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ نہ پایا اور ہجرتِ نبوی سے کئی سال پہلے فوت ہو گئے۔

حضرت مالکؓ نے ہجرتِ نبوی سے کوئی دس سال پہلے بنو عدی بن نجّار کی ایک بیوہ خاتون انیسہؓ بنتِ ابی حارثہ سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادے "سعد" پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی کنیت "ابوسعید" سے شہرت پائی اور عظیم المرتبت صحابہ میں شمار ہوئے۔

سنہ ۱۱ نبوت اور سنہ ۱۲ نبوت میں مدینہ کے جو اصحاب بیعت عقبہ سے سرفراز ہوئے انہوں نے واپس آکر بڑی تندہی سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مالکؓ بن سنان اسی زمانے میں مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ سعادتمند بیوی نے بھی ان کی پیروی کی۔ کمسن فرزند ابوسعیدؓ (خُدری) کے کسی دوسری طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔

حضرت مالکؓ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے مگر اگلے سال (سنہ ۳ ہجری) میں غزوۂ اُحد میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ تیرہ سالہ فرزند (ابوسعید خدریؓ) بھی ساتھ تھے اور حضرت مالک کی دلی خواہش تھی کہ وہ بھی کافروں کے خلاف لڑیں۔ چنانچہ لڑائی سے پہلے انہوں نے

بیٹے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور درخواست کی کہ انہیں بھی لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے۔ حضور نے حضرت ابوسعیدؓ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور ان کی عمر دریافت کی۔ جب آپؐ کو بتایا گیا کہ انہوں نے ابھی عمر کی تیرہ منزلیں طے کی ہیں تو آپؐ نے ان کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی کیونکہ آپؐ کا معمول تھا کہ پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت مالکؓ نے حضورؐ کا فیصلہ سن کر بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر آپؐ کو دکھایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اس کے ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں (اس لیے اسے لڑنے کی اجازت دے دیں) مگر حضورؐ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔

لڑائی کا آغاز ہوا تو حضرت مالکؓ سر بکف ہو کر لڑے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر زخم آیا تو حضرت مالکؓ نے آگے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے اسے چوس کر نگل لیا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا، جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا ہو تو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

اس کے بعد وہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی ——— حضرت مالکؓ کے والد اگرچہ رئیس محلہ تھے مگر ان کے بعد حضرت مالکؓ کو کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ وہ تنگ دست ہو گئے مگر بڑے صابر اور غیور تھے کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ ایک موقع پر وہ تین دن بھوکے رہے مگر کسی سے کچھ نہ مانگا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا، جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کی پارسائی نے اسے سوال کرنے نہ دیا ——— وہ مالک بن سنان کو دیکھے۔ اس روایت کے مطابق حضرت مالکؓ بن سنان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک پارسا آدمی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مالکؓ بن عبداللہ خزاعیؓ

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ کسی نے عبیداللہ، کسی نے ابن ابی عبیداللہ اور کسی نے عبداللہ لکھا ہے۔ عبداللہ ہی زیادہ مشہور ہے۔

خاندانی تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔

قبول اسلام کا زمانہ کسی نے متعین نہیں کیا لیکن یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور بعض غزوات میں آپؐ کے ہم رکاب رہے۔ خود ان سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ غزوات میں شریک رہا اور آپؐ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں۔ میں نے کوئی ایسا امام نہیں دیکھا جو فرض نمازوں میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرح مقتدیوں کی آسانی کا خیال رکھتا ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت مالک بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اس لیے ان کا شمار کوفی صحابہ میں ہوتا ہے۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو اور میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا، ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا، تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔"

(سنن نسائیؒ)

حضرت مالکؓ بن عوف نصری

ان کا تعلق بنو ہوازن کی شاخ بنی نصر سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔ مالک بن عوف بن سعد بن ربیعہ بن یربوع بن وائلہ بن دہمان بن نصر بن معاویہ بن بکر ہوازن النصری۔ ان کی کنیت ابو علی تھی۔ وہ اپنے قبیلے کے نامی بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ بنو ہوازن کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی ۸ھ ہجری تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ رمضان ۸ھ ہجری میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا تو وہ ہیبتِ حق سے مرعوب ہونے کے بجائے چڑ گئے اور اہلِ حق سے نبرد آزما ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف لشکر جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور بنو ثقیف، بنو سعد، بنو بکر وغیرہ بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی کے نتیجے میں غزوہ حُنین پیش آیا۔ میدانِ کارزار میں وہ خود رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے مگر ان کا گھوڑا "حجاج" اڑ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلا۔ اس طرح وہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو کوئی گزند پہنچانے میں ناکام رہے۔ جب مشرکین کو شکست ہوئی تو مالکؓ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ان کے فرار کی خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا :

"اگر مالک بن عوف اسلام قبول کر کے میرے پاس آجائے تو میں اس کے اہل و عیال اور مال و متاع کو اس کے سپرد کر دوں گا۔"

حضرت مالکؓ بن عوف کو کسی ذریعہ سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ارشاد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً اسلام قبول کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ اس وقت جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مالکؓ نے اسلام لانے سے پہلے یہ دو شعر کہے :

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمَا اَرَی | فِی النَّاسِ کُلِّھِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٖ
اَوْفٰی وَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ اِذَا اجْتُدِیْ | وَمَتٰی تَشَاءُ یُخْبِرْکَ عَمَّا فِیْ غَدٖ

(ترجمہ) جیسا کہ میرا اندازہ ہے نہ تو میں نے دیکھا اور نہ سُنا مُحَمَّد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرح کا کوئی آدمی تمام انسانوں میں آپؐ بڑے باوفا ہیں اور جب بخشنے پر آئیں تو بہت بڑے کریم ہیں اور اگر تو چاہے تو تجھے کل پیش آنے والے واقعات کی خبر دیں گے۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت مالکؓ بن عوف کے قبولِ اسلام کو بنظرِ استحسان دیکھا اور ان کو مالِ غنیمت میں سے سَو اونٹ مرحمت فرمائے جس طرح کہ دوسرے مؤلفۃ القلوب کو عنایت فرمائے تھے۔ پھر آپؐ نے انہیں اپنی قوم اور قیس عیلان کے قبائل کا عامل مقرر فرمایا اور انہیں طائف پر چڑھائی کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور اہلِ طائف کو اس قدر زِچ کیا کہ اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت مالکؓ بن عوف نہایت پکّے اور مخلص مسلمان ثابت ہوئے اور اپنے حسنِ کردار سے گذشتہ اعمال کی تلافی کر دی۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد انہوں نے شام میں رومیوں کے خلاف اور عراقِ عرب میں ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اہلِ سِیَر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ فتحِ دمشق میں شریک تھے۔ اسی طرح وہ قادسیہ کی خونریز لڑائی میں بھی شریک تھے جو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں لڑی گئی۔

ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت مالکؓ بن نُمَیلہ مُزَنی

ان کا خاندانی تعلق بنو مُزَینہ سے تھا اور مدینہ منورہ میں اَوس کی شاخ بنی معاویہ کے حلیف تھے۔

والد کا نام ثابت بن مُزَینہ تھا اور ماں کا نام نُمَیلہ (ایک روایت میں نملہ بھی آیا ہے) انہوں نے والدہ کی انبیت سے شہرت پائی۔

حضرت مالکؓ بن نُمَیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس مقدس اور مغفور جماعت کے ایک معزز رکن ہیں جس کو غزوۂ بدر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت مالک بن نُمَیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ غزوۂ اُحد (شوال ۳ ہجری) میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اسی غزوے میں مشرکین کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبوی ﷺ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں رِفق اور نرمی کو دوست رکھتا ہے۔ (صحیحین)

حضرت مُنبعث محاربی رضی اللہ عنہ

ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ نام اور قبیلے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

ابنِ ماکولاؒ نے ان کا نام حمزہ بن عمرو لکھا ہے اور کنیت ابو صالح بتائی ہے۔

ابو حاتم رازیؒ کے قول کے مطابق ان کا نام یا لقب مُنبعث تھا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان کا نام حمزہ تھا۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بدل کر مُنبعث رکھ دیا۔

ابنِ ماکولاؒ نے ان کا تعلق بنو اسلم سے، ابنِ اثیرؒ نے بنو سُلیم سے اور حافظ ابنِ عبد البرؒ نے بنو محارب سے بتایا ہے۔ واللہ اعلم

قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے لیکن عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں شریک ہوئے۔ خود ان سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتا تھا۔ اصحابِ رسولؐ میں بعض رمضان کے روزے رکھتے تھے لیکن کوئی شخص دوسرے سے تعرض نہیں کرتا تھا۔

(الاستیعاب۔ اُسد الغابہ۔ طبرانی)

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں الرحمٰن ہوں میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

(ابو داؤد)

حضرت محجنؓ بن ادرع اسلمی

خاندانی تعلق بنو اسلم بن افصیٰ سے تھا۔ ابو احمد عسکریؒ نے ان کو بنو سلیم سے بتایا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ اسلم بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے۔ تمام ارباب سیر نے ان کو قدیم الاسلام صحابی بتایا ہے لیکن تعجب ہے کہ عہد رسالت کے کسی غزوے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔

حضرت محجنؓ تیر اندازی سے خاص شغف رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس کی مشق کرتے رہتے تھے۔ صحیح بخاری (کتاب الجہاد) میں ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے قبیلے (بنو اسلم) کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپؐ کو سپاہیانہ کھیل بہت پسند تھے۔ چنانچہ آپؐ بھی تیر اندازی کی مشق میں شریک ہو گئے اور فرمایا، اے بنی اسمٰعیل تیر اندازی کرو تمہارے باپ اسمٰعیلؑ بھی تیر انداز تھے۔ میں فلاں کے ساتھ ہوں۔

ابن سعدؒ نے طبقات میں حضرت محجنؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ابن الادرع کے ساتھ ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت محجنؓ بن الادرع مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت محجنؓ نے بصرہ میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔ کچھ مدت کے بعد بصرے کی سکونت ترک کر کے پھر مدینہ منورہ آ گئے اور یہیں امیر معاویہؓ کے عہد خلافت کے اواخر میں وفات پائی۔ ان سے حنظلہؒ بن علی اور رجاءؒ بن ابی رجا نے روایت کی ہے۔

امام ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنی مسند میں رجاءؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک

دفعہ محجنؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجد تک لے گئے۔ وہاں مسجد کے دروازے پر بریدہ اسلمیؓ بیٹھے ہوئے تھے اور مسجد میں سکبہؓ (بن حارث اسلمی) نامی ایک صاحب طول طویل نماز پڑھ رہے تھے۔ بریدہؓ میں مذاق کی عادت تھی۔ انہوں نے مزاحاً حضرت محجنؓ سے کہا، اے محجن! کیا تم سکبہ کی طرح ایسی طویل نماز نہیں پڑھنا چاہتے؟ حضرت محجنؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ (بریدہؓ) کہنے لگے، ایک دفعہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجد کو لے چلے۔ وہاں ایک شخص (طویل) رکوع و سجود میں مشغول تھا۔ حضورؐ نے پوچھا، یہ کون ہے؟ محجن نے بتایا کہ یہ فلاں آدمی ہے۔ پھر انہوں نے اس کی بے حد تعریف و توصیف کی۔ حضورؐ نے فرمایا، تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو ورنہ تمہیں تباہ کر دے گا۔ جب حضورؐ حجرے کے پاس پہنچے تو میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور فرمایا، دین کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی آسانی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے (یعنی دین میں آسانی پیدا کی جائے۔)

(صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد۔ اُسد الغابہ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت جُندُب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:-

"جو شخص دکھاوے اور شہرت کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے۔ اللہ قیامت کے دن اس کے عیبوں کی تشہیر کرے گا اور جو شخص دکھاوے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ریاکاروں کی سزا دے گا۔"

(صحیحین)

حضرت محرزؓ بن عامر انصاری

ان کا خاندانی تعلق خزرج کی معزز شاخ بنی نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

محرزؓ بن عامر بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار

غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر رمضان ۲ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

نہایت مخلص مسلمان تھے لیکن افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور غزوۂ بدر کے بعد انہیں اور کسی غزوے میں شریک ہونے کی مہلت نہ ملی۔

شوال ۳ ہجری میں انہوں نے غزوۂ احد میں شریک ہونے کی تیاری کر لی تھی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عین اس دن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، حضرت محرزؓ نے صبح کے وقت وفات پائی۔ تاہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان مجاہدوں میں شمار کیا جو فی الحقیقت لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت محرزؓ لاولد فوت ہوئے۔

غزوۂ بدر کے بعد وہ صرف ایک سال جیے مگر ان کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ وہ اصحاب بدر کی مغفور جماعت کے ایک رکن ہیں اسی شرف نے انہیں حیاتِ جاوید عطا کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ اس وقت تک کہ جب تک گھر واپس نہ آجائے اللہ کی راہ میں ہے۔"

(جامع ترمذی۔ مسند دارمی)

حضرت محمدؓ بن عاصمؓ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

محمدؓ بن عاصمؓ بن ثابت بن قیس ابی الاقلح بن عصمہ بن نعمان بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس اوسی انصاری۔

حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری کا شمار جلیل القدر انصاری صحابہ میں ہوتا ہے [1]

حضرت محمدؓ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام سب سے پہلے ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری میں بیعت رضوان کے ضمن میں نظر آتا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ اس

---

[1] حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرت نبوی کے بعد سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان سنہ ۲ ہجری) میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اس غزوے میں انہوں نے قریش مکہ کے ایک شریر النفس رئیس عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا۔ اگلے سال غزوۂ احد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس غزوے میں انہوں نے مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ کو تیر مار کر ہلاک کیا۔ ایک مشرک ابوعزہ جمحی گرفتار ہو کر آیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حیلہ و فریب کی پاداش میں حضرت عاصمؓ کے حوالے کیا۔ انہوں نے اس کی گردن اڑا دی۔ اواخر سنہ ۳ ہجری یا اوائل سنہ ۴ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عضل اور قارہ کے چند آدمیوں کی درخواست پر دس صحابہ

سے پہلے کم عمری کی بنا پر کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ حافظ ابن مندہؒ نے بیعتِ رضوان میں ان کی شرکت کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے گویا وہ "اصحاب الشجرہ" کی مقدس جماعت کے ایک رکن ہیں۔ ان اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ بیعتِ رضوان کی عظیم سعادت حاصل کرنے کے علاوہ حضرت محمدؓ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عہدِ رسالت کے ان غزوات (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک) میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا جو صلح حدیبیہ کے بعد پیش آئے۔ سالِ وفات کے بارے میں کتبِ رجال خاموش ہیں۔ اولاد میں ایک بیٹے احوص کا نام ملتا ہے۔ ان کا شمار عرب کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ کی ایک جماعت کو تبلیغ اسلام اور تعلیم قرآن کے لیے ان قبائل کی طرف روانہ کیا۔ اس جماعت میں حضرت عاصمؓ بھی شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں جماعت کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ جب یہ جماعت مکہ اور عسفان کے درمیان رجیع نام کے ایک چشمے کے قریب پہنچی تو عضل اور قارہ کے لوگوں نے غداری کی اور مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کو گھیر لیا۔ حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت عاصمؓ سمیت آٹھ مجاہدین تو مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ انصاری مشرکین کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ مشرکین نے انہیں مکے لے جا کر مشرکین قریش کے پاس فروخت کر دیا۔ انہوں نے اشہرِ حرم گزرنے کے بعد انہیں سُولی پر چڑھا کر شہید کر ڈالا۔ اُدھر حضرت عاصمؓ نے شہادت سے پہلے دعا کی تھی کہ ان کے جسم کو کوئی مشرک مَس نہ کرے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ان کی شہادت کے بعد شہد کی مکھیوں نے لاش کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کفار اس کے قریب نہ جا سکے۔ رات کو موسلا دھار بارش ہوئی جس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت عاصمؓ کا جسدِ اطہر اسی میں بہہ گیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ایک بیٹی حضرت جمیلہؓ کی شادی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ہوئی تھی۔ عاصم بن عمرؒ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت محمدؓ بن عبداللہؓ بن جحش اسدی

حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن جحش کے فرزند تھے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے[1] اور اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے اس نسبت سے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے ہوتے تھے۔ ان کا تعلق بنی غنم بن دُودان سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمدؓ بن عبداللہؓ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دُودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

حضرت محمدؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ ابی خنیس تھا —— ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور وہ بنو امیہ کے حلیف تھے۔

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت محمدؓ ہجرتِ نبوی سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئے مگر ابن الاثیر کہتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۶ بعد بعثت میں اپنے والدِ گرامی

---

[1] سیدنا حضرت ابو محمد عبداللہؓ بن جحش، السابقون الاولون کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن ہیں۔ انہوں نے سنہ ۵ بعد بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر حبش کی طرف ہجرت کی۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے مکہ آئے اور پھر اذنِ ہجرت ہونے پر اپنے سارے خاندان کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عاصمؓ بن ثابت بن ابی اقلح انصاری کا "مواخاتی" بھائی بنا دیا۔

رجب سنہ ۲ ہجری میں حضورؐ نے ایک سریہ کی امارت پر مامور فرمایا۔ نخلہ کے مقام میں ان کی مشرکین کے ایک تجارتی قافلے سے مڈبھیڑ ہو گئی اس میں ایک مشرک مارا گیا اور دو کو گرفتار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ اگر واقدی کا بیان درست تسلیم کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی مگر ارباب سیر نے مہاجرین حبشہ کی جو فہرست دی ہے اس میں نہ حضرت عبداللہؓ بن جحش کی اہلیہ کا نام نظر آتا ہے اور نہ حضرت محمدؓ کا اس لیے ان کے سال پیدائش اور ہجرت حبشہ کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ ہجرت نبوی سے کئی سال پہلے پیدا ہوئے اور ہجرت مدینہ کا اذن ہونے پر انہوں نے اپنے والد اور دوسرے اہل خاندان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کر لیا گیا۔ واپس مدینہ آئے تو ان پر اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ماہ حرام میں خونریزی کی۔ اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس اعتراض سے بری کر دیا گیا۔

(ترجمہ) لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا جائز ہے؟ کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور کفر کرنا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے زیادہ بری ہے۔ (بقرہ - ۲۷)

رمضان ۲ ہجری میں انہیں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ ۳ھ میں غزوۂ احد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اسی غزوے میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ مشرکین نے نعش مبارک کا مثلہ کیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ لڑائی سے ایک دن پہلے میں اور عبداللہ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ میں نے دعا مانگی کہ الٰہی کل جو دشمن میرے مقابل ہو وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہو اور میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں۔ حضرت عبداللہؓ نے آمین کہی اور پھر خود یہ دعا کی کہ الٰہی کل جو دشمن میرے مقابل ہو وہ سخت جنگجو اور تند خو ہو، وہ مجھے قتل کرے اور میرے کان، ناک کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے تو عرض کروں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

حضرت محمدؓ بن عبداللہؓ بن جحش کے شرفِ صحابیت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے لیکن عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا نام نظر نہیں آتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں وہ صغیر السن تھے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن جحش غزوۂ اُحد (۳ھ) کے لیے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرزند محمدؓ کا وصی (سرپرست) بنایا اور بیٹے کے لیے خیبر میں کچھ مال خریدا نیز مدینہ کے چوک دقیق میں ان کے لیے ایک مکان خریدا۔ حضرت محمدؓ کی زندگی کے باقی حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں بھی کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت محمدؓ بن عبداللہؓ بن جحش سے مروی ایک حدیث یہ ہے:

" ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لاکر رکھے جاتے تھے، بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان رونق افروز تھے۔ اچانک آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا۔ پھر نگاہ نیچی فرمائی اور ایک خاص فکرمندانہ انداز میں اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر بیٹھ گئے اور (اس حالت میں) فرمایا، سبحان اللہ، سبحان اللہ، کس قدر سخت وعید نازل ہوئی ہے۔

حدیث کے راوی محمدؓ بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے اور منتظر رہے کہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے (مگر) خیریت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کہ تیرے اور تیرے رسول کے لیے ــــ اللہ نے دونوں کی دعائیں پوری کر دیں۔ لڑائی کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت عبداللہؓ کی مثلہ کی ہوئی نعش دیکھی تو بے اختیار پکار اٹھے خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ (اُسدُ الغابہ)

رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا، (یارسول اللہ!) وہ کیا سخت وعید تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ —
آپؐ نے فرمایا، وہ سخت وعید قرض کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ قسم اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں شہید ہو اور شہادت کے بعد پھر وہ زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جا سکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔ (مُسندِ احمد)

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں یہ حدیث اور طریقے سے بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی حبہ نے باسنادہ عبداللہ بن احمد سے یہ بات بتائی کہ مجھے میرے باپ نے اور انہیں محمدؒ بن بشر نے، انہیں محمد بن عمرو نے اور انہیں ابوکثیر نے انہیں محمدؒ بن عبداللہؒ بن جحش نے بتایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا، یارسول اللہ! اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا، جنّت۔ جب وہ چلے گئے تو حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، ہاں، جبریلؑ نے ابھی میرے کان میں کہا ہے کہ قرض کا حساب کتاب دینا ہو گا۔ (اُسدُ الغابہ۔ ترجمہ محمدؒ بن عبداللہؒ بن جحش)

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مردِ مومن کے سارے گناہ راہِ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے بخش دیئے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

حضرت مرداسؓ بن مروانؓ انصاری

خزرج کے خاندان بنی سلمہ میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
مرداسؓ بن مروانؓ بن جذع بن زید (یزید) بن حارث بن
حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی انصاری۔
ان کے والد حضرت مروانؓ بن جذع کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ قبولِ
اسلام کے وقت وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔
حضرت مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں
ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں وہ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ حدیبیہ میں آپؐ کے ہم رکاب تھے اور ان
خوش بخت اصحاب میں شامل تھے جنہوں نے بیعت رضوان کا مہتم بالشان
شرف حاصل کیا۔ اس طرح وہ اصحاب الشجرہ کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے۔
اس کے بعد غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں
خیبر کی پیداوار کے دو حصوں کا امین بنایا۔
مزید حالات کسی نے بیان نہیں کیے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: "چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو، حتیٰ کہ اگر تم اپنے بھائی سے مسکرا کر
مل لو تو یہ بھی نیکی ہے۔" (مسلم)

حضرت مِرداس رضؓ بن مُوَیلِک الغنوی

بعض نے ان کے والد کا نام مالک لکھا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مرداسؓ بن مویلک (مالک) بن واقد بن ریاح بن ثعلبہ بن سعد بن عوف بن کعب بن علان بن غنم بن غنی بن اعصری الغنوی۔

ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا۔ آپؐ نے ازراہِ شفقت ان کے چہرے کو تھپتھپایا اور ان کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔ پھر آپؐ نے انہیں ایک فرمان لکھوا کر دیا اور اپنے قبیلے کے صدقات کی تولیت مرحمت فرمائی۔

ان کی زندگی کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت بہز بن حکیمؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ بھلائی کروں۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ، میں نے پھر پوچھا، اس کے بعد کس کے ساتھ۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے پھر عرض کیا، پھر کس سے۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے باپ کے ساتھ پھر قریب تر عزیز کے ساتھ اور پھر اس سے قریب تر عزیز کے ساتھ۔

(جامع ترمذی۔ سننِ ابی داؤد)

حضرت مُستَورِدبن شداد فہری

خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی فہر سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

مُستَورِد بن شدادؓ بن عمرو بن حسل (حسیل) بن لاحب بن جبیب بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر القرشی الفہری۔

والدہ کا نام دعد بنت جابر بن حسل تھا۔ وہ حضرت مُستَورِدؓ کے والد کی بنت عم تھیں اور مشہور صحابی حضرت کُرزؓ بن جابر فہری کی ہمشیرہ تھیں۔ اس نسبت سے حضرت مُستَورِدؓ حضرت کُرزؓ بن جابر کے بھانجے تھے۔[1]

حضرت مُستَورِدؓ کے والد حضرت شدادؓ بن عمرو ان کی پیدائش سے پہلے ہی

---

[1] حضرت کُرزؓ بن جابر قبول اسلام سے پہلے دوسرے مشرکین قریش کی طرح اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کی یہ دشمنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد بھی قائم رہی۔ چنانچہ ۲ ہجری میں انہوں نے مدینہ منورہ سے تین میل دور کوہ جمّاء سے متصل مسلمانوں کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور ان کے اونٹ ہانک کر اپنے ساتھ لے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ بنفسِ نفیس ان کے تعاقب کے لیے نکلے مگر وادی سفوان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کُرز بہت دور نکل گئے ہیں۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کُرزؓ کو ہدایت دی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

۶ ہجری میں قبیلہ عرینہ کے آٹھ آدمیوں نے مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کیا۔ انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ استسقاء بطحال کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہر سے کچھ فاصلے پر اپنے اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ استعمال کریں۔ وہاں انہوں نے چند دن اونٹنیوں کا دودھ پیا تو تنومند و تندرست ہو گئے۔ اب انہوں نے نمک حرامی پر کمر باندھی اور اونٹوں کو ہانک کر لے چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قبولِ اسلام اور صحابیت کے شرف سے بہرہ ور ہو چکے تھے[1]۔ ان کی کنیت اپنے بیٹے کے نام پر ابو المستَورِد تھی۔ حضرت مُستَورِدؓ نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر کے درودیوار پر اسلام کو پرتو فگن دیکھا اور اسلام کے دامن ہی میں ان کی نشوونما ہوئی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت مُستَورِد لڑکے تھے۔ تاہم ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کا موقع ملا اور انہوں نے آپؐ کے ارشادات اپنے دماغ میں محفوظ رکھے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت مُستَورِد نے کوفے کی سکونت اختیار کرلی۔ بعد میں تسخیرِ مصر کے بعد وہ مصر چلے گئے۔ چنانچہ ان سے اہلِ کوفہ اور اہلِ مصر دونوں نے روایت کی ہے۔ ان کے کوفی رواۃِ حدیث میں شعبیؒ، قیس بن ابی حازمؒ اور ربعی بن خراشؒ اور مصری رواۃِ حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے چرواہے حضرت یسار نوبیؓ نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو ان بدبختوں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے۔ اس صدمے سے وہ شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت کُرزؓ بن جابر کو بیس سوار دے کر ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ حضرت کُرزؓ ان سب کو گرفتار کر کے لے آئے۔ آپؐ نے ان کو قرار واقعی سزا دی۔

۸ھ ہجری میں حضرت کُرزؓ نے فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے میں شامل تھے۔ اتفاق سے وہ اپنی فوج سے بچھڑ کر دوسرے راستے پر جا پڑے جہاں کچھ مشرکین سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان سے لڑتے ہوئے وہ اور ان کے ایک ساتھی حضرت حبیشؓ دونوں شہید ہو گئے۔

[1] ابو المستَورِد شدادؓ بن عمرو سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کا دستِ مبارک چھوا تو وہ حریر سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ (اُسُد الغابہ)

میں ابو عبدالرحمٰن جیلیؒ، علی بن رباحؒ اور عبدالرحمٰن بن جبیرؒ شامل ہیں۔

حضرت مستورِدؓ سے مروی احادیث میں سے تین یہ ہیں:۔

(۱) میں (مُستورِد) نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

(۲) میں (مُستورِد) نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا، جب آپؐ وضو فرماتے تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) مَلتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابنِ ماجہ)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو شخص ہمارا عامل ہوا، اسے بیوی کا انتظام کرنا چاہیے اور جس کے پاس نوکر نہ ہو اور مکان ہو اسے چاہیے کہ ان دو ضرورتوں کی فراہمی کا بندوبست کرے۔

(اُسدُالغابہ)

حدیثِ نبویؐ

حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت مسعودؓ بن الاسود عدوی

خاندانی تعلق قریش کی شاخ "بنی عدی" سے تھا۔ (سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی خاندان سے تھے) نسب نامہ یہ ہے:

مسعودؓ بن الاسود بن حارثہ بن نضلہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی عدوی۔

والدہ کا نام عجماء بنتِ عامر (بن فضل بن عفیف بن کلیب بن جبشیہ بن سلول تھا)۔

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اذنِ ہجرت ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اکثر اربابِ سِیَر نے ان کی ہجرت مدینہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ وہ بنو عدی کے ان ستر اصحاب میں سے تھے جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت مسعود بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اربابِ سِیَر نے بہت کم لکھا ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے ذیقعدہ ۶ ہجری میں بیعتِ رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔ پھر جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں غزوہ موتہ میں شریک ہوئے اور اسی غزوے میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

قیاس یہ ہے کہ اس سے پہلے وہ عہدِ رسالت کے بعض دوسرے غزوات میں شریک رہے ہوں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مسعودؓ بن خَلْدَہ زُرَقی الانصاری

خزرج کے خاندانِ زُرَیق سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
مسعودؓ بن خَلْدَہ (بروایتِ دیگر خالد) بن عامر بن مُخلَّد بن زُرَیق زُرَقی الانصاری۔

غزوۂ بدر سے پہلے سعادت اندوزِ ایمان ہوئے اور پھر غزوہ بدر میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

اگلے سال (۳ ہجری میں) غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔

ایک روایت کے مطابق وہ غزوۂ بئر معونہ (۴ ہجری) میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) میں جامِ شہادت پیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ حیا اور ایمان باہم ملے ہوئے ہیں جب ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت مسعودؓ بن سوید عدوی

حضرت مسعود بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عظیم المرتبت جماعت کے ایک معزز رکن ہیں جس کو قرآنِ کریم میں "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کہا گیا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنی عدی سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:۔

مسعودؓ بن سوید بن حارثہ بن نضلہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی عَدَوی۔

وہ حضرت مسعود بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت مسعود بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرکینِ قریش کے جور و ستم کا نشانہ بن گئے لیکن وہ برابر مکہ میں مقیم رہے تا آنکہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا چنانچہ وہ بنو عدی کے انہتر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ ہجرتِ نبوی کے بعد حضرت مسعود بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس کس غزوے میں شریک ہوئے، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اس لشکر میں شامل تھے جو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں شام کی طرف بھیجا تھا۔ اس مہم کا مقصد سفیرِ اسلام حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کا بدلہ لینا تھا۔ دشمن سے اس لشکر کا سامنا مُوتہ کے مقام پر ہوا۔ حضرت مسعود بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مُطّلبؓ بن ابی وداعہ سہمی

خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنی سہم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
مُطّلبؓ بن ابی وداعہؓ بن صبیرہ بن سعید بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی۔

والدہ کا نام اروی بنت حارث بن عبدالمطّلب بن ہاشم تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں۔

ابو وداعہ کا نام حارث تھا۔ وہ ان لوگوں میں تھے جو غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) میں مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے۔ لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خائب و خاسر کیا اور ان کے ستر آدمی مقتول اور ستر مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ قیدیوں میں ابو وداعہ بھی شامل تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مکہ میں اس کا ایک بیٹا بڑا عقلمند اور مال دار ہے وہ اس کا فدیہ ادا کر کے چھڑا لے جائے گا۔ مُطّلبؓ کو یہ خبر ملی تو وہ زرِ فدیہ لے کر چپکے سے باپ کو چھڑانے کے لیے مدینے گئے اور چار ہزار درہم بطور فدیہ ادا کر کے باپ کو چھڑا لائے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ قریش کے قیدیوں میں ابو وداعہ سب سے پہلے آدمی تھے جن کا فدیہ ادا کیا گیا۔ دوسرے مشرکینِ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے مُطّلب کو ملامت کی کہ تو نے فدیہ ادا کرنے میں بہت جلد بازی کی ہے۔ انہوں نے کہا، میں اپنے باپ کو قید میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے بعد دوسرے مشرکین کو بھی اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ مدینے جائیں اور زرِ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو چھڑا لائیں۔

حضرت مُطّلبؓ اور ان کے والد ابو وداعہ حارثؓ فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ ہجری)

کے دن شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت ابو وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت تک حیات رہے لیکن حضرت مُطّلِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر بالکل خاموش ہیں۔

ان کے دادا صبیرہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے بہت طویل عمر پائی مگر آخر دم تک ان پر بڑھاپے کے آثار طاری نہیں ہوئے۔ حضرت مُطّلِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو دیکھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ملتا ہے۔ تو صحابہ کرامؓ نے نفل نماز میں قیام کی مشقت برداشت کی۔

(طبرانیؒ، ہیثمیؒ)

(۲) میں (مُطّلِب) نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ جب آپ سعی بین الصفا والمروہ سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے اپنے اور سقیفہ کے درمیان آڑ کھڑی کر لی اور مطاف کے ایک کنارے پر دو رکعت نماز پڑھی اور مطاف کے اور آپؐ کے درمیان اور کوئی نہ تھا۔ (اُسد الغابہ)

(۳) جب عثمانؓ بن مظعون کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ اٹھایا گیا اور انہیں دفن کر دیا گیا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ پتھر لائے۔ وہ شخص پتھر کو اٹھا کر نہ لا سکا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود تشریف لے گئے اور اپنی آستینیں چڑھالیں۔ مُطّلِب کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے یہ روایت بیان کی انہوں نے ذکر کیا کہ گویا میں اب بھی اس سفیدی کو دیکھ رہا ہوں جو آستینیں چڑھانے پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بغلوں کی اس وقت مجھے نظر آئی تھی۔ پھر آپؐ نے پتھر کو اٹھا لیا اور قبر کے سرہانے رکھ کر فرمایا، میں نے اپنے بھائی کی قبر پر نشان لگایا اور آئندہ جو میرے خاندان سے فوت ہوگا اس کو اس قبر کے پاس دفن کروں گا۔

(ابوداؤد)

حضرت مُطّلِبؓ بن ازہر زُہری

قریش کے خاندان بنی زُہرہ کے چشم و چراغ تھے اور سیدنا حضرت عبدالرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے چچازاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مُطّلِبؓ بن ازہر بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ قرشی زُہری۔

حضرت مُطّلِب بن ازہر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور اُن کی اہلیہ حضرت رملہ بنتِ ابی عوف سہمیہ ان سعید الفطرت ہستیوں میں سے ہیں جو بعثتِ نبوی کے اوائل میں دعوتِ توحید پر لبیک کہہ کر السّابِقُون الاوّلون کی مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔

سنہ ۶ بعد بعثت میں وہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایما پر اپنی اہلیہ کے ساتھ مظلوم مسلمانوں کے ایک قافلے میں شامل ہو کر حبش چلے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک فرزند عطا کیا جس کا نام عبداللہؓ تھا۔ حضرت مُطّلِب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حبش کے دورانِ قیام ہی میں وفات پائی اور سرزمین حبش ہی کو ان کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ والد کی وفات کے بعد ان کی میراث حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مُطّلِب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے والد کی میراث پائی۔ بعد میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شرفِ صحابیت ہوا لیکن ان کے حالات زندگی اربابِ سیر میں سے کسی نے بیان نہیں کیے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت معاذؓ بن صمّہ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی سلمہ سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
معاذؓ بن صمّہ بن عمروؓ بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

ان کے دادا حضرت عمروؓ بن جموح (شہیدِ اُحُد) بنو سلمہ کے رئیس اور قبولِ اسلام سے پہلے قبیلے کے بُت خانے کے مُتَوَلّی تھے۔

حضرت مُعاذؓ غزوۂ بدر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے لیکن (غالباً) کمسنی کی وجہ سے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ پہلی بار غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

خلفائے راشدینؓ اور امیر معاویہؓ کے دَور میں ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ البتہ ابنِ اثیرؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ حرّہ میں شامی فوج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے [1]

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] یہ واقعہ ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ ہجری کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مدینہ نے بوجوہ یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ ڈالی تھی۔ اس پر یزید نے مسلم بن عقبہ مُرّی کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ اور حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کی سرکردگی میں شامی فوج کا مقابلہ کیا لیکن ہزیمت اٹھائی۔ اس لڑائی میں سینکڑوں لوگ شہید ہوئے جن میں متعدد صحابۂ کرامؓ بھی تھے۔

حضرت معاذؓ بن عمروؓ بن جموح انصاری

خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
معاذؓ بن عمروؓ بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

حضرت معاذؓ کے والد عمروؓ بن جموح اپنے قبیلے کے بت خانے کے متولی تھے۔ ان کے قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جد بن قیس کی جگہ بنو سلمہ کا سردار بنا دیا۔ اس کی وجہ ان کی طبعی دریا دلی اور فیاضی تھی جبکہ جد بن قیس میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی ابھی ان کے والد کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے کہ وہ (سنہ ۱۲ بعدِ بعثت میں) شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور پھر سنہ ۱۳ بعدِ بعثت میں مدینہ کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جا کر بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ یوں انہوں نے عقبی صحابی ہونے کی عظیم سعادت حاصل کی۔ اصحابِ عقبہ وہ نفوسِ قدسی ہیں جنہوں نے سارے عرب کی مخالفت کے علی الرغم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور یہ عہد کیا کہ ہم اپنی جانوں، مال اور اولاد کے ساتھ آپ کی مدد اور حفاظت کریں گے۔

مکہ سے واپس آ کر حضرت معاذؓ نے بعض دوسرے مسلمان نوجوانوں سے مل کر مشرکین مدینہ کے بتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ جب بھی موقع ملتا کسی نہ کسی بت کو توڑ دیتے۔ انہوں نے حضرت عمروؓ بن جموح کے بت کی بھی دو تین مرتبہ ایسی گت بنائی کہ حضرت عمروؓ کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ بت پرستی پر تین حرف

بھیج کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت معاذ بن عمروؓ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس لڑائی میں حضرت معاذؓ بن عمروؓ نے حضرت معاذ بن عفراءؓ کے ساتھ مل کر ابوجہل کو قتل کیا۔ اس کے برعکس بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل کو حضرت معاذؓ بن عفراءؓ نے اپنے بھائی معوذؓ بن عفراءؓ کے ساتھ مل کر ہلاک کیا۔ اکثر اہلِ سیر نے مؤخر الذکر روایات کو ترجیح دی ہے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے "اصحاب بدر" میں لکھا ہے کہ حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے لیکن جمہور اربابِ سیر نے شہداءِ بدر کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت معاذؓ بن عمروؓ بن جموح کا نام شامل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد ان کا نام کسی غزوے میں نظر نہیں آتا اور نہ ان کا سالِ وفات کسی نے لکھا ہے۔

بہرصورت حضرت معاذ بن عمروؓ بن جموح کا یہی شرف کچھ کم نہیں کہ وہ انصار کے سابقین اولین میں سے ہیں، عقبی صحابی بھی ہیں اور بدری صحابی بھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔

(صحیح مسلم)

حضرت مُعاذؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے خاندان بنی مالک بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:
معاذؓ بن عمرو بن قیس بن عبد العُزّیٰ بن غزیہ بن عمرو بن عدی بن عوف بن مالک بن نجار۔
شوال سنہ ۳ ہجری سے کچھ عرصہ پہلے ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور قبولِ اسلام کے بعد راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔
سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ردّہ کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا اور اسی سلسلے کے پیش آنے والے خونریز معرکے "جنگِ یمامہ" میں شہادت پائی

رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، حالانکہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو —— اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ وہ دُعا قبول نہیں کرتا جو غافل اور بے پروا دل سے نکلتی ہے۔

(ترمذی شریف)

حضرت مُعتّبؓ بن ابی لہب ہاشمی

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دشمنِ اسلام چچا ابولہب کے بیٹے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ مُعتّب بن ابی لہب بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدِمناف بن قُصَیّ قرشی ہاشمی ـــــ والدہ اُمِّ جمیل بنتِ حرب بن اُمیّہ تھی جسے قرآن میں "حَمَّالَۃُ الحَطَب" کہا گیا ہے۔ وہ حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کی بہن تھیں۔

حضرت مُعتّبؓ اپنے باپ کی تعلیم کی وجہ سے فتح مکّہ تک شرفِ اسلام سے محروم رہے۔ مکّہ فتح ہوا تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے چچا حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا: "آپ کے دونوں بھتیجے عتبہ اور مُعتّب کہاں دکھائی نہیں دیتے؟" انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! (بعض) مشرکینِ قریش کی طرح وہ بھی کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا، جائیے اور انہیں ڈھونڈ کر میرے پاس لائیے۔ حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سوار ہو کر گئے اور انہیں عرفہ سے ڈھونڈ لائے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے فوراً قبول کرلی اور شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت مُعتّبؓ غزوۂ حُنین میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت مُعتّبؓ بن عُبَیدُ انصاری

بعض نے ان کا نام مُغیث لکھا ہے لیکن جمہور اہلِ سیر کے نزدیک صحیح نام مُعتِّب ہے۔ قبیلہ بَلی سے تھے اور انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنی ظفر کے حلیف تھے۔ اس لیے ان کو بلوی بھی کہا گیا ہے ظفری بھی اور انصاری بھی۔

نسب نامہ یہ ہے:

مُعتّبؓ بن عُبَید بن ایاس بن تیم بن شعبۃ بن سعد بن قران بن بَلی

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اخیافی (مادر زاد) بھائی تھے[1] والدہ کا نام معلوم نہیں۔

قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ غالباً اپنے اخیافی بھائی حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرتِ نبوی کے بعد مُشرّف باسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہیں سب سے پہلے غزوۂ بدرالکبریٰ (رمضان ۲ ہجری)

---

[1] حضرت عبداللہؓ بن طارق (بن عمرو بن مالک) بھی قبیلہ بَلی سے تھے اور انصار میں قبیلہ ظفر کے حلیف تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔ عضل وقارہ کی طرف جانے والے صحابہؓ میں وہ بھی شامل تھے۔ کفارِ بنی ہذیل نے حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کے ساتھ ان کو بھی گرفتار کر لیا اور رسیوں سے جکڑ کر مکہ کی طرف لے چلے لیکن حضرت عبداللہؓ نے راستے میں ظہران کے مقام پر اپنے کو قید وبند سے چھڑا لیا اور تلوار کھینچ کر کافروں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑے۔ ظہران میں اُن کی قبر آج بھی موجود ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مُعتِّبؓ بن عوف خزاعی

خاندانی تعلق بنو خزاعہ سے تھا لیکن مکہ میں بنو مخزوم کے حلیف بن کر مقیم تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:—

مُعتِّب بن عوف بن عامر بن فضل بن عفیف بن کلیب بن جبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی السلولی۔

ان کا عرف ابن الحمراء تھا۔

دعوتِ حق کے ابتدائی سالوں میں جامِ توحید سے سرشار ہو کر السَّابِقُونَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت میں داخل ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں دوسرے اہلِ حق کی طرح وہ بھی مشرکین قریش کے ظلم و ستم کے ہدف بن گئے۔ ۶ھ بعد بعثت میں دوسری ہجرت حبشہ ہوئی تو وہ بھی مظلوم مسلمانوں کے قافلے میں شامل ہو کر حبش پہنچ گئے۔ وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے مکہ واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن ہوا تو وہ بھی دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا تو حضرت مُعتِّبؓ کو حضرت ثعلبہؓ بن حاطب انصاری کا دینی بھائی بنایا۔

ارباب سیر نے یہ صراحت نہیں کی کہ حضرت مُعتِّب بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک ہوئے۔ اس بارے میں کتبِ سیر کی خاموشی باعثِ حیرت ہے کیونکہ حضرت مُعتِّب بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ غزوات میں شریک نہ ہوئے ہوں۔ علامہ ابن اثیرؒ کے قول کے مطابق حضرت مُعتِّبؓ نے ۵۷ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ) وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۸ برس کی تھی۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مُعَتِّبؓ بن قُشَیرْ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنو ضبیعہ یا عمرو بن عوف کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے :-

مُعَتِّبؓ بن قُشَیر (بروایتِ دیگر بُشَیر) بن ملیل بن زید بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ ایمان ہوئے۔ اس کے بعد (بقول ابن اثیر جزریؒ و قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ) بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعد بعثت) میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ لیکن کئی اہلِ سیر نے ان کا نام بیعتِ عقبۂ کبیرہ کے شرکاء کی فہرست میں درج نہیں کیا۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت مُعَتِّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے غزوۂ اُحد (۳ھ ہجری) میں دادِ شجاعت دی۔ اگرچہ اس غزوے کے شہدا میں ان کا نام کسی نے نہیں لیا لیکن اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ ابنِ اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ لاولد تھے۔

ابنِ اسحاقؒ سے روایت ہے کہ ان سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا (زبیرؓ) سے یہ روایت کی ہے کہ واللہ میں نے ایسا محسوس کیا گویا مجھ پر نیند نے غلبہ پالیا ہے۔ میں خواب دیکھ رہا ہوں اور مُعَتِّب بن قُشَیر کو یہ کہتے سن رہا ہوں :

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا

(ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔) (اسد الغابہ)

میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔
غزوۂ اُحد میں ان کی شرکت کے بارے میں کسی نے تصریح نہیں کی۔

سنہ ۳ ہجری کے آخر یا سنہ ۴ ہجری کے اوائل میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے بہ اختلافِ روایت سات یا دس صحابہ کو تبلیغ اسلام کے لیے قبیلہ عضل و قارہ کی طرف بھیجا۔ ان میں حضرت مُعَتِّب بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی شامل تھے۔ رجیع کے مقام پر قبیلہ ہذیل نے ان اصحاب کو گھیر لیا۔ انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن دو حضرت خُبَیب رضؓ بن عدی اور زید رضؓ بن الدثنہ کے سوا باقی سب شہید ہو گئے۔ کفار نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور قریشِ مکہ کے پاس لے جا کر ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مشرکینِ قریش نے کچھ عرصہ بعد اُن کو سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا۔

سانحۂ رجیع میں حضرت مُعَتِّب رضؓ بن عبید کی شہادت پر سب اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبوی

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ — جو لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا۔

اور جس شخص نے مال بطور قرض لیا اور نیت ادا کرنے کی نہیں رکھتا — تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی وجہ سے تباہ کر دے گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت معمرؓ بن حزم انصاری

خزرج کی معزز شاخ "مالک بن نجّار" کے فرزندِ سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

معمرؓ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف (بروایتِ دیگر عبد مناف) بن غنم بن مالک بن نجار نجاری خزرجی انصاری۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ یہ حضرت عمروؓ بن حزم کے بھائی تھے۔ دوسرے اربابِ سِیَر نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے صرف ایک بھائی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ذکر کیا ہے[1] ابنِ سعدؒ حضرت معمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حالات بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

حضرت معمرؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے البتہ یہ بات

---

[1] حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ترجمہ اسی کتاب میں شامل ہے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کم عمری کی وجہ سے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہوسکے۔ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اس کے بعد اور غزوات میں بھی شرکت کی۔

سنہ ۱۰ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران (یمن) کا عامل بنا کر بھیجا اور ایک فرمان لکھوا کر ان کے حوالے کیا جس میں فرائض سنن صدقات وغیرہ کے بارے میں احکام تھے۔ انہوں نے نجران ہی میں سنہ ۵۰ ہجری کے بعد کسی وقت وفات پائی۔ ان سے مروی چند احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

یقینی ہے کہ وہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے کیونکہ ان کا نام سب سے پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر منظرِ عام پر آتا ہے۔

ابنِ سعد لکھتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے ـــــ گویا ان کو "اصحاب الشجرہ" (درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں) کی مقدس جماعت کا رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بیعتِ رضوان کے بعد عہدِ رسالت میں پیش آنے والے غزوات میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔

۱۷ھ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کیا تو ان کے ساتھ دس عالم صحابہ کو اہلِ بصرہ کی تعلیم کے لیے روانہ کیا ان میں حضرت معمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ :ـــــ

• "خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں۔"

لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کون شخص؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :ـــــ

"وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت معنؓ بن یزید سُلمیؓ

مشہور عرب قبیلہ "بنو سُلیم" کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
معنؓ بن یزیدؓ بن اَخنسؓ بن جبیب (بروایت دیگر خباب یا جناب) بن جرہ بن زعب بن مالک بن خفاف بن امرؤ القیس بن بہثہ بن سُلیم بن منصور السُّلمی ۔۔۔

ان کی کنیت ابو یزید تھی۔

حضرت معن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہ صرف خود بلکہ ان کے والد حضرت یزیدؓ اور دادا حضرت اَخنسؓ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے یزید بن جبیبؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت معن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے والد اور دادا کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک تھے لیکن حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان تینوں کی غزوۂ بدر میں شریک

---

[۱] حضرت یزید بن اخنس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے:
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں باہم ایک دوسرے پر رشک نہیں کرنا چاہیے ہاں دو آدمیوں پر رشک کر سکتے ہو مثلاً ایک آدمی کو قرآن سے لگاؤ ہے وہ شب و روز اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے۔ اس کو دیکھ کر دوسرا آدمی کہتا ہے کہ اگر مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہو تو میں بھی اس شخص کی تقلید کروں گا۔ دوسرا آدمی وہ جس کو اللہ نے دولت دی ہے اور وہ اس دولت کو برضاؤ رغبت اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر ایک آدمی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر مجھے بھی اللہ مال عطا فرمائے تو میں اس کو اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کروں۔ (اُسدُ الغابہ)

ہونے کی روایت صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان تینوں کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ خود حضرت معن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں اپنے والد اور دادا کے ساتھ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم تینوں نے آپؐ کی بیعت کی۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں اپنی تنگ دستی اور خستہ حالی کی شکایت کی تو آپؐ نے میری امداد فرمائی۔ پھر میں نے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے میرا نکاح کرا دیا۔

جس طرح غزوۂ بدر میں حضرت معن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی ان کے شرکت یا عدمِ شرکت کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس سلسلے میں کسی نے ان کا نام خصوصیت سے نہیں لیا، البتہ عہدِ رسالتؐ کے بعد جہادِ شام کے سلسلے میں ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا ہے۔

خلیفۃ الرّسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں شام پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت معن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ شام جانے والے لشکروں میں سے کسی لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ فتح دمشق میں شریک تھے اور دمشق میں انہیں ایک مکان بھی مل گیا تھا۔ (بالفاظِ دیگر فتح شام کے بعد انہوں نے دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی)۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شہادت کے بعد حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وجہہٗ سریر آرائے خلافت ہوئے تو امیرِ شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے قاتلوں کو

ان کے سپرد کر دیا جائے۔ اس اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچ گئی اور صفین کی افسوسناک لڑائی کا آغاز ہوا۔ حضرت معن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے لشکر میں شامل تھے۔ ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا کہ جنگ کے اوائل میں ایک موقع پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضرت معنؓ بن یزیدؓ، حضرت شرحبیلؓ بن سمط اور حضرت حبیبؓ بن مسلمہ فہری کو یہ پیغام دے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس بھیجا کہ آپ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں اور اپنے موجودہ موقف سے دست بردار ہو جائیں تاکہ ہم اسے مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد کر دیں پھر وہ اپنے لیے جسے چاہیں اور پسند کریں (خلیفہ) چن لیں ــــ یہ تینوں بزرگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس گئے اور ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا پیغام پہنچایا لیکن مفاہمت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔

حضرت معن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے جو آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا، تم لوگ مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تمہیں جنّت کی ضمانت دوں۔ لوگوں نے پوچھا، وہ چھ باتیں کیا ہیں یا رسول اللہ!

آپؐ نے فرمایا، وہ یہ ہیں ــــ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، امانت میں خیانت نہ کرنا، شرمگاہ، پیٹ اور زبان کی حفاظت کرنا۔

(ترغیب بحوالہ طبرانی)

حضرت مُغیرہؓ بن نوفلؓ ہاشمی

خاندانی تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
مغیرہؓ بن نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطّلب بن ہاشم قرشی
ان کے والد نوفلؓ بن حارث، رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ حضرت مغیرہؓ کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ ایک اور روایت میں ان کی کنیت ابوحلیمہ بھی بیان کی گئی ہے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہؓ ہجرتِ نبوی سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کی ولادت ۵ھ ہجری میں ہوئی۔ بہرصورت ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔

خلافتِ صدیقی و فاروقی میں ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ فاضل آدمی تھے کیونکہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں قاضی مقرر کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو حضرت مغیرہ بن نوفلؓ نے حضرت علیؓ کی حمایت کی۔ چنانچہ جنگِ صفین میں وہ حضرت علیؓ کی طرف سے شامی فوج کے خلاف لڑے۔

سنہ ۴۰ ہجری میں ابنِ ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا اور انہیں شدید زخمی کر دیا تو لوگوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی تلوار سے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ اس موقع پر حضرت مغیرہؓ بن نوفلؓ آگے بڑھے اور ابنِ ملجم پر کھیس ڈال کر اسے زمین پر گرا لیا چونکہ کافی طاقتور تھے اس لیے ابنِ ملجم کو جکڑ لیا۔ اس کے لگائے ہوئے زخم سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے شہادت پائی تو ابن ملجم کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت حضرت ابوالعاص و زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکاح کیا تھا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ میرے بعد مغیرہ بن نوفلؓ، امامہؓ سے نکاح کریں۔ چنانچہ حضرت امامہؓ کی عدت پوری ہوئی تو حضرت مغیرہؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا اسی کے نام کی نسبت سے ان کی کنیت ابو یحییٰ اور حضرت اُمامہؓ کی کنیت اُم یحییٰ مشہور ہوئی۔

حضرت مغیرہؓ بن نوفل کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ غالباً انہوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت مغیرہؓ بن نوفل سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے انصاف کی تعریف نہ کی اور بے انصافی کی مذمت نہ کی اسے اللہ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ (ایک روایت کے مطابق یہ حدیث مرسل ہے) (اُسد الغابہ)

حدیثِ نبوی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ملیلؓ بن وَبَرہ انصاری

ان کے نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ حافظ ابونعیمؒ نے ابنِ اسحاق سے ان کا نسب نامہ اس طرح نقل کیا ہے:

ملیلؓ بن وَبَرہ بن عبدالکریم بن خالد بن عجلان۔

ابنِ مندہؒ کا بیان یہ ہے:

ملیلؓ بن وَبَرہ بن عبدالکریم بن عجلان۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ ان کا نسب نامہ اس طرح لکھتے ہیں:

ملیلؓ بن وَبَرہ بن خالد بن عجلان۔

کلبی، واقدی اور ابن ماکولا کا بیان یہ ہے:

ملیلؓ بن وَبَرہ بن خالد بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم۔

دو باتوں پر سب کا اتفاق ہے ایک یہ کہ وہ خزرج کے خاندان بنی عوف بن خزرج کے فرزندِ سعید تھے۔

دوسری یہ کہ ان کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا اور اس کے بعد وہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے۔ گویا بدری بھی ہیں اور اُحدی بھی۔

مزید حالات کسی نے بیان نہیں کیے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ پاک

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے پاؤں ورم کی وجہ سے پھٹ جاتے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے ذمہ گناہ نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح بخاری)

حضرت مُنذِرؓ بن محمدؓ انصاری

خاندانی تعلق قبیلہ مالک بن اوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
منذرؓ بن محمدؓ بن عقبہ بن احیحہ بن حلاج بن حریش بن جحجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔
ان کی کنیت ابو عبیدہ تھی۔
بڑے نیک فطرت آدمی تھے۔ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔
ان کے بدری صحابی ہونے پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔
غزوۂ بدر کے بعد حضرت منذر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ احد (۳ ہجری) میں دادِ شجاعت دی۔
۴ ہجری میں ابو براء عامر بن مالک عامری کی درخواست پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت تبلیغ کے لیے نجد کی طرف روانہ کی۔ حضرت منذر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ مشرکین بنی عامر نے غداری کی اور بئر معونہ کے مقام پر اس جماعت کو گھیر کر ایک (حضرت عمروؓ بن امیہ) کے سوا سب مبلغین کو شہید کر ڈالا۔ (سانحۂ بئر معونہ کی تفصیل اس کتاب میں ایک اور مقام پر بیان کی گئی ہے) اسی سانحہ میں حضرت منذر بن محمدؓ بھی خلعتِ شہادت پہن کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت مولہؓ بن کثیف ضبابی

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ عامر بن صعصعہ کی شاخ بنی ضباب یا بنی کلاب سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

مولہؓ بن کثیف بن حمل بن خالد بن عمرو بن معاویہ ضبابی کلابی۔

ابن مندہؒ اور ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ وہ ضحاک بن سفیان کلابی کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت مولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس برس کی عمر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور آپؐ کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر انہوں نے اپنے اونٹوں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں ایک دو سالہ بچۂ شتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جو آپؐ نے قبول فرمالیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت مولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارہ[۱۲] سال تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں رہے اور ان کے فیضانِ علمی سے خوب بہرہ یاب ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت مولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے فصیح البیان تھے۔ اس لیے ذوا اللسانین کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور عبد الملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں سو[۱۰۰] سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت مولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبیلہ عامر بن صعصعہ کے رئیس عامر بن طفیل کی عبرتناک ہلاکت کا واقعہ مروی ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس اپنے قبیلے کے تیرہ آدمیوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عامر اور اربد دونوں کا یہ منصوبہ تھا کہ اچانک حملہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضورؐ سے الگ ملاقات کی۔ عامر نے کہا:

"محمدؐ! تین باتیں ہیں، دیہاتی علاقوں پر تم حکومت کرو اور شہروں پر میری حکومت ہو، اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین نامزد کر جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو میں بنو غطفان کا لشکر لے کر مدینہ پر دھاوا بول دوں گا۔"

عامر اور اربد کا منصوبہ یہ تھا کہ عامر حضورؐ کو گفت و شنید میں مشغول رکھے گا اور اربد آپؐ کو شہید کر ڈالے گا لیکن جلالِ نبوّت نے دونوں کی قوت سلب کر لی۔ حضورؐ نے عامر کی شرطیں رَد کر دیں اور دونوں اٹھ کر چلے آئے۔ حضورؐ نے دعا کی:

"الٰہی ان کے شر سے بچانا۔"

خدا کی قدرت عامر کو اونٹوں کا طاعونی پھوڑا نکل آیا اور وہ گھوڑے کی پشت پر ہی بیتِ سلولیہ میں ہلاک ہو گیا۔ اربد پر آسمانی بجلی گری اور وہ جل کر بھسم ہو گیا۔

(سیرۃ ابنِ ہشام، طبقات ابن سعد، اُسدُ الغابہ)

حدیث نبویؐ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس کے کرنے سے اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور بندے بھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رخی اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رخی اختیار کرو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے"

(ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت مُہاجرؓ بن اُمیّہ مخزُومی

ان کا تعلق قریش کی شاخ " بنو مخزوم " سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

مہاجرؓ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر (یا عمرو) بن مخزوم

حضرت مہاجرؓ کے والد ابوامیہ کا نام بعض نے حذیفہ لکھا ہے لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابوامیہ ہی سے شہرت پائی۔

ابوامیہ کا شمار بنو مخزوم کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ابوجہل کا باپ ہشام بن مغیرہ ان کا بھائی تھا) وہ بڑے دولت مند اور فیاض آدمی تھے۔ ان کی سخاوت اور دریا دلی کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بیسیوں لوگ ان کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ اگر کبھی سفر کرتے تو اپنے تمام ساتھیوں کی خوراک اور دوسری ضروریات کی کفالت انہی کے ذمہ ہوتی۔ ان فیاضیوں کی بناء پر لوگوں نے انہیں "زادالراکب" کا لقب دے رکھا تھا اور وہ تمام قبائلِ قریش میں بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جس زمانے میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا، ابوامیہ فوت ہو چکے تھے۔ البتہ ان کی اولاد کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہی کی بیٹی تھیں۔ حضرت مہاجرؓ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے بھائی تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مہاجرؓ کا اصل نام ولید تھا۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے بدل کر مہاجر کر دیا۔

عہدِ رسالت کے غزوات میں حضرت مہاجرؓ کی شرکت کے بارے میں اہلِ سیَر نے صراحت کے ساتھ کچھ نہیں لکھا البتہ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اس لیے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

ان سے ناراض ہو گئے لیکن اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی۔ چنانچہ آپ نے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں کندہ اور صدف سے وصولِ زکوٰۃ کا محصل مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے مگر مہاجرؓ اپنے کام پر جمے رہے۔

ابنِ اثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجرؓ کو حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس سفیر بنا کر یمن بھی بھیجا تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد (الرِّدۃ) کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مرتدین پر عام لشکر کشی کے لیے گیارہ جیوش مرتب کیے۔ ان میں سے ایک جیش کا افسر حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ کو مقرر کیا گیا وہ مرتدینِ یمن یعنی الاسود عنسی کے پیروؤں کی سرکوبی پر مامور ہوئے [1]

---

[1] الاسود العنسی کا اصل نام عبہلہ (یا عیہلہ) تھا۔ وہ یمن کے قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا چونکہ اس کا رنگ بہت سیاہ اور خدوخال نہایت کریہ تھے اس لیے الاسود کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ بڑا کاہن، شعبدہ باز اور لسان آدمی تھا اس نے ۱۰ھ کے آخر میں نبوت کا دعویٰ کیا اور بغاوت کر کے نجران اور صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ حضرت قیسؓ بن ہبیرہ اور فیروز دیلمیؓ نے اس پر قابو پا کر اسے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پانچ دن پہلے پیش آیا لیکن اس کی باقاعدہ اطلاع قاصد کے ذریعے مدینہ میں حضورؐ کی رحلت کے دس دن بعد پہنچی۔ الاسود عنسی کے قتل کے بعد بھی اس کے کچھ پیرو باقی رہ گئے تھے حضرت مہاجرؓ انہی کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے اپنی کتاب "الرحیق المختوم" میں لکھا ہے کہ حضرت مہاجرؓ تحصیلِ زکوٰۃ کے سلسلے میں صنعاء میں مقیم تھے کہ الاسود عنسی نے ان کے خلاف خروج کیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر حضرت مہاجرؓ کو عارضی طور پر صنعاء سے نکلنا پڑا ہو گا۔

الاسود عنسی اگرچہ عہدِ رسالت کے اواخر ہی میں مارا گیا تھا اور وہاں بڑی حد تک ارتداد کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن جب وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو بہت سے لوگ پھر مرتد ہو گئے۔ ان میں عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث جیسے نامور آدمی بھی تھے۔ حضرت مہاجر ابی امیہ یمن گئے تو نجران میں انہیں قبیلۂ مراد کے سردار حضرت فروہؓ بن مسیک ملے اور ان کو مرتدین کے حالات سے آگاہ کیا۔ ابھی حضرت مہاجرؓ مرتدین پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے کہ عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث کی سرکردگی میں مرتدین کے ایک لشکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت مہاجرؓ نے بڑی پامردی سے ان کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ مرتدین پسپا ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مہاجرؓ اور مرتدین کے درمیان ایک اور معرکہ ہوا جس میں مرتدین کو شکست فاش ہوئی اور عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث دونوں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ حضرت مہاجرؓ نے ان دونوں کو پابجولاں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہاں انہوں نے صدقِ دل سے ارتداد سے توبہ کی اور خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دونوں کو معاف کر دیا۔[1] اس کے بعد حضرت مہاجرؓ صنعاء پہنچے، وہاں جس نے توبہ کی اس کو چھوڑ دیا اور جس نے انکار کیا اس کو قتل کر دیا۔ اسی اثناء

---

[1] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیس بن عبد یغوث اور قیس بن ہبیرہ (جنہوں نے الاسود عنسی کے قتل میں حصہ لیا تھا) دو مختلف شخصیتیں ہیں لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں قیس بن مکشوح کے ترجمہ میں جو وضاحت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس بن مکشوح، قیس بن ہبیرہ اور قیس بن عبد یغوث ایک ہی شخصیت ہے۔ ان کے شرفِ صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابی تھے اور بعض کا خیال ہے کہ صحابی تو نہیں تھے مگر عہدِ رسالت میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بعد میں کچھ عرصہ فتنۂ ارتداد میں ملوث رہے مگر پھر تائب ہو گئے اور اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ جنگِ قادسیہ اور جنگِ نہاوند میں ان سے کارہائے نمایاں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں انہیں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حکم پہنچا کہ کندہ اور حضرموت کے مرتدین کا استیصال کریں۔ خلیفۃ الرسول کی ہدایت کے مطابق حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل بھی اپنا لشکر لے کر حضرت مہاجرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ (اس وقت حضرت عکرمہؓ عمان و مہرہ کے مرتدین کا قلع قمع کر چکے تھے) اب دونوں کے متحدہ لشکر نے کندہ کا رخ کیا۔ جب یہ لشکر مآرب اور حضرموت کے درمیان پہنچا تو کندہ کے عامل (محصلِ زکوٰۃ) حضرت زیاد بن لبید انصاری کا خط ملا جس میں کندہ پر بلاتاخیر حملہ کرنے کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ خط ملتے ہی حضرت مہاجرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو اپنی جگہ پر چھوڑا اور تھوڑی سی فوج لے کر حضرت زیادؓ بن لبید کے پاس پہنچ گئے۔

کندہ میں چار مضبوط قلعے تھے جنہیں محجر کہا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے بنو کندہ کے سردار اشعث بن قیس بھی فتنۂ ارتداد میں ملوث ہو گئے تھے اور کلاسک، سکون اور حضرموت وغیرہ کے مرتدین کی ایک جمعیت کے ساتھ محجر زبرقان (بقولِ بعض زرقان) میں قلعہ بند تھے۔ حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ زبرقان پہنچے تو مرتدین نے ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر محجر نجیر میں پناہ لی۔ اشعث نے اپنی ضرورتوں کے لیے قلعۂ نجیر کا ایک راستہ چھوڑ کر باقی راستوں کو بند کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عکرمہؓ نے پیش قدمی کر کے اس کھلے راستے پر قبضہ کر لیا، اور دوسرے راستوں پر حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ قابض ہو گئے۔ اس طرح اشعث بن قیس

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب ان کے ماموں تھے ان کے شرفِ صحابیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ بھی فتنۂ ارتداد میں ملوث ہو گئے تھے لیکن تائب ہونے کے بعد راہِ حق میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے اور جنگِ نہاوند میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

عمروؓ بن معدی کرب اور قیس بن ہبیرہ کا شمار عرب کے نامور شہسواروں میں ہوتا تھا۔

اور ان کے ساتھی بالکل محصور ہو گئے، اور ان کو ہر طرف سے رسد پہنچنی بند ہو گئی۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے حضرت زیادؓ بن لبید کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کو امان دے دیں تو میں قلعہ آپ کے سپرد کر دوں گا۔ حضرت زیادؓ نے یہ شرط منظور کر لی اور کہلا بھیجا کہ معاہدہ لکھ کر بھیج دو، میں اس پر اپنی مُہر ثبت کر دوں گا۔ اشعث نے معاہدے میں جب اُن آدمیوں کے نام لکھے جن کے لیے وہ امان چاہتے تھے تو جلدی میں اپنا نام لکھنا بھول گئے۔ چنانچہ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت زیادؓ اور حضرت مہاجرؓ نے ان آدمیوں کو تو امان دے دی جن کے نام معاہدے میں موجود تھے اور اشعث بن قیس کو گرفتار کر لیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ مہاجرؓ بن اُمیّہ اشعث بن قیس کو کچھ دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ منوّرہ لائے انہیں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سچے دل سے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اشعث کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کی شدید خواہش اور اصرار پر اپنی بہن اُمّ فروہؓ کا نکاح بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ (عہدِ رسالت کے اواخر میں جب اشعثؓ بن قیس نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت بھی ام فروہؓ سے نکاح کی خواہش کی تھی لیکن اس وقت کسی وجہ سے نکاح نہیں ہو سکا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت نکاح ہو گیا تھا لیکن رخصتی اشعثؓ کے ارتداد سے تائب ہونے کے بعد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب) اس کے بعد حضرت اشعثؓ اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے اور عراق، عرب اور شام کے متعدد معرکوں میں بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنۂ ارتداد کے استیصال کے بعد حضرت مہاجرؓ یمامہ کے امیر مقرر ہوئے۔ ان کی امارتِ یمامہ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ ان کے سامنے دو گانے والی عورتیں پیش کی گئیں۔ ان میں سے ایک پر یہ الزام تھا کہ وہ ایسے گانے گایا کرتی تھی جن میں

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر سب و شتم ہوتا تھا۔ دوسری اس جرم میں ماخوذ تھی کہ مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھی۔ حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو یہ سزا دی کہ ان کا ایک ایک ہاتھ کٹوا دیا اور اگلے دانت اکھڑوا دیئے۔ خلیفۃ الرّسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت مہاجرؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر سب و شتم میں گانے والی عورت کو فلاں سزا دی ہے۔ اگر اس معاملے میں تم سبقت نہ کر جاتے تو میں تمہیں اس کے قتل کا حکم دیتا اس لیے کہ انبیاء علیہم السّلام کے خلاف دریدہ دہنی کی سزا عام سزاؤں کی طرح نہیں بلکہ یہ انتہائی سزا ہونی چاہیئے! (CAPITAL PUNISHMENT) اگر کسی مسلمان (کہلانے والے) سے ایسی حرکت سرزد ہو تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اگر کوئی معاہد (ذمی) اس کا مرتکب ہو تو وہ معاہدہ توڑنے والا اور حربی بن جائے گا (یعنی اس سے جدال و قتال کیا جا سکے گا اور اس کی جان و مال کی حفاظت کی جو ذمہ داری مسلمانوں پر تھی وہ ختم ہو جائے گی) اور جہاں تک دوسری عورت کا تعلق ہے تو اگر وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اسے ایسی سزا دو جو مُثلہ[لے] سے کم ہو اور اگر وہ ذمی

لے سزا کے طور پر بعض اعضاء کو کاٹ دینے یا مسخ کرنے کو مُثلہ کہا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے دشمنوں کی لاشوں کا مُثلہ کیا کرتے تھے۔ اس کا مقصد مقتول سے شدید نفرت کا اظہار یا اپنے بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنا یا اپنے کسی مقتول کی لاش کے مُثلہ کا بدلہ لینا ہوتا تھا۔

اسلام نے مُثلہ کو ایک نہایت بُرا اور قابلِ نفرت فعل قرار دیا اور اس کی یکسر ممانعت کر دی۔

ہے تو مجھے اپنی جان کی قسم، اس کو معاف کر دینا شرک سے بڑھ کر گناہ ہے اور اگر میں اس جیسے معاملے میں تم سے مواخذہ کرتا تو تم پریشانی میں پڑ جاتے آئندہ انسانوں کا مُثلہ کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ گناہ کا کام ہے اور اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ہاں اگر قصاص کا معاملہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے[1]

(کنز العمال جلد ۵ ص ۵۶۸-۵۶۹)

حضرت مہاجرؓ بن امیہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[1] یعنی جو شخص کسی کا ہاتھ کاٹ لے، قصاص میں اس کا ہاتھ بھی کاٹا جا سکتا ہے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ حالتِ کفر سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: "یا رسول اللہ، میں نے حالتِ کفر میں کچھ لوگوں کا مال لُوٹ کر انہیں قتل کر دیا تھا۔ کیا میرا یہ گناہ معاف ہو جائے گا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، لیکن جو مال تو نے لوٹا ہے وہ تیرے لیے جائز نہیں۔"

اس ارشادِ مبارک کی توضیح یہ ہے کہ جو جانیں تلف ہو گئیں وہ تو لوٹائی نہیں جا سکتیں، لیکن لوٹا ہوا مال موجود ہے، اور چونکہ ظلم اور تعدی سے حاصل کیا گیا ہے اس لیے اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اپنے پاس رکھنا جائز نہیں۔

(زاد المعاد۔ جلد دوم ص۲۱۹)

حضرت مَیسرہؓ بن مَسرُوق عَبسی

ان کا خاندانی تعلق قبیلہ عَبس سے تھا جو قیس عَیلان کی شاخ بنو غطفان کا ایک بطن تھا اور نجد میں آباد تھا۔ بنو عَبس عرب کے بڑے جنگجو قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ جاہلی عرب کا مشہور شاعر عنترہ بن شداد اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ جاہلی عرب کی تاریخ میں اس کی بہادری ضرب المثل ہے۔

اہلِ سِیَر نے حضرت مَیسرہؓ بن مسروق کا نسب نامہ بیان نہیں کیا اور صرف قبیلے کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ ان کا شمار عرب کے ان نامور بہادروں میں ہوتا تھا جو "فارس العَرَب" کہلاتے تھے۔

حضرت مَیسرہ بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سنہ ۱۰ ہجری میں بنو عبس کے نو آدمیوں کے ایک وفد میں شامل ہو کر مدینہ مُنَوَّرہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مُشَرَّف بہ اسلام ہوئے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اس وفد کو دعائے خیر سے نوازا اور پھر ان سے فرمایا ۔۔۔۔۔۔

"ایک اور آدمی تلاش کرو جو تمہیں دس کر دے اور میں تمہارے لیے ایک جھنڈا باندھ دوں۔"

اتنے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے۔ آپؐ نے انہیں جھنڈا عنایت فرمایا اور ان کا شعار (نشان) "یا عشرہ" (اے دس کی جماعت) مقرر فرمایا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام سے پہلے حضرت مَیسرہؓ بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا نام کچھ اور تھا۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اسے بدل کر مَیسرہ کر دیا۔ (جاہلی زمانے کے رکھے ہوئے جو نام حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

کو پسند نہ آتے تھے آپؐ ان کو بدل دیا کرتے تھے) ابنِ اثیرؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ بنو عبس کا وفد حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت میسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا:—

"یا رسول اللہؐ! مجھے آپؐ کی پیروی کا حد درجہ اشتیاق تھا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپؐ کے طفیل نارِ جہنم سے بچ گیا۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ کا بہت احترام کرتے تھے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدین کے ایک لشکر میں شامل ہو کر شام پہنچ گئے اور رومیوں کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ یرموک کی خونیں جنگ میں وہ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے۔ اس لڑائی میں وہ سر بکف ہو کر لڑے اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں مسافر یا راہگیر کی طرح رہنا۔ چنانچہ حضرت ابنِ عمرؓ کا یہ حال تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور صبح ہو جائے تو شام کا منتظر نہ رہ۔ اپنی صحت کے زمانے میں اپنے بیماری کے زمانے کے لیے توشہ تیار کرے اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے تیاری کرے۔ (صحیح بخاری)

حضرت میمون رضی اللہ عنہ بن یامین قُرظی

مدینہ مُنوّرہ کے رہنے والے تھے اور یہود کے مشہور قبیلے "بنو قُریظہ" سے تعلق رکھتے تھے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ بنی قُریظہ کے سرداروں میں سے تھے اور ان کا شمار احبارِ یہود میں ہوتا تھا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت کے بعد مدینہ مُنوّرہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت میمونؓ کے دل میں ایمان کی شمع روشن کر دی اور وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ اس نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہو کر ان کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ ان کے قبیلے کے دوسرے لوگ بھی لوائے حق کو تھام لیں۔ چنانچہ انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ آپ یہود کو بُلوائیں اور اُن کے سامنے دعوتِ حق پیش کریں۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے فرمائیں کہ وہ اپنے اور آپؐ کے درمیان کوئی حَکَم مقرر کر لیں۔ وہ جو فیصلہ دے دونوں فریق اس کو مان لیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجویز منظور فرمالی اور یہود کو بُلوا بھیجا ساتھ ہی حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم مکان کے اندرونی حصے میں چلے جاؤ۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔

یہود آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حق کی دعوت دی۔ انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اب حُضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا تو تم میرے اور اپنے درمیان کوئی حَکَم مقرر کر لو۔ وہ جو فیصلہ دے اس کو ہم دونوں مان لیں۔"

یہود نے کہا، ٹھیک ہے ہم میمون بن یامین کو حَکَم بناتے ہیں اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کی تو ہم بھی آپ کی تصدیق کریں گے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت میمونؓ کو آواز دی۔ وہ باہر آئے

اور بآوازِ بلند کہا : ——

"میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں"

لیکن یہود اپنی بات سے پھر گئے۔ انہوں نے حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اسی طرح بکتے جھکتے واپس چلے گئے۔

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (الاحقاف آیۃ ۱۰)

(کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا)۔[1]

حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے مزید حالات اربابِ سیر میں سے کسی نے بیان نہیں کیے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے سلسلے میں بھی اسی قسم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی۔ بعض علماء نے ان روایتوں کی تطبیق اس طرح کی کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں اس آیۃ کے منشائے نزول ہوں۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا (پورا) کرنا چاہیے)

(معجم اوسط للطبرانی)

حضرت نافعؓ بن عبدالحارث خزاعی

علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ خُزاعہ کے بھائی مُلکان کی اولاد سے تھے، مگر بنو ملکان کی تعداد کم تھی اس لیے ان کو خُزاعہ سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

نافعؓ بن عبدالحارث بن حبالہ بن عمیر بن غبشان (حارث) بن عبد عمرو بن عمرو بن لؤی بن ملکان۔

ان کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت نصیب ہوئی اور انہوں نے آپؐ سے روایت بھی کی ہے۔ وہ فتح مکّہ کے دن مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور اپنی مستقل سکونت وہیں رکھی۔ تاہم وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے تھے اسی لیے ان کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکّے کا عامل مقرر کر دیا تھا جہاں قریش کے بڑے بڑے سردار مقیم تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے مدینہ گئے اور اپنی جگہ اپنے غلام حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکّہ کا عامل بنا گئے۔ دورانِ ملاقات میں امیرالمومنینؓ نے ان سے پوچھا:— "تم مکّہ میں اپنی جگہ کس کو حاکم بنا کر چھوڑ آئے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا —— "عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ کو۔"

امیرالمومنینؓ نے فرمایا:—— "تم نے اللہ کے اہل (یعنی اہلِ مکّہ) پر عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کو حاکم بنایا۔"

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:——

"مگر وہ کتاب اللہ کا حافظ اور فرائض کا عالم ہے۔"

اس پر امیرالمومنینؓ نے فرمایا:——

"بے شک میں نے بھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا تھا کہ

وہ وقت جلد آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ چند قوموں کو قرآن کے ذریعہ سے بلند رتبہ کرے گا اور بہتوں کو اسی کے باعث (یعنی اس سے تغافل کرنے کی وجہ سے) ذلیل وخوار کرے گا۔"

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ (چند دن کے بعد) امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے منصب سے سبکدوش کر دیا اور ان کی جگہ خالد بن عاص بن ہشام مخزومی کو مکہ کا عامل مقرر کیا۔

حضرت نافع بن عبدالحارثؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ ان سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی کو خوش قسمت سمجھو جس کا مکان وسیع ہو، ہمسایہ نیک ہو اور گھوڑا مبارک قدم ہو۔ (اُسُدُالغابہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مدینے کی ایک حویلی میں داخل ہوئے اور ایک کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو اندر آنے دو، اور اسے جنت کی بشارت بھی پہنچا دو۔ پھر حضرت عمرؓ وہاں پہنچے انہوں نے بھی اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا اس کو اندر آنے دو اور اسے بھی جنت کی بشارت دے دو۔ سب سے آخر میں حضرت عثمانؓ آئے۔ حضورؐ نے انہیں بھی اندر آنے کی اجازت اور جنت کی بشارت دی اور ساتھ ہی فرمایا، عثمان کو ایک ابتلا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(اُسُدُالغابہ)

حدیث نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

حضرت نعمانؓ بن ابی خزمہ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنی عمرو بن عوف کی ایک ذیلی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

نعمانؓ بن ابی خزمہ بن نعمان بن امیہ بن برک (امرؤالقیس) بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف۔

اہلِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ ابنِ اسحاقؒ اور کچھ دوسرے اہلِ سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک تھے۔ اُس کے بعد ان کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اس کو صبر دے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت نعمانؓ بن سنان انصاری

ان کا شجرۂ نسب کسی نے بیان نہیں کیا، صرف والد کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ اس لیے ان کو سلمی خزرجی انصاری کہا جاتا ہے۔ ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں (کچھ پہلے یا کچھ بعد) شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں شریک ہونے کی عظیم سعادت حاصل کی۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ اس کے بعد ان کے حالات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا، یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کیا، ہاں، میرے والدین ہیں۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا انھوں نے تمہیں (یہاں آنے کی) اجازت دی ہے؟ اُس نے عرض کیا، ایسا تو نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا، تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ اور یہاں آنے کی ان سے اجازت مانگو۔ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اگر وہ اجازت نہ دیں تو (وہیں رہو اور) ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو۔"

(سنن ابی داؤد۔ مسندِ احمد)

حضرت نعمانؓ بن عبد عمرو انصاری

خزرج کی شاخ بنی نجار کے خاندان بنی دینار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبد الاشہل بن حارثہ بن دینار بن نجار
ان کے ایک بھائی ضحاکؓ بن عبد عمرو تھے۔ دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا کی تھی۔ دونوں غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔

غزوات کا آغاز ہوا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو دونوں بھائی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ یوں ان کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہو گیا۔

اگلے سال غزوۂ اُحد میں بھی دونوں بھائی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اسی لڑائی میں اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت ضحاک بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حالات غزوۂ اُحد کے بعد پردۂ خفا میں ہیں۔ ابنِ اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بھی لاولد تھے۔

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دو، جو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ مانگے اسے دو اور جو تمہیں دعوت پر بلائے اس کی دعوت قبول کرو۔ (سُننِ ابی داؤد)

حضرت نعمانؓ بن عمرو انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان مالک بن نجار کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

نعمانؓ بن عمرو بن رفاعہ بن سواد (بروایتِ دیگر رفاعہ بن حارث بن سواد) بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

بعض اربابِ سیر نے ان کا نام نعیمان لکھا ہے لیکن زیادہ مشہور نعمان ہے۔

ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ آخری بیعتِ عقبہ (لیلۃ العقبہ یا عقبۂ کبیرہ ۱۳ بعدِ بعثت) کے شرکا میں تھے۔ گویا وہ انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت نعمان بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بدرالکبریٰ سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح ان کو عہدِ رسالت کی قریب سبھی سعادتیں حاصل ہو گئیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں حضرت نعمان بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی سرگرمیوں یا ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اربابِ سیر نے کچھ نہیں لکھا، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دورِ خلافت کے دوران میں کسی وقت وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت نعمانؓ بن مالک حارثی انصاری

اوس کے خاندان بنی حارثہ میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
نعمانؓ بن مالک بن عامر بن مجدعہ بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔
سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں اپنے فرزند سویدؓ کے ساتھ شریک ہوئے اس کے بعد عہدِ رسالت میں دوسرے تمام غزوات میں بھی اپنے سعادت مند فرزند کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔
سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔
(ان کے فرزند حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حالات اسی کتاب میں الگ بیان کر دیئے گئے ہیں۔)
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مدینہ کے چند اشخاص نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اپنی ضرورتیں مانگنی شروع کیں۔ آپؐ دیتے گئے۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپؐ کے پاس تھا وہ سب خرچ ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میرے پاس کچھ ہو اور میں تم کو نہ دوں۔ مگر یاد رکھو کہ جو شخص سوال سے بچنا چاہے اللہ اس کو (سوال کرنے سے) بچائے گا اور جو لوگوں سے بے پروائی اختیار کرنا چاہے اللہ اس کو بے پروا کر دے گا اور جو فقر و فاقہ پر صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر دے گا اور قناعت سے زیادہ وسیع خزانہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت نعیمانؓ بن عمرو انصاری

خزرج کے معزز ترین خاندان بنی نجار میں سے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

نعیمانؓ بن عمرو بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن نجار۔

بعض کتب رجال میں سواد کے بعد مالک بن غنم بن مالک بن نجار بیان کیا گیا ہے۔

ان کی کنیت ابو عمرو تھی۔

ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ ہجرت نبویؐ سے پہلے مسلمان ہوئے اور بیعت لیلۃ العقبہ (سنہ ۱۳ بعد بعثت) میں شریک ہوئے۔ لیکن بیشتر دوسرے ارباب سیر نے بیعت عقبہ کے شرکاء کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت نعیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام شامل نہیں ہے۔ البتہ ان کے غزوۂ بدر میں شریک ہونے پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔

ابن اثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بدر کے بعد عہد نبویؐ کے باقی غزوات میں بھی شریک رہے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت نعیمانؓ بڑے خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان کی ظرافت اور خوش طبعی کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ واقعہ ہے جو ان کا حضرت سویبط بن سعد عبدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بعض روایتوں میں

تو یہ ہے کہ حضرت سویبطؓ نے مذاق میں ان کو غلام بنا کر فروخت کر دیا تھا اور بعض میں یہ ہے کہ حضرت نعیمانؓ نے حضرت سویبطؓ کو از راہِ مذاق غلام بنا کر فروخت کیا تھا۔ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ واقعہ کی موخر الذکر صورت صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اس واقعہ کی تفصیل حضرت سویبطؓ کے ترجمہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ اسی طرح کے اور واقعات بھی ان سے منسوب ہیں۔

ان کی عادت تھی کہ جب کوئی نیا پھل مدینہ منورہ میں آتا تو وہ دکاندار سے ادھار خرید لاتے اور رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر کے کہتے، یہ ہدیہ ہے۔ پھر جب دکاندار قیمت کا مطالبہ کرتا تو وہ اسے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں لے آتے کہ حضورؐ اس پھل کی قیمت ادا کر دیجئے۔ آپؐ ہنس کر فرماتے، وہ تو ہدیہ تھا۔ نعیمانؓ عرض کرتے، یا رسول اللہ! میرے دل نے چاہا کہ آپؐ کے سوا نیا پھل پہلے کوئی اور نہ کھائے اس لیے لے آیا مگر قیمت میرے پاس موجود نہیں۔

حضورؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہنس پڑتے اور قیمت ادا فرما دیتے۔

حضرت نعیمانؓ کا سالِ وفات کسی نے نہیں لکھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد تک حیات رہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیث نبویؐ

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ "جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے کی وجہ سے ادب احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اُس وقت اس کا ادب احترام کریں گے۔"

(جامع ترمذی)

حضرت نوفلؓ بن ثعلبہ انصاری

ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی سالم بن عوف سے تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

نوفلؓ بن ثعلبہ بن عبداللہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج (الاستیعاب)

لیکن ابن اسحاقؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر نے ان کے نسب نامہ سے ثعلبہ کا نام حذف کر دیا ہے اور ان کا نام نوفل بن عبداللہ لکھا ہے۔

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور اللہ کے سپاہی بن گئے۔ رمضان ۲ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ لڑائی میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑے اور یوں بدری صحابی ہونے کی عظیم سعادت حاصل کی۔

شوال ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو ایک ہزار آدمی آپؐ کے ہم رکاب تھے لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی سلول کے بہکانے پر تین سو آدمی لشکر اسلام سے الگ ہو گئے اور صرف سات سو مردانِ حق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔ ان مخلص مسلمانوں میں حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔ دشمن کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے چار گنا سے بھی زیادہ تھی لیکن راہِ حق کے سرفروشوں نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور طاغوت کی مہیب طاقت سے مردانہ وار بھڑ گئے۔ حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی لڑائی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ غزوۂ اُحد میں ان کی شہادت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت نوفلؓ بن مساحق عامری قرشی

خاندانی تعلق قریش کی شاخ عامر بن لوی سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
نوفلؓ بن مساحق بن عبداللہ بن مخرمہ (جو بنو مالک بن حسل بن عامر بن لوی سے تھے)
ان کی کنیت ابوسعید تھی۔

قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت نبوی سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور پھر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ انہوں نے ابو موسیٰؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نوفلؓ نے عبدالملک بن مروان کے ابتدائی عہد میں وفات پائی۔ زندگی کے باقی حالات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کچھ پیئے تو داہنے ہاتھ سے پیئے۔ (صحیح مسلم)

حضرت نہیکؓ بن اَوسؓ انصاری

قبیلہ خزرج کے خاندان بنو قوقل کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
نہیک بن اوس بن خزمہ بن عدی بن ابی بن غنم (قوقل) بن عوف بن خزرج۔

وہ اپنے چچا حضرت خزیمہ بن خزمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اُحُد اور مابعد کے تمام غزوات میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ فتح حنین کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت نہیک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اہلِ مدینہ تک خوشخبری پہنچانے پر مامور فرمایا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس یمن بھیجا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مرتدین کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ بعد میں حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کچھ جنگی قیدیوں کو ان کے ساتھ مدینہ منوّرہ بھیجا۔ ان قیدیوں میں اشعث بن قیس کندی بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی لغزش پر ندامت کا اظہار کیا اور سچے دل سے توبہ کی تو خلیفۃ الرّسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے انہیں معاف کر دیا اور اپنی بہن حضرت فردہؓ کی شادی ان سے کر دی۔ بعد میں حضرت اشعثؓ نے ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ شام کی جنگِ یرموک میں بھی شریک تھے۔

حضرت نہیک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت وَاثِلہؓ بن خَطَّاب عَدَوی

ان کا نسب نامہ کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی عدی سے تھا۔ (سیدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تعلق بھی بنو عدی سے تھا)۔ اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ انہیں شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ ان کے دوسرے حالاتِ زندگی کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہونے کے بعد انہوں نے دمشق کی سکونت اختیار کرلی تھی اور وہاں اپنا مکان بنا لیا تھا۔ ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے جو یہ ہے:

"(ایک دن) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص (مسجد میں داخل ہو کر) آپؐ کے پاس آئے آپؐ نے انہیں دیکھا تو ان کے لیے اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھسک گئے۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہؐ! جگہ تو کافی ہے (مطلب یہ کہ میرے بیٹھنے کے لیے کافی گنجائش ہے آپ نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی زحمت کیوں فرمائی) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب ایک دوسرے کو (اپنے پاس) آتا دیکھے تو اس کی خاطر اِدھر اُدھر تھوڑا بہت سرکے (اور اپنے قریب بٹھائے)

(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت وحشیؓ بن حرب

اہلِ سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وحشی بن حرب نام تھا، ابو وسمہ کنیت تھی۔ نسلاً حبشی تھے اور مکہ میں حضرت جبیرؓ بن مطعم کے غلام تھے۔[1]

غزوۂ بدر (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) حضرت جبیرؓ بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عمِ رسول) کے

---

[1] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قریش کے خاندان بنی نوفل سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ——— جبیرؓ بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدِ مناف بن قصیّ۔ ان کے والد مطعم بن عدی بڑے نرم دل اور منصف مزاج آدمی تھے۔ ۱۰ بعد بعثت میں طائف سے واپسی پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے ہی اپنی حمایت میں لیا تھا۔ بدقسمتی سے مطعم حالتِ کفر ہی میں فوت ہو گئے تاہم حضورؐ نے ان کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا۔

جبیرؓ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں کسی وقت مسلمان ہوئے۔ غزوۂ حنین میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے ——— انہوں نے ۵۹ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان سے ساٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے چھ متفق علیہ ہیں۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جبیرؓ کو علم الانساب میں بڑی مہارت تھی اور ان کا شمار قریش کے ممتاز نسابوں میں ہوتا تھا۔ یہ فن انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کیا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس کا حضرت جبیرؓ کو بہت رنج تھا (اس وقت وہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے) اگلے سال مشرکینِ مکہ اُحُد کی لڑائی کے لیے روانہ ہونے لگے تو جبیرؓ نے وحشیؓ سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے قاتل حمزہؓ کو قتل کر دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی نے فوراً اس کام کی ہامی بھر لی۔

میدانِ اُحُد میں مشرکین اور اہلِ حق کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوا تو وحشی ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جونہی حضرت حمزہؓ تلوار چلاتے اُدھر سے گزرے، وحشی نے اپنا نیزہ اس انداز سے پھینکا کہ ان کی ناف کے پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت شہید ہو گئے۔ اب وحشی نے اپنا نیزہ ان کے جسم سے نکالا اور اپنے لشکر میں واپس چلے گئے۔ لشکرِ قریش مکہ واپس پہنچا تو جبیرؓ نے حسبِ وعدہ وحشیؓ کو آزاد کر دیا۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنے جان نثار چچا سے بے حد محبت تھی۔ آپؐ کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا اور آپؐ نے وحشی کو واجب القتل قرار دیا تاہم مکہ میں وہ مشرکینِ قریش کے درمیان محفوظ رہے۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو وحشی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ اہلِ طائف (بنو ثقیف) نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے انہوں نے وحشی کو پناہ دے دی لیکن جلد ہی صورتِ حالات نے پلٹا کھایا اور اہلِ طائف بھی آستانۂ اسلام پر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ان کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگا تو وحشی کی عجیب کیفیت ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ——— "زمین کی وسعتیں مجھ پر تنگ ہو گئیں اور میں نے ارادہ کیا کہ شام، یمن یا اور کہیں بھاگ جاؤں۔ اس پر ایک آدمی نے مجھ سے کہا، ارے احمق تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص اسلام قبول کر لے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اسے معاف فرما دیتے ہیں۔"

لوگوں کے کہنے پر وحشی کا حوصلہ بندھا اور وہ اہلِ طائف کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور پھر اچانک کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، وحشی ہو؟

انہوں نے عرض کیا ——— "جی ہاں یا رسول اللہ"

آپؐ نے فرمایا، بیٹھو اور قتلِ حمزہؓ کا واقعہ بیان کرو۔

انہوں نے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا، آئندہ مجھے اپنا منہ نہ دکھانا۔ (بروایتِ دیگر اگر ہو سکے تو اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا) وحشیؓ فوراً آپ کے سامنے سے ہٹ گئے اور پھر آپؐ کی وفات تک آپؐ سے چھپتے پھرے۔

بعض روایتوں میں حضرت وحشیؓ کی بارگاہِ نبویؐ میں حاضری اور سعادت اندوزیٔ ایمان کا واقعہ قدرے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے لیکن ہم نے یہ واقعہ مشہور روایات کے مطابق بیان کیا ہے۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈٹ کر اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ ان کے بھیجے ہوئے لشکروں نے نہ صرف منکرینِ زکوٰۃ کا قلع قمع کر دیا بلکہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ ان دشمنانِ اسلام میں مسیلمہ کذاب سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سرکوبی پر حضرت خالدؓ بن ولید کو مامور فرمایا۔ حضرت وحشیؓ یہ سوچ کر کہ اب تلافیٔ مافات کا موقع ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ یمامہ کے میدان میں مجاہدینِ اسلام اور مسیلمہ کذاب کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی۔ طبری کا قول ہے کہ یہ فتنۂ ردہ کے سلسلے کی لڑائیوں میں سب سے سخت لڑائی تھی۔ حضرت وحشیؓ میدانِ جنگ میں مسیلمہ کذاب کی تاک میں لگے رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے (میدانِ رزم میں) مسیلمہ کذاب کو دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا

ہے۔ چنانچہ میں اس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک انصاری بھی اس کی تاک میں تھا[1] ادھر میں نے اپنے نیزے کو جنبش دے کر مسیلمہ پر پھینکا جو اس کے پیٹ میں لگا ادھر انصاری نے تلوار سے اس پر وار کیا اور مسیلمہ اسی وقت ڈھیر ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت وحشیؓ نے نیزے سے مسیلمہ کذاب پر وار کیا یہ وہی نیزہ تھا جس سے انہوں نے سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا۔

بعد میں حضرت وحشیؓ کہا کرتے تھے:

قتلت خیر الناس فی الجاھلیۃ ثم قتلت شر الناس فی الاسلام۔

(میں نے زمانۂ جاہلیت میں بہترین انسان کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں شریر ترین (بدترین) انسان کو)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت وحشیؓ شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور یرموک کی خونیں جنگ میں دادِ شجاعت

---

[1] یہ انصاری حضرت عبداللہؓ بن زید (بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار) تھے۔ خاندانی تعلق خزرج کے خاندان بنی نجار سے تھا۔ والدہ کا نام اُمِ عمارہؓ تھا جو جلیل القدر صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ بیعتِ رضوان کا شرف بھی حاصل کیا۔ بعض نے ان کو شریکِ بدر بھی بتایا ہے۔ عہدِ صدیقی میں جنگ یمامہ میں نمایاں حصہ لیا۔ مسیلمہ کذاب جس نے ان کے بھائی حضرت حبیبؓ کو شہید کیا تھا حضرت وحشیؓ اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۶۳ ہجری میں سانحہ حرہ میں اپنے دو بیٹوں خلاد اور علی کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان سے مروی چند احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دی۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے اور معرکوں میں بھی حصہ لیا ہوگا۔ شام کی فتح کے بعد انہوں نے حمص میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

حضرت وحشیؓ بن حرب سے یہ حدیث مروی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کھانا کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ شاید تم الگ الگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا، اکٹھے مل کر اللہ کا نام لے کر کھایا کرو تو کھانے میں برکت ہوگی۔" (ابوداؤد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے دل میں نفاق نہیں پیدا ہو سکتا۔ ایک یہ کہ جو عمل کرے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے۔

دوسری یہ کہ جو لوگ اجتماعی معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ ان کے ساتھ خیر خواہانہ معاملہ کرے۔

تیسری یہ کہ جماعت سے وابستہ رہے۔ جماعت کے افراد کی دعائیں اس کی حفاظت کریں گی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ہبّار رضؓ بن سُفیان مخزومی

حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عظیم المرتبت اصحاب میں سے ہیں جن کو قرآن پاک میں "السّابقون الاوّلون" کہہ کر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان مخزوم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ہبار بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو (عمر) بن مخزوم القرشی مخزومی

حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد (ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر) کے بھتیجے تھے وہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دعوت توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

سنہ بعد بعثت میں دوسری ہجرت حبشہ واقع ہوئی۔ حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مہاجرین میں شامل ہو کر حبش چلے گئے اور وہاں طویل عرصہ تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے ہی مکہ واپس آ گئی اور ایک جماعت غزوۂ خیبر (محرم سنہ ہجری) کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچی حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسری جماعت میں شامل تھے۔ یہ اصحاب مدینہ منورہ سے خیبر پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کو خیبر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا

ایک روایت کے مطابق حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ موتہ (جمادی الاولیٰ سنہ ہجری) میں شہادت پائی لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس روایت کو مشکوک بتایا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں رومیوں سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت ہبار بن سفیان شام کے میدان جہاد میں معرکہ اجنادین میں رومیوں کے خلاف داد شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ بہرصورت میدان جہاد میں ان کی شہادت پر سب کا اتفاق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ہرمیؓ بن عبداللہ انصاری

قبیلہ اوس کے خاندانِ بنی واقف سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ہرمیؓ بن عبداللہ بن رفاعہ بن نجدعہ بن مجدعہ بن کعب بن واقف (مالک) بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ ان کا نام ہرم تھا اور وہ بنو عمرو بن عوف سے تھے لیکن دوسرے اربابِ سیر ان کا نام ہرمی بتاتے ہیں۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ بنو واقف، بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے اس لیے ان کو بھی بنو عمرو بن عوف سے سمجھ لیا گیا۔

ابنِ مندہؒ اور ابو موسیٰؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ہرمی بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں بچے تھے اور انہیں آپ کے صحابہ کی صحبت میسر آئی۔ لیکن ابنِ ماکولاؒ کا بیان ہے کہ حضرت ہرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ تبوک کے سوا عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ تبوک میں وہ تساہل کی بناء پر نہیں بلکہ اس وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔

ابنِ ماکولاؒ، حافظ ابو نعیمؒ، حافظ ابنِ عبدالبرؒ اور ابنِ کلبیؒ نے انہیں ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سواری مانگنے آئے تھے اور جب ان کی خواہش پوری نہ ہوئی تو روتے ہوئے واپس گئے تھے۔ ان اصحاب کے آنسو رائیگاں نہ گئے۔ ان کے اخلاص اور جہاد میں شریک ہونے کی تڑپ کو بارگاہِ خداوندی میں پذیرائی ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ

مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (سورۃ توبہ آیۃ ۹۲)

(اور ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں جنہوں نے خود آکر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھیں اشک بار تھیں اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے)

ان ارباب سیر نے حضرت ہرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے۔ کسی انصاری صحابی کے قدیم الاسلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہجرت نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت ہرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعے کی اذان سنتا ہے اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد کا رخ نہیں کرتا تو اس کے بعد کا دوسرا جمعہ اسے زیادہ بوجھل معلوم ہوگا، اسی طرح اگر وہ متواتر چار جمعوں کی اذانیں سنتا ہے اور نماز پڑھنے نہیں جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (اسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبوی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دے کر کوئی چیز واپس لی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ہشامؓ بن ابی حُذیفہ مخزومی

جمہور ارباب سیر نے ان کا نام ہشام بیان کیا ہے لیکن واقدی نے ہاشم لکھا ہے۔ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے صحیح نام ہشام ہی ہے۔
قریش کی شاخ بنی مخزوم کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ہشامؓ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی قرشی۔
ابی حذیفہ کا نام مہشم تھا لیکن اس نے اپنی کنیت سے شہرت پائی۔
حضرت ہشامؓ کی والدہ اُمّ حذیفہ، اسد بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔
حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ اور حضرت سلمہؓ بن ہشام بن مغیرہ، حضرت ہشام بن ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے مشہور دشمنِ اسلام ابوجہل بھی ان کا چچازاد بھائی تھا۔
حضرت ہشام بن ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت توحید کے اوائل میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے ـــــ اور یوں وہ "السّابقون الاوّلون" کی عظیم المرتبت جماعت کے رکن بن گئے۔
قبول اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بھی مشرکینِ قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔
۶ ـــہ بعد بعثت میں وہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایما پر مظلوم مسلمانوں کے ایک قافلے میں شریک ہو کر حبش چلے گئے۔ اس واقعہ کو حبشہ کی ہجرت ثانیہ کہا جاتا ہے۔
حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً تیرہ سال تک حبش میں

غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے موقع پر مہاجرین کی ایک جماعت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ واپس آئی اور خیبر پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں باریاب ہوئی۔ حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سیر بالکل خاموش ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاکت کا سبب ہیں۔ نجات دلانے والی چیزیں یہ ہیں:

(۱) خلوت ہو یا جلوت، ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا۔

(۲) غصے اور رضامندی دونوں حالتوں میں حق بات کہنا۔

(۳) تنگدستی اور دولتمندی میں اعتدال اختیار کرنا۔

اور ہلاکت کے اسباب یہ ہیں:

(۱) اپنی خواہشات کی تابعداری (۲) تنگ دلی اور بخیلی

(۳) آدمی کا خود پسندی یا خود پرستی میں مبتلا رہنا ـــــ اور یہ تیسرا سبب سب سے بڑھ کر ہلاکت کا سبب ہے۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ باب الغضب والکبر صفحہ ۴۳۴)

حضرت یزیدؓ بن برذع انصاری

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کے قول کے مطابق خزرج کے خاندان بنی ظفر میں سے تھے نسب نامہ یہ ہے: ——— یزیدؓ بن برذع بن یزید بن عامر بن سواد بن ظفر الانصاری ظفری غزوۂ اُحدؔ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اس کے بعد اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد طویل عرصہ تک حیات رہے لیکن اس عرصہ میں ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ ابن القداحؒ کی روایت کے مطابق حضرت یزید بن برذع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے واقعہ حرّہ (۶۳ھ ہجری) میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

سانحۂ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے تین سال بعد حرّہ کا دلدوز سانحہ پیش آیا (ذوالحجہ ۶۳ھ) اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مدینہ نے یزید اوّل بن معاویہؓ کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی بیعت کرلی۔ یزید کو اطلاع ملی تو اس نے مسلم بن عقبہ مُرّی کو دس ہزار فوج دے کر حجاز روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ پہلے اہلِ مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کرنا۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ پہنچ کر اہلِ مدینہ کو یزید کی اطاعت قبول کرنے کے لیے کہا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اب مسلم بن عقبہ نے پوری طاقت سے مدینہ منوّرہ پر حملہ کر دیا۔ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاریؓ کی قیادت میں شامی فوج کا پُرزور مقابلہ کیا لیکن حکومت کی زبردست فوج کا پلّہ بھاری رہا۔ اس لڑائی میں بہت سے اکابر و اشرافِ قریش و انصار شہید ہوئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ، یزیدؓ بن برذع اور متعدد دوسرے صحابہ بھی شامل تھے۔ فتح کے بعد شامی فوج نے تین دن تک مدینۃ الرسول میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ اس سلسلے میں مؤرخین نے تفصیل سے افسوسناک واقعات بیان کیے ہیں جنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مکّہ فتح کر کے اہلِ مکّہ کے لیے عفوِ عام کا اعلان کرنے والے رسولِ رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نام لیواؤں نے مدینہ فتح کر کے اہلِ مدینہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حضرت یزیدؓ بن ثابت انصاری

خاندانی تعلق خزرج کے معزز خاندان نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :
یزیدؓ بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار۔
حبر الامت کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے والد ثابت بن ضحاک جنگ بعاث میں مارے گئے تھے۔ یہ جنگ ہجرت نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر الکبریٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے مگر جمہور ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ سب سے پہلے غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ احد کے بعد وہ عہد رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو حضرت یزیدؓ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سلسلے میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی پیش آئی تو حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں مرتدین کے خلاف جان توڑ کر لڑے۔ لڑائی میں ان کو ایک تیر لگا جس سے شدید زخمی ہو گئے۔ واپسی میں اسی صدمے کی وجہ سے راستے ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت البقیع گیا۔ وہاں آپؐ نے ایک نئی قبر دیکھی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ عرض کیا گیا، فلاں کنیز کی ہے جسے فلاں شخص نے آزاد کیا تھا۔ فرمایا، مجھے کیوں نہیں بتایا۔ ہم نے گزارش کی کہ آپ قیلولہ فرما رہے تھے جگانا مناسب معلوم نہ ہوا۔ حضورؐ وہیں کھڑے ہو گئے۔ ہمراہیوں کو ایک صف میں کھڑا کیا اور چار تکبیر نماز جنازہ پڑھائی۔ فرمایا جب تک میں تم میں موجود ہوں تو جب بھی کوئی شخص فوت ہو تو مجھے بتایا کرو (راوی کا خیال ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میری نماز اس کے لیے رحمت ہو گی۔) (اُسد الغابہ)

حضرت یزیدؓ بن ثعلبہ بلوی الانصاری

خاندانی تعلق قبیلہ بلی سے تھا اور مدینہ منورہ میں بنی عوف بن خزرج کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

یزیدؓ بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ بن مالک بن عمرو بن بیثرہ بن مشنوء (مثنوء) بن قشر بن تمیم بن عوذ مناۃ بن تاج بن تیم بن اراشہ بن عامر بن عبیلہ بن قسمیل بن فران بن بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ۔

مشہور بدری صحابی حضرت مجذرؓ بن زیاد بلوی (شہید اُحد) کا نسب پانچویں پشت میں عمارہ پر جاکران سے مل جاتا ہے۔

حضرت یزیدؓ بن ثعلبہ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ ایک روایت میں "ابو عبداللہ" بھی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور ۱۲ ھ بعدِ بعثت میں مکہ جاکر بیعتِ عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ مدینہ کے گیارہ مردانِ حق اور تھے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت ذکوانؓ بن عبدِ قیس زرقی، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت معاذؓ بن حارث بن رفاعہ، حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ، حضرت عویمؓ بن ساعدہ، حضرت قطبہؓ بن عامر، حضرت اسعدؓ بن زرارہ، حضرت عوفؓ بن حارث، حضرت رافعؓ بن مالک، حضرت عقبہؓ بن عامر بن نابی، حضرت ابو الہیثمؓ بن التیہان۔

بارہ آدمیوں پر مشتمل انصار کا یہ پہلا وفد تھا جو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اگلے سال (۱۳ ھ بعدِ بعثت) میں حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ

کو بیعت عقبہ کبیرہ (لیلۃ العقبہ) میں بھی شریک ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر ان کے ساتھ مدینہ کے ستر سے زیادہ اہلِ ایمان تھے۔
اس زمانے میں سارا عرب دینِ حق کا دشمن اور علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا تھا مگر مدینہ منورہ کے ان نفوسِ قدسی نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جانوں مال اور آل اولاد کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کرنے کا عہد کیا اور آپؐ کو مدینہ (اس زمانے میں یثرب) تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان کے اس تاریخ ساز کردار کی بدولت ان کو صحابۂ کرام میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔
حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے ان سابقین اوّلین میں شامل ہیں جن کو عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔
ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ یوں انہیں بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف بھی حاصل ہو گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق وہ بدر میں شریک تھے۔ (اصحابِ بدر)
اگلے سال ۳ ہجری میں حضرت یزیدؓ بن ثعلبہ غزوۂ اُحد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں کسی نے سالِ وفات تک نہیں لکھا۔ بہرصورت ان کی جلالتِ قدر پر سب کا اتفاق ہے۔
حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بھائیوں حضرت عبداللہؓ اور حضرت بحاثؓ (بروایتِ دیگر بحاث یا بحاب) کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ دونوں غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد ان دونوں کے حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔

حضرت یزیدؓ بن حارث انصاری

ان کا تعلق خزرج کی شاخ بنی حارث بن خزرج سے تھا۔
حافظ ابونعیمؒ اور حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

یزیدؓ بن حارث بن قیس بن مالک بن احمر بن حارثہ بن ثعلبہ بن کعب بن حارث بن خزرج۔

ابن الکلبی اور امیر ابونصر نے احمر بن حارثہ تک ان کا سلسلۂ نسب اسی طرح بیان کیا ہے مگر حارثہ کے بعد مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر لکھا ہے۔
علامہ ابنِ اثیرؒ کی رائے میں یہی اصح ہے۔
حضرت یزید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا عرف ابنِ فُسحُم تھا۔ فُسحُم ان کی والدہ کا نام تھا جو بلقین کی رہنے والی تھیں۔
وہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے یا فوراً بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو ان کو حضرت ذوالشمالینؓ کا مواخاتی بھائی بنایا۔[۱]

---

[۱] حضرت ذوالشمالینؓ کا اصل نام عمیر اور کنیت ابومحمد تھی۔ نسبی تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمیرؓ بن عبد عمرو بن نضلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر خزاعی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں دونوں مواخاتی بھائی غزوۂ بدر میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور دونوں نے اسی غزوے میں جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت یزیدؓ باختلافِ روایت طعیمہ بن عدی یا نوفل بن معاویہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ان کے والد عبد عمرو نے اپنے وطن سے نقل مکانی کر کے مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور عبد الحارث بن زہرہ سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ حضرت ذو الشمالینؓ نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اذنِ ہجرت ہونے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت یزیدؓ بن حارث کا مواخاتی بنایا۔ دونوں بھائیوں نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی۔ حضرت ذو الشمالینؓ، ابو اسامہ جشمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ اگر بھوکا ہے کھانا کھلا دو، اس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہنا دو یا اس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہو تو اسے پوری کر دو۔

(ترغیب بحوالہ طبرانی)

حضرت یزیدؓ بن رُقیش اسدی

بنو اسد بن خزیمہ کی شاخ بنی غنم بن دودان کے فرزندِ سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

یزیدؓ بن رقیش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مُرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

یہ مکہ میں بنو امیہ کے حلیف تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے چچا زاد بھائی تھے اور اُمّ المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی چچا زاد بہن تھیں۔

حضرت یزید بن رقیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ نبوی سے کئی سال پہلے مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر اذنِ ہجرت ہونے پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ رمضان المبارک ۲ ہجری میں انہیں غزوۂ بدر الکبریٰ میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔

غزوۂ بدر کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی دوسری عورت کو اس کے محرم رشتہ دار کی موجودگی کے بغیر ہرگز ہرگز نہ ملے اور نہ کوئی عورت محرم رشتہ دار کے بغیر سفر کرے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میرا نام فلاں لڑائی میں جانے کے لیے لکھا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر (بخاری)

حضرت یزیدؓ بن عامر انصاری

قبیلہ خزرج کی شاخ بنی سلمہ کے فرزندِ سعید تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

یزیدؓ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی انصاری۔

نامور صحابی حضرت قطبہؓ بن عامر انصاری ان کے بھائی تھے[1]

---

[1] حضرت قطبہ بن عامر انصاری کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعدِ بعثت) اور بیعتِ عقبۂ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعدِ بعثت) دونوں میں شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد بدر، اُحد اور دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ بدر میں ان کے جوش اور جذبے کی یہ کیفیت تھی کہ مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینکا اور کہا کہ جب تک یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا۔ چنانچہ لڑائی کے ختم ہونے تک سربکف ہو کر لڑتے رہے۔ غزوۂ اُحد میں انہوں نے نو زخم کھائے۔

فتح مکہ (رمضان المبارک سنہ ۸ ہجری) کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو سلمہ کا علمبردار بنایا۔

سُنّتِ نبوی کی پیروی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ بدعات اور غلط رسموں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ جاہلیت میں عرب کے اکثر قبائل میں یہ دستور تھا کہ لوگ احرام باندھ کر گھروں کے دروازوں کے بجائے پیچھے سے (دیوار پھاند کر) اندر آتے تھے۔ حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت یزید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالمنذر تھی۔ انہوں نے ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہونے کا عظیم بالشان شرف حاصل کیا۔ (سنہ ۱۳ بعد بعثت)

ہجرت نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو پہلے انہوں نے غزوہ بدر (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں شریک ہو کر بدری صحابی ہونے کی عظیم سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد غزوہ اُحد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اس قدیم جاہلانہ رسم کو توڑا۔

حضرت قطبہؓ بن عامر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث نبویؐ

حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ اور حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ میں ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔"

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

حضرت یزیدؓ بن قیس انصاری

قبیلہ اوس کے خاندان بنو ظفر میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
یزیدؓ بن قیس بن خطیم بن عدی بن عمرو بن سوید بن ظفر انصاری ظفری
ان کا والد ابو یزید قیس مدینہ کا مشہور شاعر تھا۔ بظاہر اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا (یا قبولِ ایمان کے شرف سے محروم رہا) فرزندِ سعید یزیدؓ غزوۂ اُحُد سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔ سب سے پہلے وہ غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ زخم پر زخم کھاتے تھے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اس لڑائی میں ان کو بارہ زخم آئے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی پامردی کی تحسین فرمائی اور ان کو شجاع کا لقب عطا فرمایا۔

اُحُد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ برابر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب رہے۔

سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابو عبید ثقفی کو عراقِ عرب کی مہم پر مامور فرمایا تو حضرت یزید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے معرکۂ جسر (سنہ ۱۳ھ) میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حدیثِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ اس مسلمان سے محبت کرتا ہے جو کوئی محنت کر کے روزی کماتا ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)

حضرت یزیدؓ بن مالک جُعفی

خاندانی تعلق یمن کے قحطانی قبیلے بنو جُعفی سے تھا۔ یہ قبیلہ مذحج کے بطن سعد العشیرہ بن مالک کہلانی کی ایک شاخ تھا۔ اس کی جائے سکونت صنعاء سے تقریباً چالیس فرسخ (تقریباً ایک سو بیس میل) کی مسافت پر تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

یزیدؓ بن مالک بن عبداللہ بن ذدیب بن سلمہ بن عمرو بن ذہل بن مران بن جعفی۔ ——— ان کی کنیت ابو سبرہ تھی۔

فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت یزید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دو بیٹوں سبرہ اور عزیز کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ——— اور مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیزؓ سے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "عزیز"

آپؐ نے فرمایا: "اللہ کے سوا کوئی عزیز نہیں آج سے تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے۔"

انہوں نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس موقع پر حضرت یزید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میرے ہاتھ کی پُشت پر ایک پھوڑا ہے جس کی وجہ سے میں اونٹنی کی مہار نہیں پکڑ سکتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگوا کر ان کے پھوڑے پر پھیرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابو سبرہ یزیدؓ اور ان کے بیٹوں کے لیے دُعا فرمائی اور حضرت ابو سبرہؓ کی درخواست پر ان کو ایک وادی بطور جاگیر عطا فرمائی جو حُردان کے نام سے مشہور تھی۔

حضرت یزید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید حالات کتبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔

حضرت یزیدؓ بن مُنذِر انصاری

خاندانی تعلق خزرج کے خاندان بنو سلمہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :-
یزیدؓ بن منذر بن سرح بن خناس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ
اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر ۱۳ بعدِ بعثت کے موسمِ حج میں مدینہ کے چہتر دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ مکہ گئے۔ وہاں بیعتِ لیلۃ العقبہ (عقبۂ کبیرہ) سے سرفراز ہو کر ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد کے ساتھ مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جان، اولاد اور مال کے ساتھ آپ کی حمایت و حفاظت کریں گے —— اس طرح ان کو عقبی صحابہ کی مقدس جماعت کا رکن بننے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہو گیا۔ ان صحابہ کا درجہ ازواجِ مطہراتؓ اور مہاجرینِ اولینؓ (بشمول خلفائے راشدینؓ) کے بعد تمام صحابہ کرام سے افضل ہے۔
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو انہوں نے دوسرے مدنی اہلِ ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ استقبال کیا۔ کچھ عرصے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا تو حضرت یزیدؓ بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔
غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت یزید بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ھ) میں دادِ شجاعت دی۔ یوں وہ اصحابِ بدر کی منصور جماعت میں بھی شامل ہو گئے —— اگلے سال وہ غزوۂ اُحُد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحُد کے بعد حضرت یزید بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کتبِ سِیَر بالکل خاموش ہیں۔ یہ بات فی الواقع باعثِ حیرت ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی جو عقبی بھی ہیں، بدری بھی اور اُحُدی بھی۔ غزوۂ اُحُد کے بعد ان کی عظیم شخصیت یکسر پردۂ خفا میں چلی جاتی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت یوسفؓ بن عبداللہؓ

مشہور اہلِ کتاب صحابی حضرت عبداللہ بن سلام کے فرزندِ ارجمند تھے[1]۔ والد کی کنیت انہی کے نام پر ابو یوسف تھی۔ خاندانی تعلق یہودِ مدینہ کے خاندان "بنو قینقاع" سے تھا۔ اربابِ سِیَر نے ان کا شجرۂ نسب صرف اتنا ہی بیان کیا ہے:

یوسفؓ بن عبداللہؓ بن سلام بن حارث

ان کی کنیت ابو یعقوب تھی۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت والدِ گرامی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے اور گھر کے در و دیوار نورِ اسلام سے جگمگا رہے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کا معمول

---

[1] سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہود کے بہت بڑے علماء میں سے تھے اور مدینہ میں بنی عوف بن خزرج کی شاخ قواقل کے حلیف تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تین باتیں دریافت کیں۔ آپؐ نے ان کا جواب دیا تو وہ فوراً اسلام لے آئے اور عرض کیا کہ یہود افترا پرداز قوم ہے، میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجیے۔
آپؐ نے یہود کے اکابر کو بلا بھیجا، وہ آئے تو عبداللہؓ مکان کے ایک گوشے میں چھپ گئے۔ آپؐ نے اکابر یہود کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے پوچھا عبداللہ بن سلام تمہارے نزدیک کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا، وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا، کیا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا، کبھی نہیں۔ حضرت عبداللہؓ اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے سامنے آ گئے اور یہود کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا، تم بدترین آدمی ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا ___ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ!

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دعا اور برکت کے لیے لاتے۔ حضرت یوسفؓ پیدا ہوئے تو ان کو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا۔ آپؐ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔ خود ان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔

حضرت عبداللہؓ کا نام پہلے حصین تھا حضورؐ نے بدل کر عبداللہ رکھا۔ بدر اور اُحد کے غزووں میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے البتہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں ان کی شرکت پر سب کا اتفاق ہے۔ عہد فاروقی میں حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہؓ بن سلام بھی ان کے ساتھ تھے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے اواخر میں باغیوں نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کیا تو حضرت عبداللہؓ بن سلام نے باغیوں کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے کی بے حد کوشش کی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور امیر المومنینؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہؓ نے انہیں کہلا بھیجا کہ رسول اللہ کا منبر نہ چھوڑیئے۔

حضرت علیؓ نے سنا تو فرمایا، وہ بے چارے بہت نیک آدمی ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے دو بیٹے یوسفؓ اور محمدؒ اپنی یادگار چھوڑے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور وہ دینی مسائل میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ منکسر المزاج اور متواضع تھے۔ ان سے ۲۵ احادیث مروی ہیں۔

روایت ہے کہ (جب میں پیدا ہوا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا، میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرا نام یوسف رکھا۔

حضرت یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والدِ گرامی سے تعلیم حاصل کی اور متعدد دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی استفادہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ کمسن تھے اس لیے ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔

مُسندِ احمد میں ہے کہ حضرت یوسف بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳۲ہجری میں تحصیلِ علم کے لیے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شام گئے اس وقت وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ حضرت یوسفؓ سے پوچھا، کیسے آئے؟ حضرت یوسفؓ نے (ان کی حالت دیکھ کر اپنا اصل مقصد بیان کرنا مناسب نہ سمجھا اور) کہا، میرے والد اور آپ کے درمیان جو ارتباط تھا اس کی بناء پر زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ (حضرت ابوالدرداء نے فراستِ باطنی سے بھانپ لیا کہ ان کی بات خلافِ واقعہ ہے چنانچہ) انہوں نے فرمایا:

"جھوٹ بھی کیا بُری شے ہے لیکن جو شخص استغفار کرے تو معاف ہو جاتا ہے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ایک قسم کی بزرگانہ تنبیہ تھی۔ اس کے بعد حضرت یوسفؓ ان کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔ وفات سے پہلے حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت یوسفؓ کو بُلا کر کہا کہ لوگوں کو خبر کر دو کہ میرا اجل چلا دُ ہے۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اس خبر کے پھیلتے ہی بے شمار لوگ ان کے مکان کے باہر جمع ہو گئے۔ انہیں اطلاع ہوئی تو فرمایا، مجھے یہاں سے باہر لے چلو۔ اہلِ خانہ باہر لائے تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے ایک حدیث بیان کی۔ اس کے بعد انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

(مُسندِ احمد ج-۶ ص ۴۵۰)

حضرت یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کے زمانۂ خلافت (سنہ ۹۹ھ تا سنہ ۱۰۱ھ) کے دوران میں کسی وقت وفات پائی۔

حضرت یوسفؓ سے متعدد احادیث مروی ہیں جو جامع ترمذی، سُنن ابی داؤد اور مُسندِ احمد میں موجود ہیں۔ انہوں نے رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اَلْاِصَابہ" میں لکھا ہے کہ وہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے۔

حضرت یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی احادیث میں سے ایک یہ ہے:

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپؐ نے ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے پر رکھا اور فرمایا، یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔" (اَلْاِصَابہ ج۔۳ ص ۶۷۱)

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ یاد رکھیئے! امام کی حیثیت ڈھال کی سی ہے جس کی پناہ و حفاظت میں قتال کیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہ (امام) تقویٰ کا حکم دے اور عدل کرے تو اس کے لیے اجر ہے، اگر تقویٰ و عدل سے ہٹ کر کچھ کرے تو اس کا وبال اس پر ہے!

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ کتاب الامارت والقضاء ص ۳۱۹)

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ اخذ و استفادہ کیا گیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں:

(۱) الجامع الصحیح ———— امام بخاریؒ
(۲) الجامع الصحیح ———— امام مسلمؒ
(۳) سُنَنِ ابی داؤد ———— امام ابو داؤد سجستانیؒ
(۴) موطا امام مالک ———— امام مالکؒ
(۵) جامع ترمذی ———— امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ
(۶) مُسندِ ابی داؤد ———— امام ابو داؤد طیالسیؒ
(۷) مُسندِ احمد ———— امام احمد بن حنبلؒ
(۸) سنن ابنِ ماجہ ———— امام ابنِ ماجہؒ
(۹) الادب المفرد ———— امام بخاریؒ
(۱۰) سُنَنِ النسائیؒ ———— امام نسائیؒ
(۱۱) مشکوٰۃ المصابیح ———— شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمریؒ
(۱۲) المستدرک ———— امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوریؒ
(۱۳) شعب الایمان ———— امام بیہقیؒ
(۱۴) البدایہ والنہایہ ———— حافظ ابنِ کثیرؒ
(۱۵) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ———— حافظ ابنِ عبدالبر اندلسیؒ
(۱۶) الطبقات الکبریٰ ———— ابنِ سعدؒ
(۱۷) الاصابہ فی تمییز الصحابہ ———— حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ
(۱۸) اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ———— علامہ ابنِ اثیرؒ جزری
(۱۹) فتوح البلدان ———— علامہ بلاذریؒ
(۲۰) الاخبار الطوال ———— ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری

(۲۱) تاریخ الملوک والامم ــــ امام ابن جریر طبری ؒ
(۲۲) تاریخ خلیفہ بن خیاط ــــ خلیفہ بن خیاط شباب بصری
(۲۳) تاریخ ابن خلدون ــــ قاضی عبدالرحمن بن محمد بن خلدون ؒ
(۲۴) تاریخ الخلفاء ــــ امام جلال الدین عبدالرحمن ؒ بن ابوبکر سیوطی
(۲۵) السیرۃ النبویہ ــــ ابن ہشام ؒ
(۲۶) تہذیب التہذیب ــــ امام ابن حجر عسقلانی ؒ
(۲۷) الکامل فی التاریخ ــــ علامہ ابوالحسن عزالدین بن علی بن اثیر جزری ؒ
(۲۸) تاریخ اسلام جلد اوّل و دوم ــــ شاہ معین الدین احمد ندوی ؒ
(۲۹) حیاۃ الصحابہ ــــ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ
(۳۰) رحمۃ للعالمین جلد دوم ــــ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ؒ
(۳۱) اصحاب بدر ــــ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ؒ
(۳۲) سیرۃ کبریٰ جلد دوم ــــ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ؒ
(۳۳) معارف الحدیث (۷ حصے) مولانا محمد منظور نعمانی
(۳۴) المشاہد ــــ حکیم رحمان علی مرحوم
(۳۵) سیر انصار جلد اوّل دوم ــــ مولانا محمد سعید انصاری مرحوم
(۳۶) مہاجرین حصہ دوم (سیر الصحابہ جلد سوم) ــــ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۳۷) سیر الصحابہ جلد ہفتم ــــ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۳۸) اہل کتاب صحابہ و تابعین ــــ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی
(۳۹) عہد نبوت کے ماہ و سال ــــ مخدوم محمد ہاشم سندھی اردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی
(۴۰) خلافت راشدہ اور ہندوستان ــــ قاضی اطہر مبارکپوری
(۴۱) خلفائے راشدین ــــ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۴۲) عرب کا ارتداد اور اس کا بزور تیغ انسداد ــــ خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم
(۴۳) جزیرۃ العرب ــــ مولانا محمد رابع ندوی
(۴۴) ریاض الصالحین ــــ امام نووی ؒ اردو ترجمہ و تشریح مولوی احمد الدین ؒ بن شرف الدین
(۴۵) فقہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ــــ ڈاکٹر محمد رواس قلعجی اردو ترجمہ مولانا عبدالقیوم

طالب الہاشمی کی دوسری تالیفات

(صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ کے ایمان افروز تذکرے)

(۱) تین سو تیرہ پروانے شمع رسالت کے ـــــ ضخامت ۵۱۲ صفحات ـ قیمت ۔/۹۰ روپے
(۲) خیر البشرؐ کے چالیس جان نثار ـــــ ضخامت ۴۸۰ صفحات ـ قیمت ۔/۷۵ روپے
(۳) سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ ـــــ ضخامت ۶۶۴ صفحات ـ قیمت ۔/۱۲۰ روپے
(۴) آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے ـــــ ضخامت ۵۶۸ صفحات ـ قیمت ۔/۸۰ روپے
(۵) رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائی ـــــ ضخامت ۶۴۰ صفحات ـ قیمت ۔/۱۰۰ روپے
(۶) فوزِ سعادت کے ایک سو پچاس چراغ ـ ضخامت ۷۵۶ صفحات ـ قیمت ۔/۱۲۰ روپے
(۷) سیرۃ خلیفۃ الرسول سیدنا صدیقِ اکبرؓ ـ ضخامت ۴۱۶ صفحات ـ قیمت ۔/۸۰ روپے
(۸) تذکارِ صحابیاتؓ ـــــ ضخامت ۶۰۰ صفحات ـ قیمت ۔/۹۰ روپے
(۹) سیرۃ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ ـــــ ضخامت ۲۸۶ صفحات ـ قیمت ۔/۴۸ روپے
(۱۰) سیرۃ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ـــــ ضخامت ۲۸۴ صفحات ـ قیمت ۔/۲۵ روپے
(۱۱) سیرۃ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ـــــ ضخامت ۲۹۴ صفحات ـ قیمت ۔/۲۵ روپے
(۱۲) سیرۃ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ـــــ ضخامت ۳۱۲ صفحات ـ قیمت ۔/۲۵ روپے

تاریخ و سوانح کے موضوع پر کچھ اور تالیفات

(۱۳) تاریخِ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ـــــ ضخامت ۷۱۲ صفحات ـ قیمت ۔/۱۶۰ روپے
(۱۴) الملک الظاہر بیبرس ـــــ ضخامت ۲۹۶ صفحات ـ نیا ایڈیشن زیر طبع
(۱۵) سلطان نور الدین محمود زنگیؒ ـــــ ضخامت صفحات ـ قیمت ۔/۲۵ روپے
(۱۶) ملک شاہ سلجوقی ـــــ ضخامت ۳۶۴ صفحات ـ نیا ایڈیشن زیر طبع
(۱۷) یعقوب المنصور باللہ ـــــ ضخامت ۲۹۱ صفحات ـ " "

(۱۸) تذکرہ سیدنا شیخ جیلانیؒ ——— ضخامت ۳۰۴ صفحات ـ قیمت ۔/۴۹ روپے
(۱۹) تذکرہ خواجۂ اجمیریؒ ——— ضخامت ۲۹۶ صفحات ـ قیمت ۔/۳۶ روپے
(۲۰) تذکرہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ ——— ضخامت ۳۸۵ صفحات ـ قیمت ۔/۴۵ روپے
(۲۱) تذکرہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ ـ ضخامت ۲۴۰ صفحات ـ قیمت ۔/۳۶ روپے
(۲۲) یہ تیرے پُراسرار بندے ——— ضخامت ۶۴۰ صفحات ـ قیمت ۔/۷۰ روپے

سیرۃ طیبہ سے متعلق تالیفات

(۲۳) معجزاتِ سرورِ کونینؐ ——— ضخامت ۲۰۲ صفحات ——— قیمت ۔/۳۲ روپے
(۲۴) ارشاداتِ دانائے کونینؐ ——— ضخامت ۲۰۸ صفحات ——— قیمت ۔/۳۶ روپے
(۲۵) اخلاقِ پیغمبریؐ ——— ضخامت ۲۸۸ صفحات ——— قیمت ۔/۳۲ روپے
(۲۶) وفودِ عرب بارگاہِ نبویؐ میں ——— ضخامت ۲۹۶ صفحات ——— قیمت ۔/۴۰ روپے

متفرق موضوعات

(۲۷) آج کے بچے کل کے جوان ——— ضخامت ۱۹۲ صفحات ——— قیمت ۔/۱۵ روپے
(۲۸) سفرنامۂ آخرت ——— ضخامت ۲۲۰ صفحات ——— قیمت ۔/۳۰ روپے
(۲۹) حکایاتِ رومیؒ ——— ضخامت ۲۵۶ صفحات ——— قیمت ۔/۳۲ روپے
(۳۰) حکایاتِ سعدیؒ ——— ضخامت ۲۵۶ صفحات ——— قیمت ۳۳ روپے
(۳۱) حکایاتِ صوفیہ ——— ضخامت ۲۴۹ صفحات ——— قیمت ۳۳ روپے

بچوں کی سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے پاکیزہ اور سہل کتابیں

(۱) ہمارے رسولِ پاکؐ (صداقی حیدر زیادہ) ضخامت ۲۳۲ صفحات ـ قیمت ۔/۲۰ روپے
(۲) جنگلا شہید اور دوسری کہانیاں ——— ضخامت ۴۰ صفحات ——— قیمت ۔/۵ روپے
(۳) بادشاہی میں فقیری اور دوسری کہانیاں ـ ضخامت ۴۰ صفحات ——— قیمت ۔/۵ روپے

(۴) جنّت کی خوشبو اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۵) بہادر ترکی بہن اور دوسری کہانیاں	۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۶) اللہ کا شیر اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۷) اللہ کی تلوار اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۸) صبر کی تصویر اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۹) خدائی امتحان اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۰) سونے چاندی کا بچھڑا اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۱) دلوں پر حکومت اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۲) دلیر چرواہا اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۳) خدا پر بھروسا اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۴) شریف دشمن اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۵) گمنام محسن اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۶) کتابوں کا ضمیر اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۷) کرخ کا درویش اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۸) غرور کا سر نیچا اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۱۹) شیر دل سلطان اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۰) غریب بادشاہ اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۱) سچائی کی جیت اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۲) یمامہ کا قیدی اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۳) ڈاکو کا قہقہہ اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۴) لقمان حکیم اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۵) شہید نبی اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے
(۲۶) غمگسار بیوی اور دوسری کہانیاں	ضخامت ۴۸ صفحات	—	قیمت -/۵ روپے

نوٹ کتابوں کی قیمتوں میں کاغذ کے نرخ اور دوسرے اخراجات کے مطابق ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ ہر کتاب اسی قیمت پر مہیا کی جائے گی جو آرڈر موصول ہوتے وقت ہوگی۔ بڑے آرڈر پر معقول رعایت دی جائے گی۔

پین اسلامک پبلشرز ۱۷۔ اردو بازار لاہور